محبتِ الٰہی، اطاعتِ رسول، فکرِ آخرت، اصلاحِ ظاہر و باطن کا مؤثر بیان

سُخنِ دُرویش

خُطباتِ
حضرت ڈاکٹر فدا محمد
خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانی

ترتیب و تدوین

محمد طُفیل کوہاٹی
مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

1

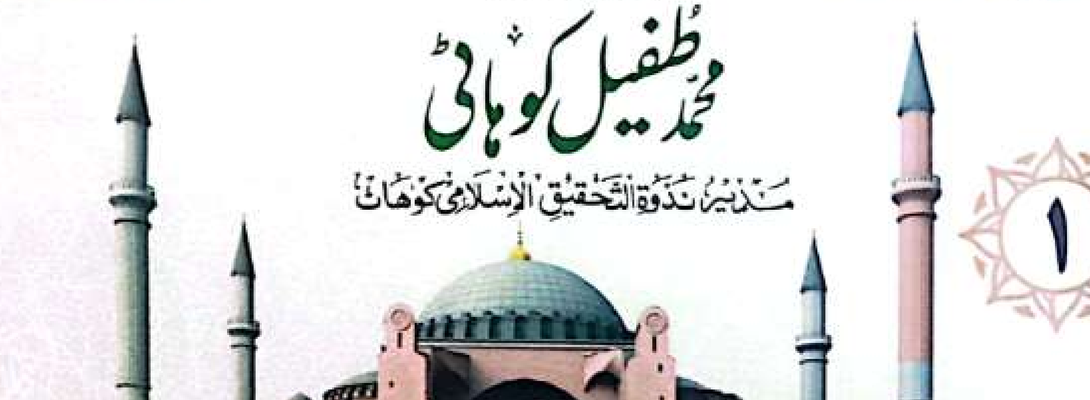

اِدارہ اشرفیہ عزیزیہ کوہاٹ

سخنِ دُرویش

(جلداول)

خطبات

حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ

ترتیب وتدوین

محمد طفیل کوہاٹی

ناشر

ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کوہاٹ

File Adress:

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب.......................سخن درویش
خطبات.......................حضرت ڈاکٹر فدا محمد مدظلہم
مرتب.......................محمد طفیل کوہاٹی
طبع..............................اول
سن.............................محرم الحرام ۱۴۴۰ھ
باہتمام.......................ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کوہاٹ

File Adress:

ملنے کے پتے:
ادارہ اشرفیہ عزیزیہ پشاور۔ 03219006321
ادارہ اشرفیہ عزیزیہ کوہاٹ۔ 03325876050
ادارہ اشرفیہ عزیزیہ مردان۔ 03149630240

انتساب

بندہ اپنی اس کاوش کو سیدی و مرشدی، ملجائی و مولائی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب دامت برکاتہم کے نام کرتا ہے۔جن کی نصف صدی سے زیادہ عرصۂ خطابت اور وعظ وارشاد میں ہزاروں لوگوں کو فیض ہوا، ہزاروں افراد کی زندگیاں دینی و دنیاوی اعتبار سے قابل رشک بنیں۔امت مسلمہ کو اپنے بیسیوں سلگتے مسائل میں درست اور محفوظ رہنمائی ملی۔اور لاکھوں افراد تک مسلک اعتدال،اصلاح ظاہر و باطن اور دین متین کی درست تعلیمات کا پیغام پہنچتا رہا۔باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ مدینہ مسجد پشاور یونیورسٹی کے منبر سے حق وصداقت کی یہ صدا تادیر بلند ہوتی رہے۔

محمد طفیل کوہاٹی

مدیر ندوۃ التحقیق الاسلامی کوہاٹ

File Adress:

فہرست مضامین

۱۔عرضِ مرتب ۵
۲۔مقدمہ ۱۳
۳۔اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم: چند اہم گوشے ۵۱
۴۔انبیائے کرام کے نظام ہائے معیشت وہدایت ۹۳
۵۔نبوی سیاست اور اس سے انحراف کے نتائج ۱۱۵
۶۔مذہب اور سائنس کا ٹکراؤ: واہمہ یا حقیقت ۱۴۹
۷۔کامیابی کا مدار نظری فلسفہ نہیں عملی دین ہے ۱۸۱
۸۔دینی اور دنیاوی فوائد کے حصول کا راز ۱۹۷
۹۔جذبۂ محبت ۲۳۵
۱۰۔وساوس وخیالات کا علاج ۲۷۳
۱۱۔آدابِ معاشرت ۲۹۱
۱۲۔تعمیرِ شخصیت اور رمضان ۳۰۵
۱۳۔انوارِ ربانی اور ان کے محل ۳۳۱

File Adress:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مرتب

ایک دور وہ تھا کہ خانقاہ کا اثر ورسوخ تمام دینی شعبہ جات وتحریکات پر یکساں رہتا تھا اور اسی کی اہمیت وہمہ گیریت مسلم تھی۔ میدان جہاد کے غازی، سیاست وقانون کے شہسوار، مسند تدریس کے صدر نشین، علم وتحقیق کے خوگر، درس وتدریس کے شناور، دعوت دین کے داعی ومبلغ اور قلم وقرطاس کے شہباز سبھی اس کے خوشہ چین اور متوسلین ہوا کرتے تھے۔ خانقاہ رہبانیت اور عالم بیزاری سے کوسوں دور ایک متحرک اور زندہ کردار کی آئینہ دار تھی۔ ایمان وتقویٰ، بیعت وتلقین، دعوت وجہاد، تعلیم وتدریس، طاغوت کی سرکوبی، باطل کا استیصال اور نصرت حق کی شمعیں یہی سے فروزاں رہتیں۔ اس ہمہ گیریت کا اثر یہ تھا کہ دین کا ہر میدان خانقاہ کے زیر اثر خانقاہ کی تصویر تھا۔ مدارس میں دن کو علمی حلقے لگتے اور رات کو دن کی جلوتوں سے بہرہ ور خلوت نشینی کے مزے لوٹتے۔ دن گھوڑے کی پشت پر میدان جہاد میں اللہ اکبر کی صدائیں بلند کرتے گزرتا تو رات کے کسی پہر گریہ وبکا میں لپٹی اللہ ھو کی صدا شبنمی عشق کا پتہ دیتی۔ رزق حلال کے متلاشی دن بھر بازاروں اور منڈیوں کے چکر کاٹتے لیکن ان کی حالت دست بکار دل بہ یار کی کامل تصویر ہوتی۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب ملکوں کے لشکر، ارباب سیاست وحکومت اور اہل علم ودانش باطل کی یورش کے سامنے سرنگوں ہو رہے تھے، اس وقت اس امت کی ترکش کا آخری تیر

File Adress:

خانقاہ ثابت ہوئی ہے۔ شیخ نجم الدین کبریؒ، امام شاملؒ، شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہؒ، سید احمد شہیدؒ اور ان کے علاوہ تاریخ کے سینے پر رقم بیسیوں صوفیاء اس وقت امت مرحومہ کی ڈوبتی ناؤ کے ناخدا بنے جب بجز خانقاہ کے ہر آواز خاموش اور ہر باب بند ہو چکا تھا۔

برصغیر پر استعماری غلبے کے آغاز میں دین متین کے اس ہمہ جہت ادارے کی سرگرمیاں برصغیر کے خاص معروضی حالات میں بڑی حد تک محدودیت کا شکار ہو گئی تھیں اور یہ جوگیانہ و راہبانہ اطوار کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا تھا۔ حالانکہ اس دور میں امت مرحومہ کی حالت فعال خانقاہیت کو ترستی دکھائی دے رہی تھی۔

جب برصغیر کو ایک طویل عرصہ استعماری طاقتوں کے نوآبادیاتی نظام کا سامنا کرنا پڑا اور اس وقت کی غالب نفسیات نے ایک نیا فکر و فلسفہ اور نظام حیات 'جس کی بنیاد مکمل طور پر مادی اور حسی تمدن پر استوار تھی' تشکیل دیا، تو اس نظام حیات نے جہاں کارزار زندگی کے جملہ شعبوں کو متاثر کر کے ان کی ساخت مسخ کی، وہاں ہماری دینیات میں بھی رخنہ اندازی کر کے ہماری علمیات، سیاسیات، اقتصادیات اور عمرانیات میں نئے الحاد زدہ رجحانات پیدا کیے۔ دینی مسلمات، عقائد اور تعلیمات پر ایسے سوالات کھڑے کیے گئے، جن سے تشکیک کا زہر پھیلا۔ ایسے فتنوں کے سد باب کے لیے مؤثر اور ایسے زہر کے لیے کارِ تریاقی طریق تصوف میں پنہاں ہے جس کا اظہار امام غزالیؒ کے ہاں بخوبی ملتا ہے، لیکن اس وقت برصغیر کا بڑا المیہ یہ تھا کہ تصوف کے نام پر ایک معتد بہ طبقہ ہندوانہ درگاہی نظام کا نمائندہ بن گیا تھا، ان کے ہاں تصوف تعویذ گنڈے، کشف و توجہ، شعبدہ بازی، رسوم و رواج اور سماع کے نام پر قوالی و ساز کا نام بن گیا تھا۔ خدا پرستی اور زہد و فقر کے مراکز شرک و بدعت اور دنیا پرستی کے اڈے بن گئے تھے اور خانقاہ کی ہمہ جہت اثر آفرینی بڑی حد تک غیر مؤثر یا محدود ہو گئی تھی۔ کسی غالب نفسیات کے جبر میں ایسا ہو جانا ایک تاریخی

File Adress:

المیہ ہوتا ہے، جس کا تدارک تجدید کا تقاضا کرتا ہے۔

ٹھیک اسی زمانے میں برصغیر کے اندر خداوند کریم کے تکوینی نظام کے تحت تجدیدی نوعیت کے کاموں کا آغاز بھی ہوا جس کے اثرات آج ڈھائی صدیوں بعد بھی نمایاں ہیں۔ اس میں امتیازی شان ولی اللّٰہی مکتب کی رہی۔ برصغیر پر اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے ایک بڑا انعام ولی اللّٰہی خاندان اور ان کے علوم و فیوض ہیں، اس خاندان نے برصغیر کی مردہ رگوں میں خون زندگی دوڑائی اور علم و عمل کی حقیقی کاوشیں بدعات و رسومات کے جن دبیز پردوں میں چھپ گئی تھیں انہیں ایک بار پھر آشکارا کیا۔ اس خاندان کا ایک بڑا کارنامہ ہند کی سرزمین پر شرک و بدعت کا استیصال، علم حدیث و تفسیر کا فروغ، تصوف کی حقیقی صورت کی بحالی اور کفر کے خلاف مسلح جہاد کا احیاء تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتیؒ، حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ سے ہوتے ہوئے یہ سارے رنگ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے اجل خلفاء حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ابوحنیفہ وقت حضرت مفتی رشید احمد گنگوہیؒ میں بدرجہ اتم جمع ہوئے۔ ان حضرات نے ولی اللّٰہی خاندان کے ہمہ جہت کارناموں کا تسلسل دارالعلوم دیوبند کی تشکیل سے مزید مستحکم کیا، جو درحقیقت ولی اللّٰہی منہج کی یادگار اور اُسی اسلوبِ دعوتِ دین کی امین درسگاہ تھی۔ اس نے دعوت و جہاد، تعلیم و تدریس، ایثار و قربانی، صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت کے وہ محیر العقول ہیرے تراشے، جنہیں تاریخ کے اوراق نے تقریباً پانچ صدیوں بعد دیکھا تھا۔ دارالعلوم چہار دانگ عالم میں ایک تجدیدی تحریک کی صورت میں ابھرا اور دین متین کے جملہ شعبہ جات کو منہج نبوت کے مطابق ازسرنو بحال و فعال کرنے کی کوشش کی۔

حضرت جھنجھانویؒ نے طریق تصوف کے ان رنگوں کو جمع کیا جو پہلے

File Adress:

متفرق اورالگ الگ ذوق ونظر کے حامل تھے،خود ہی فرمایا کرتے تھے کہ فقیر نے وہ ہنڈیا پکائی ہے جو نہ سوسال پہلے کسی نے پکائی اور نہ سوسال بعد تک کوئی پکا سکے گا۔اس میں اشارہ اس طرف تھا کہ ان کے سلسلے سے اللہ تعالیٰ نے کسی ایک ذوق ورنگ کا نہیں بلکہ تمام شعبہ ہائے دین میں ایک اجتماعی اور تجدیدی نوعیت کا کام لینا ہے اور یہی سلسلۃ الذھب سوسال تک اس اقلیم پر تن تنہا راج کرے گا، علم کا سکہ بھی انہی کا چلے گا، جہاد وسیاست کے شاہسوار بھی یہی ہوں گے اور تقویٰ وطہارت کی مثالیں بھی انہی کی دی جائیں گی۔یہی وہ واقعہ تھا جس پر اقلیم علم وتصوف اور جہاد وسیاست کا اقتدار پورے آب وتاب سے ان بوریہ نشینوں کے سپرد ہوا اور دارالعلوم دیوبند کا نور صرف علم تک محدود نہ رہا، بلکہ تصوف وسلوک، جہاد وسیاست، دعوت وتبلیغ،تصنیف وتالیف، نبوی معاشرت واخلاق اور دیگر شعبہ ہائے دین میں ان کے تجدیدی کارنامے آج بھی امت کے لیے مشعل راہ ہیں۔

دارالعلوم کی نابغہ روزگار ہستیوں میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی گوہر بار شخصیت بھی تھی جنہوں نے ولی اللّٰہی فکر کی تکمیل کرتے ہوئے تصوف کے اساسی شعبہ کی تجدید کا مرحلہ آگے بڑھایا،حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کی انہیں واضح ہدایت تھی کہ تدریس سے جی بھرنے کے بعد تھانہ بھون کی خانقاہ آباد کریں،اس ارشاد میں اشارہ تھا کہ مذکورہ بالا بزرگوں نے تجدیدی جامعیت کی جو بنیاد رکھ دی تھی ،اس پر قصر وایوان کی تعمیر وتکمیل حضرت تھانویؒ کے ہاتھ ہونی ہے۔اس پورے تجدیدی سلسلہ میں احیاء دین سے متعلق آپ کے کارنامے سب سے زیادہ محیر العقول ہیں۔آپ بیک وقت صوفی باصفا، مفسر قرآن، عظیم محدث ،نکتہ رس فقیہ، کہنہ مشق مدرس، رمز شناس متکلم، مایہ ناز مصنف ومحقق، ماہر فلسفی، حاذق طبیب ،صاحب طرز انشاء پرداز، نامور ادیب، قادر الکلام شاعر، مؤرخ ومبلغ، واعظ وخطیب ،معقولات ومنقولات کے بحر ذخار اور سماج کے گہرے نبض شناس

File Adress:

تھے۔ آپ کی فہم وفراست دینی لحاظ سے مجتہدانہ اور عصری اعتبار سے شاہانہ تھی۔ قدرت نے آپ کو تربیت کا وہ انوکھا طریق ودیعت فرمایا تھا جس نے سنگ پارس تراشے، ان کی صحبت میں جو اخلاص اور طلب لے کر آیا وہ سونا بن کر نکلا اور اس سے دین کی ہمہ جہت خدمات کے کئی چشمے جاری ہوئے۔ حضرت تھانویؒ کی تجدیدی جدوجہد کے اثرات اتنے متنوع اور ہمہ گیر ہیں کہ آج بھی برصغیر کا معاشرہ ان کے فیوض وبرکات سمیٹ رہا ہے۔

ہمارے دیار میں حضرت مولانا محمد اشرف سلیمانیؒ سلسلۂ اشرفیہ کے ایک گل سرسبد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مرد درویش کی ذات میں ایک انجمن جمع کر دی تھی۔ راسخ علم، گہرا فہم، عمیق فراست، مثالی ورع وتقویٰ، داعیانہ مزاج، ممتاز سیاسی بصیرت، ہمہ گیر وہمہ جہت شخصیت، جہد مسلسل کی خوگر طبیعت، عبقری فکر ونظر، قلم وکلام پر معجزانہ دسترس اور سچے سچے عشق میں گندھا ہوا یہ مرد قلندر اپنے ماحول میں اقلیم شریعت وطریقت کا تاجدار تھا۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ سے طویل ارادت وتعلق نے روحانی وعرفانی کمال تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ آپ میں جامعیت کا وہ رنگ پیدا کیا جو اشرفی سلسلہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت عبدالعزیز دعاجوؒ اور حضرت مولانا فقیر محمدؒ کی نسبتوں نے آپ کو عشق وسوز کی وہ دولت نصیب فرمائی کہ معشوق کا تذکرہ آتے ہی مثل بسمل تڑپ اٹھتے اور بے اختیار وہ نعرۂ مستانہ بلند کرتے جو اہل صحبت کے قلوب کو ہلا دیتا۔ عشق وخشیت سے حزیں قلب کی توجہ جس پر پڑتی وہ اس کی گرمی وتاثیر کو محسوس ومشاہد پاتا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام پر فائز ہوئے کہ روضۂ رسول سے تسلسل کے ساتھ بشارات ملتیں۔ آپ نے پشاور یونیورسٹی کے کیمونزم اور سوشلزم زدہ ماحول میں ایمان وایقان اور اصلاح وارشاد کی شمع روشن کی اور ان سارے فتنوں کو بفضل اللہ محض اپنی روحانی قوت سے غیر مؤثر بنایا۔

آپ کے فیض یافتگان میں سے سیدی وسندی حضرت ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

File Adress:

عہد حاضر کے ان روشن چراغوں میں سے ہیں جن سے راہیانِ سلوک وارشاد کی ایک کثیر تعداد مادیت ونفسانیت کے اس دور میں دلیل راہ پکڑتی ہے اور آپ کی ذات علم وتحقیق، تصنیف وتالیف، بیعت وتلقین، دعوت وجہاد اور باطل کے استیصال کے لیے سرگرم کئی تحاریک کا گہرا منبع ہے۔ آپ کی صورت میں علم وعمل کا نیر تاباں، غیرت وحمیت کا کوہ گراں، تقوی وطہارت کا گوہر آبدار، جلال وجمال کا مرقع پر ضیاء، جودوسخا کا بحر بے کنار، فہم و فراست کا آفتابِ نیم روز، جہاد وسیاست کا سیف بے نیام اور دعوت وارشاد کا پیکر مجسم عیاں دکھائی دیتا ہے...... نگاہوں نے ایسی جامعیت کا نظارہ کم ہی کیا جو قدرت نے اس مرد قلندر کی ذات میں ودیعت فرمائی ہے۔ کام کیسے ہوتا ہے؟ نام ونمود اور مروجہ اسالیب سے ہٹ کر نتائج کیسے نکالے جاتے ہیں؟ سادگی وقناعت اور فقر ودرویشی کو قائم رکھ کر بادشاہی کیسے کی جاتی ہے؟ یہ سب اسی دربار کی چاکری اور اسی خوان کی خوشہ چینی سے عیاں ہوا۔ آپ کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ آپ نے اپنے کئی مادی فوائد اور آسائشیں قربان کر کے اپنے شیخ گرامی کے منصب کو ویران ہونے نہیں دیا اور ان کی جملہ مساعی کا تسلسل پوری قوت سے برقرار رکھا، بلکہ ان کے تنوع میں مزید اضافہ فرمایا۔

یہ روسیاہ ایسی نابغہ روزگار ہستیوں کے مقام سے جاہل مطلق ہے تاہم اتنا علم ضرور ہوا کہ سیدی حضرت ڈاکٹر صاحب کی صحبت میں پہنچ کر اس بے چینی و بے کلی کو قرار ملنے لگا جس سے دوچار رہ کر زندگی کی ایک کامل دہائی کاٹی تھی، پہلی دفعہ اصلاح کی حقیقت وماہیت اور اس کی روح سے آشنائی ہوئی۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کے ہاں سلوک واحسان کی وہی ماہیت ہے جو مقدمین سلف صالحین کا شعار تھی۔ ایمان ویقین، غیرت وحمیت، عشق ومحبت، تسلیم ورضا، اتباع سنت اور ہمہ گیریت وجامعیت میں اس دربار کا وہی حسن ہے، جو ڈیڑھ صدی سے دیوبندی روایت کے چہرے کا غازہ رہا ہے اور جس کے بارے خاکم بدہن یہ

File Adress:

خدشات اٹھنے لگے تھے کہ اس روایت کی سو فیصدی بقا اب عنقا ہوتی جا رہی ہے اور اس کے حاملین کسی نہ کسی حد تک معیار میں تفریط گوارا کر رہے ہیں۔حضرت ڈاکٹر صاحب کے ہاں ہم نے اپنے اکابر کی اس روایت کو اپنی اصلی شکل میں پوری طرح بحال پایا بلکہ سیاست، دعوت، جہاد اور مسلکی جدوجہد تک میں آپ کے پیش نظر معیار ہمیشہ اپنے بزرگوں کی روایت نظر آئی اور کسی مصلحت کی خاطر اس سے دست برداری یا بیزاری کا شائبہ بھی محسوس نہیں ہوا۔سب سے بڑھ کر یہ کہ تصوف جس کی معیاری ترتیب میں بہت کچھ تفریط گوارا کی جا رہی ہے اور اس کے لیے ہزار ہا اعذار بھی تراشے جا رہے ہیں،آپ کے ہاں اپنے معیاری خدوخال کے ساتھ بحال ہے، اور اس میں کسی قسم کی لچک یا معیار سے فروتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

زیر نظر مجموعہ حضرت سیدی کے بیانات پر مشتمل ہیں۔آپ کے بیانات کا سلسلہ اصلاحی مجالس، ماہانہ اجتماعات، کالج و یونیورسٹی میں خصوصی علمی تقریبات، مدارس اور دینی تحریکات کے جلسوں اور خطبات جمعہ پر مشتمل ہے۔آپ کے بیانات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فرد، خاندان، معاشرہ، ریاست اور بین الاقوامی امور کا گہرا مشاہدہ، ان دائروں میں برپا سنگین بحرانوں اور سلگتے مسائل کی درست تشخیص، سلف صالحین کے ارشادات و تجربات کی روشنی میں ان سے خلاصی کی راہ، انسانی زندگی میں پامال روحانی تقاضوں کی بحالی کا طریق، تعلق مع اللہ، تعلق بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دین کے ظاہری و باطنی احکام کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔زبان سادہ، گفتگو مجمع کی ذہنی سطح کے مطابق اور مضمون کو اقرب الی الفہم بنانے کے لیے عام فہم تمثیلات ان بیانات کا خاصہ ہیں۔تزکیہ کے اہم رکن ایمان اور فکر و نظر کی اصلاح پر گہری ترکیز بھی ان بیانات میں مشاہدہ کی جا سکتی ہے جس کا رواج بظاہر اہل سلاسل کے ہاں ماند پڑتا نظر آ رہا ہے۔

File Adress:

یہ آپ کے سلسلہ بیانات کو مجموعہ کی شکل میں لانے کی اولین کاوش ہے، احقر نے کوشش کی ہے کہ حضرت کے الفاظ اور لب ولہجہ کی چاشنی متاثر ہونے نہ پائے، تاہم تقریر کو تحریری تسلسل دینے اور مجمع کے خاص مزاج سے اٹھا کر عمومی تحریر کے طور پر پیش کرنے میں حک واضافہ کی جسارت بھی کرنی پڑی، جس کی توثیق حضرت سیدی سے اہتمام والتزام کے ساتھ لی گئی۔ بندہ کے پیش نظر حضرت سیدی کے بیانات کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے، ایک ہزار کے لگ بھگ ریکارڈ بیانات ایسے ہیں جنہیں تاحال لکھنے اور مرتب کرنے کا کام باقی ہے، دوجلدوں کا مواد کتابت کے مرحلے سے آگے بڑھ گیا ہے، جس کا ایک حصہ پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ جلدیں بھی جلد پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس کے ساتھ ساتھ حضرت سیدی کے ساتھ اصلاحی خط وکتابت اور نجی مجالس میں سنے ہوئے اعلیٰ علمی، تحقیقی اور اصلاحی ارشادات کی ترتیب 'جواہر سلوک' کے نام سے شروع ہے، جس کا ابتدائی خاکہ اور کچھ حصہ مکمل ہو چکا ہے، امید ہے یہ بھی جلد قارئین کے ہاتھوں میں ہوگی۔

اس مجموعہ کے لیے بندہ نے حضرت سیدی کے احوال وآثار پر مشتمل ایک تعارفی مقدمہ لکھنا شروع کیا تھا، جس کی عنوان بندی اور ابتدائی چار عناوین پر کام کی ضخامت سے اندازہ ہوا کہ اس کا حجم اصل کتاب سے بڑھ جانے کا قوی امکان ہے، لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ اس کی تکمیل کے بعد اسے مستقل تحریر کے طور پر پیش کیا جانا زیادہ مفید ہے۔ قارئین سے ان سب سلسلوں کی کامیابی کے لیے دعا کی درخواست ہے، اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو حضرت سیدی، بندہ اور تمام اہل سلسلہ احباب کے لیے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد طفیل کوہاٹی عفی عنہ

File Adress:

مقدمہ

از: پروفیسر ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّا بَعْدُ!

انسان کی پیدائش کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان حاصل کرنا، اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لائے ہوئے دین پر عمل کرکے آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کرنا اور وہاں کی لامتناہی ہولناکیوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرنا ہے۔ اس چیز کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ نے احکامات مرحمت فرمائے ہیں۔ ان احکامات کا تعلق انسان کے ظاہر سے بھی ہے اور باطن سے بھی۔ ظاہری احکامات مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، کسبِ حلال، بال بچوں کا نان ونفقہ وغیرہ معروفات (نیکیاں) کہلاتے ہیں، جن کی پابندی فرض و واجب ہے۔ کچھ کام مثلاً چوری، ڈاکہ زنی، قتل، حرام خوری، شراب نوشی وغیرہ منہیات (منع کی ہوئی چیزیں) ہیں، جن کا ارتکاب حرام ہے اور ان سے بچنا فرض ہے۔ ان معروفات اور منہیات کو فقہاء نے بیان کیا ہے، جن سے فقہ مدوّن ہوا ہے۔ اسی طرح باطن کے بھی احکامات ہیں۔ باطنی احکامات میں بھی باطنی معروفات (نیکیاں) توحید، توکل، تفویض (اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنا)، تواضع، اخلاص، خیرخواہی ہیں، جنھیں باطنی فضائل کہا جاتا ہے، ان کی پابندی بھی فرض و واجب ہے۔ منہیات میں شرک، کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریاء ہیں جنھیں رذائل کہا جاتا ہے۔ ان کا ارتکاب اسی طرح حرام ہے جس طرح ظاہری منہیات کا، اور ان

File Adress:

سے بچنا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح ظاہری منہیات سے۔ معروفات اور منہیات کے اس باطنی پہلو کو صوفیاء نے بیان کیا ہے۔ جس طرح ظاہری فرائض کا سیکھنا ضروری ہے اور اس کے لیے علماء کی شاگردی اختیار کرنا پڑتی ہے اسی طرح باطنی رذائل سے پاک ہونے کے لئے اور فضائل سے متصف ہونے کے لئے بھی ماہرین کی شاگردی اختیار کرنا ہو گی جو کہ صوفیائے کرام ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہری احکامات کے پوچھنے کا حال بیان کیا گیا ہے وہاں یہ بات بھی تذکروں میں آئی ہے کہ انہوں نے باطنی باتوں کو بھی پوچھا ہے۔ مثلاً:

استفسار در بارۂ نفاق (منافقت کے بارے میں سوال):

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ نَافَقَ حَنظَلَۃ (یعنی حنظلہ تو منافق ہو گیا) سامنے سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے تھے، ان سے عرض کیا کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ وہ یہ سن کر فرمانے لگے کہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہرگز نہیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے صورت بیان کی کہ ہم لوگ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوزخ اور جنت کا ذکر فرماتے ہیں تو ہم لوگ ایسے ہو جاتے ہیں گویا دونوں (جنت، دوزخ) ہمارے سامنے ہیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے آ جاتے ہیں تو بیوی، بچوں اور جائیداد وغیرہ کے دھندوں میں پھنس کر اس کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے۔ اس لئے دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حنظلہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ جب ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت و دوزخ کا ذکر فرماتے ہیں تب تو ہم ایسے ہو جاتے ہیں گویا کہ وہ ہمارے سامنے ہیں لیکن جب خدمت اقدس سے چلے جاتے ہیں تو جا کر بیوی بچوں اور گھر بار کے دھندوں میں لگ کر بھول جاتے ہیں۔

File Adress:

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہے جو میرے سامنے ہوتا ہے تو فرشتے تم سے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کرنے لگیں لیکن حنظلہ بات یہ ہے کہ گاہے گاہے، یعنی اس قسم کے حالات کبھی کبھی حاصل ہوتے ہیں۔ (حکایاتِ صحابہ صفحہ ۱۴۱، مولانا زکریاؒ، کتب خانہ فیضی)

استفسار دربارۂ ریا و اخلاص

۱) ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات اپنے گھر کے اندر اپنی جائے نماز پر ہوتا ہوں، اچانک کوئی آدمی آ جائے تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مجھے اس حال میں دیکھا (یعنی یہ کہیں ریا تو نہیں!) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! خدا تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، تمہیں اس وقت دو اجر ملتے ہیں، ایک خفیہ عمل کا جو پہلے سے کر رہے تھے اور ایک اعلانیہ عمل کا جو اس آدمی کے آنے کے بعد ہو گیا (یعنی یہ ریا نہیں)۔ (معارف القرآن، ج:۵، ص:۶۵۰، مفتی محمد شفیعؒ)

۲) صحیح مسلم میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ ایسے شخص کے بارے میں فرمایئے کہ جو نیک عمل کرتا ہے، پھر لوگوں کو سنے کہ وہ اس عمل کی تعریف اور مدح کر رہے ہیں (یعنی یہ ریاء تو نہیں ہے؟) آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تِلْکَ عَاجِلُ الْبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِ یعنی یہ مؤمن کیلئے نقد بشارت ہے، یعنی اس کا عمل اللہ کے نزدیک مقبول ہوا اور اس نے بندوں کی زبان سے اس کی تعریف کرا دی۔ (معارف القرآن ج:۵، ص:۶۵۰)

۳) ابن ابی حاتمؒ نے کتاب الاخلاص میں طاؤسؒ سے نقل کیا ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا کہ بعض اوقات کسی نیک کام یا عبادت کیلئے کھڑا ہوتا ہوں اور

File Adress:

میرا مقصد اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا ہی ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوتی ہے کہ لوگ میرے عمل کو دیکھیں، آپ ﷺ نے یہ سن کر سکوت فرمایا یہاں تک کہ سورۃ کہف کی آخری آیت "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا" نازل ہوئی۔

(۴) ابونعیم اور تاریخ ابن عساکر میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ لکھا ہے کہ جندب بن زہیر رضی اللہ عنہ صحابی جب نماز پڑھتے یا روزہ رکھتے یا صدقہ کرتے، پھر دیکھتے کہ لوگ ان اعمال سے ان کی تعریف اور ثناء کر رہے ہیں تو ان کو اس سے خوشی ہوتی اور اپنے اس عمل کو اور زیادہ کر دیتے اس پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن ج:۵ ص:۶۵۰)

آیت میں ریا کو شرک خفی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکھف:۱۱۰)

ترجمہ: "سو پھر جس کو اُمید ہو اپنے رب سے ملنے کی وہ کرے کچھ نیک کام اور شریک نہ کرے اپنے رب کی بندگی میں کسی کو۔"

مندرجہ بالا واقعات میں سے واقعہ نمبر ایک اور واقعہ نمبر دو میں وجۂ عمل رضائے الٰہی ہی تھی، اتفاقاً وہ ظاہر ہو گئے جس سے صاحبِ عمل کو فرحت اور خوشی ہوئی۔ اس لئے ان دو واقعات کو آپ ﷺ نے ریا میں شامل نہیں فرمایا جبکہ دوسرے دو واقعات میں شروع ہی سے وجۂ عمل میں علاوہ رضائے الٰہی کے مخلوق بھی شامل ہو گئی چنانچہ واقعہ نمبر تین میں جذبہ ہے کہ لوگ دیکھیں جبکہ واقعہ نمبر چار میں لوگوں کا دیکھنا عمل میں زیادتی کا ذریعہ بھی بن رہا ہے اس لئے ان دونوں حالتوں پر ریا کا فتویٰ دیا گیا۔

استفسار در بارۂ کبر

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس کی صاحبزادی کہتی ہیں کہ میں نے اپنے

File Adress:

باپ سے سنا، وہ فرماتے تھے جب حضور ﷺ پر آیت:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ (لقمٰن۔۱۸)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ پر نہایت بھاری پڑ گئی، اپنا دروازہ بند کرلیا اور رونا شروع کردیا۔ حضور ﷺ کو اس کی اطلاع کی گئی، آپ ﷺ نے ان کے پاس آدمی بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے اس چیز کی آپ کو خبر کردی جو اس آیت سے ان پر بھاری پڑی اور عرض کیا کہ میں ایک آدمی ہوں کہ زینت اور جمال کو پسند کرتا ہوں اور یہ کہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں (یعنی ان باتوں سے کہیں کبر اور فخر میں تو مبتلا نہیں ہوں؟) حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو بلکہ تم بھلائی کے ساتھ زندگی گزارو گے، خیریت سے تمہاری وفات ہوگی اور تمہیں اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرے گا۔

اسی طرح حضرت محمد بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ ڈر ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں تباہ ہو گیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کس لئے؟ عرض کیا اللہ پاک نے ہم لوگوں کو منع فرمایا ہے کہ ہم نے جو کچھ نہیں کیا ہم اس پر تعریف کئے جانے کو پسند کریں اور میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ مجھے اپنی تعریف پسند ہے۔ اللہ پاک نے ہمیں تکبر سے منع کیا ہے اور میں اپنے آپ کو پاتا ہوں کہ میں زینت کو محبوب رکھتا ہوں۔ اللہ پاک نے آپ ﷺ کی آواز پر آواز بلند کرنے کو منع فرمایا ہے اور میری آواز بلند ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ثابت! کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ زندگی میں تمہاری تعریف کی جائے اور تمہیں شہادت کی موت نصیب ہو اور تم جنت میں داخل ہو، عرض کیا یا رسول اللہ

File Adress:

بے شک یہ باتیں مجھے پسند ہیں۔ راوی کہتے ہیں چنانچہ انہوں نے ایسی ہی زندگی گذاری کہ ان کی تعریف کی گئی اور انہوں نے مسیلمہ کذاب کی جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ (حیاۃ الصحابہ حصہ پنجم صفحہ ۴۱۱، ۴۱۲ ترجمہ مولانا محمد عثمان)

استفسار در بارۂ جذباتِ شہوانیہ (Sex)

ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر باطنی شہوانی حالت کا تذکرہ کر کے بدکاری کی اجازت چاہی اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سخت ناراض ہونے لگے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے قریب کر کے محبت و شفقت سے سمجھایا اور اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دعا فرمائی جس سے اللہ تعالیٰ نے باطن کو پاک فرما دیا۔ (فضائل تبلیغ صفحہ ۲۸ مولانا زکریا صاحبؒ کتب خانہ فیضی)

ان سب واقعات میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باطنی حالات کے بارے میں پوچھنے اور رذائل کی اصلاح حاصل کرنے کا تذکرہ ہے۔ وہ کاملین جن کے کمال پر قرآن وحدیث گواہ ہیں اور جن کو جنتی ہونے کی بشارتیں دنیا ہی میں مل چکی ہیں، وہ بھی اپنے نفس کی پوری نگہداشت رکھتے تھے اور رذائل کا معمولی شائبہ محسوس ہونے پر اس کی اصلاح کے لئے مختلف تدبیریں اختیار کرتے تھے، جو مندرجہ ذیل مثالوں سے واضح ہے۔

صحابۂ کرام کی اپنے نفس کی نگرانی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ وہ اپنی زبان کو کھینچ رہے ہیں۔ عرض کیا: اے خلیفۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے یہ کیا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اس زبان نے مجھے بہت مصیبتوں میں مبتلا کیا ہے۔ (احیاء العلوم، امام غزالیؒ)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز کے بعد تقریر کا اعلان کیا۔ جب لوگ جمع

File Adress:

ہو گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے حمد وثناء کی، درود بھیجا اور پھر فرمایا: ''اے لوگو! میں نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب میں بنی مخزوم میں اپنی خالاؤں کی بکریاں چراتا تھا اور مجھے اس کے عوض میں ایک مٹھی کھجور اور کشمش دیا کرتی تھیں اور میں اسی سے سارا دن بسر کرتا تھا۔ وہ بھی کیا دن تھے۔'' تقریر ختم ہونے کے بعد حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: امیر المؤمنین! آج تو آپ نے اپنے عیب بیان کرنے کے سوا کوئی بات نہیں کی۔ فرمایا: ''اے ابن عوف! میں تنہائی میں تھا، میرے نفس نے مجھ سے کہا تو امیر المؤمنین ہے، مسلمانوں میں تجھ سے افضل کون ہوگا۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ اپنے نفس کو کچلوں اور اسے سزا دوں۔''
(حیاۃ الصحابہ حصہ ہفتم صفحہ ۶۵۹ ترجمہ مولانا محمد عثمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ کمر پر مَشک لدی ہوئی ہے اور لوگوں کے ہاں پانی بھرتے پھرتے ہیں۔ کسی نے پوچھا: حضرت! آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ فرمایا کسی بادشاہ کا سفیر آیا اس نے کہا کہ آپ کے عدل کی بہت شہرت ہو رہی ہے، میرا نفس سن کر خوش ہوا، میں اس کو ذلیل کر کے اس کی اصلاح کر رہا ہوں۔ (وعظ الخضوع مولانا اشرف علی تھانویؒ)

حضرت ابوعبداللہ مولیٰ شداد بن ہاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر پر جمعہ کے دن دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہ پر ایک عدنی موٹا تہبند تھا جس کی قیمت چار پانچ درہم ہوگی اور گہرے رنگ کی کوئی چادر تھی یعنی بہت معمولی لباس تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ پُر گوشت، لمبی داڑھی والے حسین صورت انسان تھے۔ یاد رہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ ذاتی طور پر بھی بہت مالدار تھے۔

حضرت عمر بن قیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنے کُرتے پر پیوند کس لئے لگاتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: تا کہ دل میں خشوع پیدا

File Adress:

ہو اور مؤمن اس کی اقتدا کریں۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ہفتم صفحہ ۸۳۵)

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی، نماز کے بعد فرمانے لگے کہ شیطان نے اس وقت مجھ پر حملہ کیا میرے دل میں یہ خیال ڈالا کہ میں افضل ہوں، آئندہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھاؤں گا۔ (فضائل نماز صفحہ ۹۲ مولانا زکریا صاحبؒ)

ثعلبہ بن مالک قرظی کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں آئے اور لکڑیوں کا گٹھا لادے ہوئے تھے۔ یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب کہ آپ مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے گورنر تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابن مالک امیر کے لئے راستہ وسیع کردو۔ ابن مالک کہتے ہیں میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ راستہ کافی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا امیر کے لئے راستہ وسیع کردو، ان پر لکڑی کی گڈی بھی تو ہے۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۴ صفحہ ۱۵۹ ترجمہ مولانا محمد عثمان)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بازار سے گزرے اور ان پر لکڑی کا گٹھا تھا۔ ان سے لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا حالانکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بے پرواہی بخشی ہے۔ جواب دیا کہ میں تکبر کو دفع کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے تھے کہ جنت میں وہ آدمی داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ (حیاۃ الصحابہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نئے کپڑے پہنے اور میں نے اپنے دامن پر دیکھنا شروع کیا اور میں اپنے گھر میں چل رہی تھی کبھی اپنے کپڑے دیکھتی اور کبھی اپنا دامن۔ اتنے میں میرے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: اے عائشہ! کیا تو نہیں جانتی کہ اللہ پاک اس وقت تیری طرف نظر نہیں کر رہا۔ حلیہ ابونعیم میں ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک نیا کرتہ پہنا، میں اس کی طرف

File Adress:

دیکھ رہی تھی اور اس سے تعجب کر رہی تھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو کیا دیکھ رہی ہے؟ اللہ پاک تیری طرف دیکھنے والا نہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیوں؟ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تو نہیں جانتی کہ بندہ میں جب زینت دنیا کی وجہ سے عجب (خود بینی) پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا رب اس سے ناراض ہو جاتا ہے، جب تک کہ بندہ اس زینت کو چھوڑ نہ دے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جبھی میں نے اس کرتہ کو اتارا اور صدقہ کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قریب ہے کہ یہ بات اس گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ (حیاۃ الصحابہ حصہ ہفتم ۸۳۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی توقع ہو سکتی ہے کہ ان کا یہ طرز، فرحِ شکر (شکریہ کی خوشی) ہو یا تحدیث بالنعمت ہو (یعنی نعمت کا شکر کے ساتھ اظہار) لیکن حضرات کاملین اور محققین اپنے اور اپنے متعلقین کے بارے میں ایسی باریک بینی فرماتے ہیں کہ رذائل کے ادنیٰ شائبہ کا بھی قلع قمع کئے بغیر نہیں چھوڑتے۔ ان حضرات کے حالات کے پیش نظر ہمیں اپنے بارے میں سوچنا چاہئے کہ ہم اصلاحِ باطن کے کس قدر محتاج ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی پوری تاریخ اور امت مسلمہ کے پورے چودہ سو سالہ حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ ظاہر و باطن کی اصلاح ساتھ ساتھ رہی ہے، ان کو کبھی علیٰحدہ نہیں سمجھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہر و باطن کا مجموعہ تھے اور تاثیر کا یہ حال تھا کہ حالتِ ایمان میں ایک نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے والا ظاہری و باطنی کمالات کی منازل طے کر لیتا تھا۔ چنانچہ سارے اولیاء اللہ مل کر ایک ادنیٰ صحابی کے مقام کو نہیں پہنچ سکتے۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے مجاہدات مثلاً کفار کی مخالفت، مار پیٹ، فقر و فاقہ، فروغِ دین کے لئے لمبے لمبے پُرخطر سفر، ہجرت، اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال، ایسے کام تھے جن سے گزرنے کے بعد آدمی کا باطن صاف ہو کر کندن ہو جاتا تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ باطنی کمال تابعین کو بحیثیت جماعت ملا اور تابعین سے تبع تابعین کو بحیثیت جماعت ملا۔ چنانچہ ان تین ادوار میں خیر

File Adress:

پوری امت میں غالب رہی۔ ان تین ادوار کو حدیث خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (صحیح بخاری) میں بیان کیا گیا ہے (یعنی بہترین زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے پھر ان لوگوں کا جو اس سے متصل ہے)۔ اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خیر القرون کی جامع شخصیات کی صحبتیں ناپید ہونے لگیں اور وہ مجاہدات جن سے پہلے دور کے لوگ گزرتے تھے بوجہ غلبۂ اسلام ختم ہو گئے۔ نتیجتاً دینی معلومات حاصل ہونے کے باوجود عمل کی ظاہری اور باطنی کمزوریاں ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ اس دور میں صوفیاء نے کمر باندھ کر باطنی علوم، باطنی احوال، باطنی کیفیات اور باطنی مقامات کو حاصل کیا، سنبھالا اور دوسروں کو سکھانے کا نظام مرتب کیا۔ صوفیاء کی تربیت سے گزرنے کے بعد واضح طور پر اہل زمانہ کو محسوس ہوا کہ وہ باطنی دولتیں جو ناپید ہو رہی تھیں وجود میں آنے لگیں۔

گزشتہ چودہ سو سالہ تاریخ واضح طور پر بتا رہی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں مثلاً درس و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ، جہاد و قتال، شرعی حکومتوں کا قیام، ان میں سے ہر شعبہ میں کارہائے نمایاں صرف ان لوگوں نے انجام دیے جو ظاہر و باطن کا مجموعہ تھے اور کاملین کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ تھے۔ ان ہی کے کام پھلے، پھیلے، بارآور ہوئے اور امت کے لئے خیر کثیر کا ذریعہ بنے۔ غیر تربیت یافتہ لوگ پانی کے بلبلوں کی طرح اُٹھتے رہے اور مٹتے رہے۔ امت میں فرقہ بندیاں اور اختلافات ان ہی غیر تربیت یافتہ لوگوں کے ذریعے سے پیدا ہوئے۔

تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف پر جتنی کتب آج کے دور میں رائج ہیں، اکثر صاحبِ نسبت کاملین کی ہیں جو ان کے اخلاص کی برکت سے مقبول ہوئیں۔ جبکہ کئی مصنفین کی کتب بلند پایہ ہونے کے باوجود قبول عام کا رتبہ حاصل نہ کر سکیں۔ وعظ و تبلیغ کے شعبہ کے بارے میں روایات ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی مجلسِ وعظ میں اس وقت کی کم

File Adress:

آبادی کے باوجود ایک ایک لاکھ افراد شامل ہوتے تھے۔حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفر جو دہلی سے کلکتہ تک ہوا، نوے لاکھ یا نوے ہزار انسانوں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بنا۔تاتاری جن کی یلغار نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور مسلمان حکومتوں کی افواج شکست کھا کر مغلوب ہوگئیں، آخر مسلمان علماء اور فقراء کی توجہ، دعوت و دعا سے پچاس سال کے اندر حلقہ بگوشِ اسلام ہوکر اسلام کے خادم بن گئے۔اس طرح کے پرامن انقلاب کی مثالیں تاریخ انسانیت میں بہت کم ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے دور میں تھے کہ جب اکبر نے دین الٰہی کے نام سے اپنا ایک نیا دین شروع کروادیا تھا اور غالب گمان ہو رہا تھا کہ اسلامی حکومت کا نام ونشان مٹ جائے گا۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کی پرامن اور خاموش سرگرمیاں جہانگیر کے دور میں جا کر کامیاب ہوئیں اور جہانگیر توبہ تائب ہوا اور اکبر کے دین الٰہی کا خاتمہ کر کے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلۂ مریدین میں داخل ہوا۔اس کا بیٹا شاہجہان نیک آدمی بنا اور اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں یہ انقلاب مکمل ہوا۔چنانچہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے پچاس سال مکمل شریعت نافذ رکھی۔عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، صاحب نسبت ہوئے، حافظ قرآن وحافظ حدیث ہوئے نیز بادشاہ ہونے کے باوجود ٹوپیاں سی کر اور قرآن مجید لکھ کر اپنی روزی کمانے والے بنے۔ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں نے شہر اور علاقے تو بعد میں فتح کیے جبکہ مسلمان فقرا نے لوگوں کے قلوب ان سے پہلے فتح کر لئے تھے۔سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ، شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے اسلامی حکومت کے جھنڈے بعد میں گاڑھے جبکہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان وتقویٰ کے جھنڈے پہلے سے گاڑھ دیے تھے۔

File Adress:

تصوف کے سلاسل آج کے دور سے لے کر حضور ﷺ تک مربوط اور مسلسل ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہو کر حضور ﷺ سے ملتا ہے جب کہ چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہو کر حضور ﷺ سے ملتے ہیں۔ محققین کو اندازہ ہے کہ سلاسل سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے موجود تھے، زمانہ گزرنے کے ساتھ کچھ کے سلاسل دوسروں کے سلسلوں میں مدغم ہوتے رہے یہاں تک کہ آخر میں ہماری مشرقی دنیا میں چشتیہ، نقشبندیہ، قادریہ اور سہروردیہ ہی رہ گئے۔ جب کہ مغربی اسلامی ممالک میں سلسلۂ شاذلیہ اور کبرویہ زیادہ مشہور ہوئے۔ مسلمانوں کی کثیر تعداد سلاسل سے وابستہ ہو کر ان سلاسل کے کاملین کے ذریعے تربیت پا کر معرفت کے اعلیٰ مقامات تک پہنچی۔ گزشتہ صدی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سلسلۂ چشتیہ صابریہ کو خاص طور سے مقبولیت عطا فرمائی اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس کی بنیاد بنے۔ گزشتہ صدی اور موجودہ صدی میں دین کے بڑے بڑے شعبوں کو چلانے والے حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کے پیروکار اور متعلقین ہوئے۔

File Adress:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی تحریک حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود چلائی۔ تحریک کی پہلی جنگ معرکۂ شاملی میں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنفسِ نفیس اپنے مشہور خلفاء مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور خانقاہ تھانہ بھون کے اپنے قدیمی رفقا حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ محمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سمیت لڑے۔ دارالعلوم دیوبند حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلفاء مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ۱۲۸۹ھ بمطابق ۱۸۶۶ء بنا۔ آزادیٔ ہند کی مشہور ریشمی رومال تحریک شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے وجود میں آئی جو حضرت حاجی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ یہ تحریک اگر کامیاب ہو جاتی تو ہندوستان انگریزوں سے آزاد ہوجاتا اورحکومت مسلمانوں کی ہوتی۔ ہندوستان کی آزادی میں نمایاں کردارادا کرنے والی جماعت جمعیۃ العلماء ہندحضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کےخلفاء کی ہی تحریک تھی۔ پاکستان بننے میں جن علماء کی کاوشیں شامل رہیں اورجن کے ذریعے سے مسلم لیگ کوزبردست تائید وحمایت ملی وہ مولانا شبیراحمدعثمانی رحمۃ اللہ علیہ،مولانا ظفراحمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ،حضرت مولانا سیدسلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اورمفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کےخلیفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کےخلفاء تھے۔ان حضرات کی کوششوں سے قائداعظم محمدعلی جناح اتنے خوش تھے کہ مشرقی پاکستان کی پہلی پرچم کشائی مولانا ظفراحمدتھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ڈھاکہ میں کی جبکہ مغربی پاکستان کی پرچم کشائی مولانا شبیراحمدعثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کراچی میں کی۔لاہور میں یہ پرچم کشائی حضرت مولانا احمدعلی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کروائی گئی۔ پاکستان میں کام کرنے کے لئے شبیراحمدعثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی امارت میں علماء کی تنظیم بنائی گئی جن کی وفات کے بعدمولانا احمدعلی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جمعیت کے امیر ہوئے جبکہ پاکستان کے علماء کےشعلۂ جوالہ اورحق کےمتوالہ مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اس کے ناظمِ عمومی بنے۔

حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی سلسلۂ تبلیغ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کےخلفاء میں سے ہیں۔حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کےخلیفہ تھے جبکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کےخلیفہ ہیں۔ ہزارہا دارالعلوم اورخانقاہیں (ذکروتربیت کے مراکز) پاکستان، ہندوستان، بنگلہ دیش، یورپ، امریکہ،کینیڈا اورافریقہ میں انہی حضرات

File Adress:

کے ہاتھوں وجود میں آئیں۔ ہزارہا دینی کتب، عربی، فارسی، اردو، پشتو، بنگلہ، ہندی، انگریزی، فرانسیسی وغیرہ مختلف زبانوں میں ان ہی حضرات کے ہاتھوں تصنیف ہوئیں۔ مشہور ومقبول تحریکِ طالبان جو افغانستان میں اسلامی حکومت کے قیام اور امن وامان بحال کرنے اور پانچ سال تک شریعت نافذ کرنے کا ذریعہ بنی، واسطہ در واسطہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے وابستہ ہے۔

بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق پروفیسر شعبۂ عربی، پشاور یونیورسٹی فرماتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند پر ایک ایسا زمانہ بھی گزرا ہے کہ اس کے شیخ الحدیث سے لے کر چپڑاسی تک سب کے سب ذاکر شاغل صاحب نسبت اولیاء اللہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہی فرمایا کہ جو آدمی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ صرف سیاسی تحریک میں ہی کچھ عرصہ کام کر لیتا تھا تو اس کا باطنی حال بدل جاتا تھا اور اس کو کافی روحانی فائدہ حاصل ہو جاتا تھا کیونکہ صاحبِ تحریک خود تربیت یافتہ اور کامل انسان تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وفد ریفرنڈم کے سلسلہ میں صوبہ سرحد آیا اور چوک یادگار میں جلسہ کیا۔ اس میں شامل ہونے سے، بروایت حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، صرف ایک مجلس کی حاضری میں کئی ایک آدمی جو تارک صلوٰۃ تھے پکے نمازی بن گئے کیونکہ تحریک والے حضرات نرے سیاسی نہیں تھے بلکہ ظاہر و باطن کا مجموعہ تھے۔

درحقیقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ کے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ دین کا کام کرنے کے لئے کسی بھی شعبہ میں جانے سے پہلے بیعت ہو کر اور جم کر ذکر و اذکار، تزکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن میں مصروف رہتے تھے۔ جب باطنی تکمیل ہوتی تھی تب کام کرنے کے لئے آگے بڑھتے تھے۔ تصنیف و تالیف، درس و تدریس،

File Adress:

ارشادوتبلیغ، افتاء وسیاست، کسی بھی شعبہ میں آدمی کواس وقت تک ذمہ داری نہیں سونپی جاتی تھی جب تک کہ وہ راہِ سلوک سے گزرکرمنازلِ سلوک طے نہیں کرلیتا تھا۔

تزکیہ کے شعبہ کواتنی اہمیت دی گئی کہ کچھ حضرات تو دیگر شعبہ ہائے دین سے اپنے آپ کومکمل فارغ کر کے، یکسوہوکراور بڑی بڑی آبادیوں سے دورہوکرصرف اسی شعبہ کیلئے وقف ہو گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گنگوہہ میں جا کر بیٹھے۔ حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ جب درس وتدریس سے دل فارغ ہوجائے تو ہماری خانقاہ تھانہ بھون میں جا کر بیٹھ جانا۔ چنانچہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زندگی کے آخری کئی سال تھانہ بھون ہی میں تزکیہ اور بیعت وارشاد کیلئے وقف ہوکر گزرے۔ حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی کے آخری سال مدینہ منورہ میں مدرسہ شرعیہ میں ہی گزارکرتزکیہ وتربیت کے شعبہ کی مسندکوزینت بخشی۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سارا سال انتہائی مصروف تدریسی وتحریکی زندگی گزارنے کے بعدرمضان کامہینہ تزکیہ کے لئے وقف فرماتے تھےاور ماہِ مبارک بنگال میں گزارتے تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بنگال کے اکثرصوفیاء حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کےخلفاء ہیں۔ان نابغۂ روزگار (Genious) شخصیات کا تذکرہ بطورِمثال پیش کیا گیا جوقرآن وحدیث، فقہ وتفسیر پر کامل دسترس رکھنے والی تھیں۔ اس کے علاوہ کئی خانقاہیں حضرات نقشبندیہ، قادریہ و سہروردیہ کی کام کرتی رہیں اورعلماء وعوام ان سے فیض پاتے رہے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بیعت وتزکیہ کا شعبہ ایسا نظرانداز ہوا کہ عوام تو عوام، مدارس سے فارغ ہونے والے عام علماء، نیز مدرسین علماء، ہم عصر دینی تحریکوں میں کام کر کے کچھ نہ کچھ ظاہری اعمال پر پڑ جانے والے حضرات، یا دینی سیاسی تحریکوں سے وابستہ ہوکر جلسہ جلوس اوراخباری بیانات دینے والے حضرات انہی سرگرمیوں پر اکتفا کر

لیتے ہیں۔بعض حضرات کو سلاسل کی معلومات تک نہیں، ان کی افادیت کا قائل ہونا تو دور کی بات ہے۔بعض کم فہم تو سلاسل والوں کو اپنا مدِ مقابل سمجھ کر تقابل بلکہ مخالفت تک پر اتر آنے کو آمادہ ہوجاتے ہیں اور یوں ضروری دینی شعبے، جن میں سے ہرایک اپنی جگہ اہم ہے اور ایک آدمی بیک وقت کسی ایک کے لئے ہی خاص ہو سکتا ہے، آپس میں توافق (موافقت) اور تحابب (آپس کی محبت) کی جگہ تقابل (آپس کا مقابلہ) و تباعد (ایک دوسرے سے دوری) کا شکار ہوکر ایک دوسرے کی قوت کو گھٹانے کا سبب بن جاتے ہیں۔ محققین کی نظر سے یہ بات اوجھل نہیں کہ جلوت میں عوام میں دینی کام کرنے والے حضرات کو باقی لوگوں سے زیادہ خلوت اور ذکر واذکار میں انہماک اور کاملین کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔خود جناب رسول اللہ ﷺ سالانہ اعتکاف فرماتے تھے اور روزانہ بھی کچھ نہ کچھ وقت خلوت (تنہائی) کا مقرر ہوتا تھا نیز عوام میں دعوت کا کام کرنے کے بعد قلب پر ایک طرح کا غبار محسوس کرنے کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے جس کے لئے آپ تنہائی اختیار فرماتے تھے۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ظاہری اعمال کی پابندی کرتے ہوئے اصلاحِ باطن کیلئے ہر فرد و بشر کو متوجہ ہونا پڑے گا۔اس کے لئے ایک مستقل لائحہ عمل اختیار کرنا پڑے گا۔شیخِ کامل کو ڈھونڈنے کی ضرورت ہوگی۔ان سے وابستہ ہوکر ان کی نگرانی میں، جتنا وقت ضرورت ہو دے کر، مجاہدہ کرنا ہوگا، محنت مشقت برداشت کرنی ہوگی وگرنہ ظاہری اعمال میں بھی کامل اخلاص پیدا نہیں ہوگا۔

اصلاحِ باطن کی حقیقت اور طریق

انسان کو بقائے ذاتی (اپنی جان کے باقی رہنے) کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہے، جس کا احساس بھوک پیاس ہے اور کشش کا ذریعہ قوتِ ذائقہ ہے، جو اپنے

File Adress:

پورا ہونے کے لئے انسان کو کھینچتی ہے۔ بقائے نوعی یعنی نسل کی بقا کے لئے بیاہ شادی کی ضرورت ہے، جس کے لئے کشش قوتِ شہوانیہ یا قوتِ باہ(Sex) ہے، جس کا مزہ اور خواہش انسان کے لئے پرزور کشش کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی طرح ایک جذبہ بڑا بننے کا اور اپنے مفادات کے تحفظ کرنے کا ہے، جس کے لئے انسان کے اندر قوتِ غضب رکھی گئی ہے، جو انسان کو فعال اور متحرک کر کے کام کراتی ہے۔ انہی تقاضوں اور جذبات سے زندگی وجود میں آتی ہے، زندگی کے افعال وجود میں آتے ہیں اور انسانوں کا ایک اجتماعی معاشرہ قائم ہوتا ہے اور مال، جاہ (اقتدار) باہ (Sex) یا دولت، شہرت وعورت کے لئے مقابلہ آرائی شروع ہوجاتی ہے۔ ان جذبات اور ضروریات کی تکمیل اشیائے مادیہ کے ذریعے ہوتی ہے، اس لئے انسان اشیائے مادیہ کے حصول کے لئے مستعد ہو کر کام شروع کر دیتا ہے۔ اگر انسان کے سامنے کوئی ضابطۂ اخلاق نہ ہوتو یہ ان مادی اشیاء کو بے مہار ہو کر جھوٹ، فریب، دھوکہ، ظلم، چوری، قتل، ڈاکہ وغیرہ سے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے جذبات کا رخ کبر، حسد، لالچ، کینہ کی طرف مڑ جاتا ہے۔ حیوانی جذبات حرص، شہوت، غضب بے قابو ہو کر انسان کو حیوان بنا دیتے ہیں۔ حیوانوں میں تو عقل نہیں لیکن انسان کی عقل جب حرص، شہوت اور غضب کے تابع ہو کر کام کرتی ہے تو انسان حیوانوں سے بھی ایک قدم آگے نکل جاتا ہے۔ یہ انسان نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسرے انسانوں کے لئے اور پورے معاشرے کے لئے عذاب کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

أُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ

ترجمہ: یہ چوپائے ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔

اصلاحِ نفس انسان کے حرص، غضب وشہوت کے جذبات کو قابو میں لانے کا نام ہے۔ اس کے لئے شریعت کا ایک ضابطہ ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے بتایا، سکھایا اور

File Adress:

انسانوں کواس پر عملی طور پر چلایا ہے۔انبیاء علیہم السلام نے انسانوں کو سمجھایا کہ دنیا کا قیام عارضی ہے، چندروزہ ہے، جلد انسان آخرت کو رخصت ہونے والا ہے۔ مادی اشیاء مقصد نہیں، لذّات وشہوات تھوڑی دیر کی کشش کا سامان ہیں، اصل کام یہاں رہتے ہوئے اپنی تربیت کرنا ہے۔حرص، غضب وشہوت کو قابو میں لانا ہے۔اللہ تعالیٰ نے نفس کی خواہشات کو مکمل طور پر کچلنے اور ختم کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ ان کے پورا کرنے کیلئے ایک ضابطہ عطا فرمایا ہے۔اس ضابطے کا پابند ہوکر ان خواہشات کو پورا کرنا، اوران کے پورا کرنے کے لئے مادی اشیاء کوحرام سے بچتے ہوئے حلال طریقے سے حاصل کرنا شریعت ہے۔اس ضابطۂ شریعت پر عمل اخلاص اور احسان کے ساتھ حاصل ہو جائے، یہ طریقت ہے۔ اخلاص کی حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ کی رضا کے علاوہ باقی کوئی مقصد نہ ہو۔جبکہ کیفیتِ احسان اس بات کو کہتے ہیں کہ عمل کے دوران آدمی کو یہ احساس اورآ گاہی ہو کہ میرا اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ان دو باتوں کو حاصل کرنے کے لئے طریقت کے مختلف سلسلوں کے نظاموں میں ایک عملی ترتیب رائج ہے۔طریقت کی اس ترتیب سے گزر کر اخلاص اوراحسان کی کیفیات آدمی کو حاصل ہوجاتی ہیں۔ جب یہ باتیں حاصل ہو جائیں تو اس آدمی کا فہم عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور معاشرت کے ہر شعبے میں بہت گہرا ہو جاتا ہے۔ یہ گہرائی ہی معرفت ہے اوراس کو حاصل کیا ہوا آدمی عارف ہے۔معرفت حقیقت سے ہمکنار کردیتی ہے۔محقق یعنی جو حقیقت کو حاصل کئے ہوئے ہے، دنیا وآخرت کے سارے شعبوں کے بارے میں اس کی ترتیب بہت ہی نمایاں ہوتی ہے۔جس جگہ کوئی محقق ہوتو گرد وپیش کے سب لوگوں کواس کی ترتیب کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور دین ودنیا کے لحاظ سے پڑھے لکھے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ عارف اور محقق کے پاس ایک جدا چیز ہے جو علم وفہم کے ہوتے ہوئے ہمارے پاس نہیں ہے۔

File Adress:

عالم انسانیت کی تاریخ گواہ ہے کہ جن حضرات نے اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا پابند کیا اور کاملین کی صحبت میں رہ کر اپنی تربیت کروائی ان کی دنیا کی زندگی بھی اہلِ باطل کے مقابلے میں زیادہ کامیاب رہی، انہوں نے دنیا کی مادی اشیاء سے اہلِ باطل کے مقابلے میں زیادہ فوائد حاصل کئے اور اپنی چاہتوں کو حدود کے اندر رہ کر زیادہ لطف سے پورا کیا۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ تو ہے ہی نیکوکاروں کے لئے۔

حقیقی تصوف

حقیقی تصوف تو سالکین (اصلاح کی راہ چلنے والے) کو پوری شریعت پر پورے اہتمام، پورے اخلاص اور کیفیتِ احسان کے ساتھ چلنے کیلئے تیار کرنا ہے۔ اس میں سب سے اہم عقائد ہیں۔ امت کا ہر زمانے کا جمہور طبقہ جن عقائد پر چلا وہ دنیائے اسلام کے نمائندہ چار اماموں، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے عقائد ہیں جو ماتریدی، اشعری اور حنبلی کلامی تعبیرات پر مدون شدہ اہل السنت والجماعت کے عقائد ہیں۔ انہی عقائد پر صوفیائے کرام کے اساطین (Pillars) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نقشبندی، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ رہے ہے۔ یہی عقائد قرآن وحدیث اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نمائندہ عقائد ہیں۔ اہل علم کو تو ''عقیدہ طحاویہ، قصیدہ بدء الامالی اور اشارات المرام'' یا اردو میں حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کی عقائد اسلام وغیرہ کو بار بار پڑھ کر ان عقائد کو ذہن نشین کرنا چاہئے جب کہ عوام کے لئے ''تعلیم الاسلام'' (حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ) اور ''بہشتی زیور'' (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ) کا حصہ عقائد ان کے حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ان عقائد کا ایک پہلو تو ان کی صحیح معلومات حاصل کر کے ان کو ماننا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں جہاں پر بھی اللہ کا

File Adress:

ہاتھ، اللہ کا چہرہ آیا ہے وہ تمثیل ہے قرآن پاک کی ایسی آیات کو آیاتِ متشا بہات کہتے ہیں ۔ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا ہوتا ہے کہ ان کی جو حقیقت اور جو تشریح جنابِ باری میں ہے، جس کو ہم اپنے محدود ذہن کی وجہ سے سمجھ نہیں پا رہے، اس کو ایسا ہی مانتے ہیں جیسا اللہ تبارک وتعالیٰ کا منشا ہے۔ یا اس طرح کے عقائد جس طرح اللہ کو ایک ماننا، اللہ کے غیر کے آگے سجدہ نہ کرنا، اللہ کے غیر کے نام پر ذبیحہ نہ کرنا، اللہ کے غیر کے نام کی منت نہ ماننا، یہ عقائد معلوماتی ہیں۔صحیح معلومات حاصل ہوں اور ان کو مان لیا جائے اور ان کے مطابق عمل کیا جائے۔ان عقائد کے لئے اتنی ہی بات ضروری ہے۔

عقائد کا دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ کی صفات کا پختہ یقین اس طور سے قلب میں جمنا کہ اللہ کے غیر کی محبت، اللہ کے غیر کا خوف دل سے نکل جائے، اللہ کے غیر سے نفع وضرر نہ پہنچنے کا دھیان قلب میں جم جائے، جنت کی رعنائیاں اور دوزخ کی ہولناکیاں تصور میں بیٹھ جائیں اور زندگی گزارنے کے لئے حضور ﷺ کا طریقہ ہی ایسے آنکھوں میں بچ جائے کہ آپ کے علاوہ کسی کے طریقے کا تاثر ہی قلب میں نہ رہے۔ بروزِ محشر اللہ کے حضور کھڑے ہو کر حساب کتاب دینا خیال میں رچ بس جائے۔عقائد کا یہ رخ صرف معلوماتی نہیں ہے بلکہ عقائد کے اس رخ کو قلب میں لینے کے لئے اہلِ تصوف مجاہدات سے گزارتے ہیں۔

عقائد میں سب سے پہلے ایمان ہے۔توحید، رسالت اور آخرت تو ایمان کی بنیاد ہیں جبکہ دیانت، امانت، صداقت، غیرت، حیا، طہارت، وعدے کی پاسداری، یہ اجزائے ایمان ہیں۔ اگرچہ عقائد کی کتابوں میں ایمان کو اجزائے ترکیبی میں تقسیم نہیں کرتے یعنی وہ تو صرف اوپر بیان کی ہوئی چیزوں کو مان کر زبان کے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے، تصدیق ہے تو ایمان ہے، نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے، لیکن عملی لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر نافع (نفع پہنچانے والا) اور ضار (ضرر پہنچانے والا) کے اعتماد والی توحید کو موقع پر

File Adress:

برتنا اور معاملات میں دیانت، امانت، ایفائے عہد کی پابندی کرنا نیز غیرت، حیا، عفت، شجاعت کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا شخصیت کے ایمان کے امتحانات ہیں۔

اپنے پشاور کے قیام میں گردوپیش کے غیر محققین سلاسل کے لوگوں کے ساتھ جب میل جول ہوا اور معاملات پیش آئے تو باوجود دستار، جبہ، ڈاڑھی اور سلسلے کی خلافت کے، توحید اور دیانت وامانت کے لحاظ سے بہت کمزور پایا۔ اس سے یہ تأثر ہوا کہ غیر محقق لوگ سلسلے کے ذکر کا نصاب مکمل کرا لیتے ہیں اور ظاہری تبدیلی آ جائے تو خلافت دے دیتے ہیں۔ جبکہ توحید ناقص ہو اور اجزائے ایمان آدمی کو پوری طرح حاصل ہی نہ ہوں تو ایسا آدمی تو بنا ہی نہیں، بہت ہی ناقص ہے، اس کی شخصیت مکمل ہی نہیں ہوئی۔ جب ایمان ہی درست نہیں ہوا تو اگلی بات کیسے ہو سکے گی۔ بندہ کے متعلقین میں سے ایک پروفیسر صاحب نے ایک تبلیغی امیر صاحب کو بطور خارجی ممتحن (External Examiner) بلایا۔ ہمارے ساتھی نے بتایا کہ امیر صاحب نے فیل ہونے والے طالب علم کو زبانی امتحان (Viva) میں فرسٹ پوزیشن کے نمبر دے دیے۔ ساتھی پروفیسر صاحب نے بندہ سے شکایت کی۔ بندہ نے جواب دیا کہ جب ایمان اور اجزائے ایمان کا امیر صاحب کو پتہ ہی نہ ہوا اور امانت اور دیانت کے خلاف استعمال ہونے کا گناہِ کبیرہ کا تصور ہی نہ ہو تو وہ بے چارہ کیا کرے گا۔ شرعی شکل وصورت ہو جانے اور اوقات باقاعدہ لگانے سے وہ خود اور اس کے تحریک والے مطمئن ہیں۔

ایک پروفیسر صاحب نے گلہ دیا کہ بطورِ حقدار (Merit-wise) میرا حق بنتا تھا۔ حکومت ایسے لوگوں کی تھی کہ خیال تھا کہ کہنے سننے کی ضرورت ہی نہیں ہے، ضرور حق کا فیصلہ ہوگا۔ جب فیصلہ سامنے آیا تو مجھ سے جونیئر آدمی کو لے لیا گیا تھا۔ متعلقہ افسروں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ محکمے کے وزیر کی وجہ سے ایسے ہوا۔ وزیر سے جب پوچھا گیا تو اس نے بتایا

File Adress:

کہ فلاں شیخ الحدیث صاحب کی سفارش پر میں نے ایسا کیا۔ شیخ الحدیث صاحب کا بیان تھا ''میں کیا کرتا، دوسرے آدمی نے میرے بیٹے کی شادی میں تیس ہزار روپے خرچ کئے ہوئے تھے جس کی وجہ سے میری آنکھیں اس کے آگے جھکی ہوئی تھیں''۔ ایک آدمی نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ امانت کو اس کے اہل تک پہنچانے کی آیتیں اور حدیثیں تو شیخ الحدیث صاحب نے جار، مجرور کی ترتیب کو درست کرتے ہوئے تیس سال تک پڑھائی ہوں گی لیکن اس علم کو عملی طور پر برتنے کا انھیں صرف ایک ہی موقع ملا جس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ امانت دیانت کا پڑھنا پڑھانا کچھ اور ہے، کرنا برتنا کچھ اور ہے۔

ایک مرید جو کہ سپیشلسٹ ڈاکٹر ہیں نے اپنا دکھڑا سنایا کہ انھوں نے تین بار انٹرویو دیا۔ میرٹ لسٹ میں وہ ہر دفعہ نمبر ایک پر ہوتے تھے۔ یار لوگ انٹرویو میں ایسے ہتھکنڈے استعمال کرتے کہ اس سے نیچے والے منتخب ہوجاتے تھے جب کہ وہ رہ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ انٹرویو کے لئے ایک چلّے لگائے ہوئے امیر صاحب بطور ماہرِ مضمون (Subject Specialist) کے آئے۔ اگر وہ ان ڈاکٹر صاحب کو صرف پاس ہی کر لیتے بلکہ انٹرویو کا صرف ایک نمبر دیتے تو یہ سلیکٹ ہو رہے تھے۔ انھوں نے تو کمال کر دکھایا کہ صفر نمبر دے کر مکمل فیل کیا۔ بعد میں بطور معذرت کہا کہ آپ ناراض نہ ہوں اور عدالت بھی نہ جائیں، میں کیا کروں، ایسا کرنے کے لئے مجھے اوپر والوں نے مجبور کیا، حالانکہ اس طرح کرنے سے اس سبجیکٹ سپیشلسٹ صاحب کو سوائے تبدیلی کے اوپر والے افسران اور وزراء اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ بندہ نے مرید کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ امیر صاحب نے توحید کو تو بہت بولا تھا لیکن توحید کو برتنے کا موقع صرف اس جگہ ملا تھا۔ توحید کو بولنا کچھ اور ہے اور برتنا کچھ اور۔

اپنے سلسلے کے ایک دوسرے صاحب نے گلہ دیا کہ ایک سلسلہ کے خلافت یافتہ

File Adress:

پروفیسر صاحب کو امتحان کے لئے لایا گیا۔ اس مبارک آدمی نے طلباء سے نقل بھی کروائی اور خالی پرچوں والوں کو پاس بھی کیا۔ بندہ نے عرض کیا کہ غیر محقق سلاسل والے جب ذکر کا نصاب مکمل کر لیں اور پگڑی ڈاڑھی سے آراستہ ہو جائیں تو اسی پر اکتفا کر کے ان کو خلافت دی ہوتی ہے۔ توحید کامل حاصل ہونا، اجزائے ایمانی پر کاربند ہونا، کبر، حسد، لالچ، کینہ اور ریا کا ٹوٹ جانا، اس کا تو تذکرہ ہی نہیں ہے۔ حالانکہ حقیقت حال کو دیکھا جائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی خطبہ شاید ہی ایسا ہو جس میں آپ نے یہ نہ فرمایا ہو:

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَه (مشکوٰۃ)

ترجمہ: یعنی جس میں امانت نہیں اس کا ایمان نہیں اور جس کا عہد (وعدہ) مضبوط نہیں اس کا دین نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار عادتیں ایسی ہیں جس میں وہ جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس کا حال یہ ہے کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے اور وہ اسی حال میں رہے گا جب تک اس عادت کو چھوڑ نہ دے۔ وہ چار عادتیں یہ ہیں: جب اس کو کسی امانت کا امین بنایا جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد اور معاہدہ کرے تو خلاف ورزی کرے، جب کسی سے جھگڑا اور اختلاف ہو تو بدزبانی (گالی گلوچ) کرے۔ (بخاری)

مختلف احادیث میں یہ بات آئی ہوئی ہے کہ جس کے اجزائے ایمانی درست نہیں اس کا فرض، واجب، سنت کوئی عمل خدا تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس

File Adress:

کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول اور سب مسلمانوں کی۔ (معارف القرآن جلد دوم، ص ۷ ۴ ۴)

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے۔ (جمع الفوائد، ص ۳۲۵، بحوالہ معارف القرآن جلد دوم، ص ۷ ۴ ۴)

ایک اور حدیث شریف میں ہے: اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (بخاری و مسلم)

ترجمہ: حیا ایمان کا (ایک خصوصی) شعبہ ہے۔

دوسری حدیث شریف کا ترجمہ ہے تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے۔ (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) دیوث اور (۳) مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں۔

(سنن نسائی بحوالہ کتاب الکبائر اردو، ص ۲۲۲ از مولانا محمد صدیق ہزاروی)

اس حدیث شریف اور ایک اور حدیث شریف کو ترجمہ کے ساتھ لکھنے کے بعد فاضل مترجم لکھتے ہیں: حضرت مصنف (علامہ ذہبی رحمہ اللہ مراد ہے) فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی بیوی کے بارے میں بے حیائی کا گمان رکھتا ہے اور اس کی محبت کی وجہ سے اس بات سے غفلت برتتا ہے یا اس ڈر سے کہ اس عورت کا اس پر قرض ہے اور وہ عاجز ہے یا بھاری مہر ہے یا چھوٹے بچے ہیں اور وہ اسے قاضی کے پاس لے جا کر ان بچوں کا حق مانگے گی تو وہ شخص کمینہ ہے جو اس خرابی کو نظر انداز کرتا ہے، اور جس شخص میں غیرت نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (حوالہ بالا، ص ۲۲۳، بتغیر یسیر)

توحید اور اجزائے ایمان کے اس پہلو کو حاصل کرنے کے لئے تصوف کے

File Adress:

مجاہدات ہیں۔ وہ مشائخ کاملین جن کو باطن میں یہ بات حاصل ہوتی ہے جب تاثر میں ڈوب کران باتوں کو بیان کرتے ہیں تو ان کے ملفوظات ومواعظ کے الفاظ جہاں کانوں کو ٹکراتے ہیں اور ذہن ان کے معانی کومحسوس کرتا ہے وہاں ان کے قلوب سے اُٹھنے والی نورانی شعاؤں اورلہروں کا پرتو،عکس اورتاثر آدمی کے قلب پرآتا ہے۔حضرات کاملین کی کتابوں کا مطالعہ بھی اس چیز کے قلب میں پیدا ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے۔کاملین اورمحققین مشائخ کےقرآن وحدیث کے درس قلب میں اس بات کے زندہ ہونے کا سبب بنتے ہیں۔ ہمارے سلسلے کا جہری ذکرجس میں ہر 'لا' کے ساتھ اللہ کے غیر کے دھیان اورمحبت کوقلب سے نکلتا ہواتصورکر کے اِلاّ اللہ کے ساتھ اوپر تذکرہ کئے ہوئے حقائق کا قلب میں لانے کا دھیان کرنا دراصل اسی چیزکوقلب میں زندہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔جب اس طرح کا ذکر ایک عرصہ تک ہوتا ہےتو یہ بار بار کا دھیان اس کیفیت کوقلب میں راسخ اور پکا کر دیتا ہے۔ جب ان عقائدکو برتنے کا موقع آئےتو جھوٹ میں اگرچہ بظاہر فائدہ نظر آرہا ہو ہمت کر کے، کمر باندھ کےاوراللہ کا نام لے کرسچ کواختیار کرتے ہوئے خطرات میں کودجانااس چیز کی عملی مشق ہے۔نیزحضرات مشائخ کے پاس جب آدمی رہتا ہےاوروہ زندگی کےمختلف کاموں میں انتہائی جرأت اور ہمت کےساتھ ان عقائدکو برتتے ہیں اوراپنے یقین کی وجہ سے کامیاب نتائج حاصل کرتے ہیں توقلب میں عقائدکا یہ پہلوپکااورراسخ ہوجاتا ہے۔اور جب وہ اپنی عملی زندگی میں ان عقائد کے لئے اپنے اہم مفاداورمزے قربان کرتے ہیں اور ہرقسم کی تکالیف اور پریشانیاں اُٹھانے کے لئے سینہ سپر ہوجاتے ہیں تو اس سے ان کےان مضبوط عقائدکاقلبی حال طالب اورمرید کے باطن پر چھاجاتا ہے۔عقائدکی کمزوری اعمال پر بہت اثر ڈالتی ہے۔اس لئےعقائدکی درستگی ایک اہم کام ہے۔

دین کا دوسرا شعبہ عبادات کا ہے۔عبادات کےسلسلے میں تو اپنے آپ کوکوشش کر

File Adress:

کے، بلکہ جبر کے، ان کا پابند کرنا ہوتا ہے تا کہ یہ عادت بن جائیں۔ اس کیلئے مشائخ مریدوں کو کچھ وقت فارغ کرا کے خانقاہی نظام میں رکھتے ہیں اور ایک عرصہ معمولات کا پابند رکھتے ہیں جس کے نتیجے میں نماز باجماعت تکبیرِ اولیٰ کے ساتھ، مقررہ نوافل اپنے اوقات پر، ذکر اپنی مقررہ ترتیب سے کروا کے نفس کو اس کا عادی کر لیتے ہیں۔

تیسرا شعبہ معاملات کا ہے۔ خرید وفروخت، نکاح طلاق، اجارہ ملازمت کے رخ سے جو باتیں انسان پر لازم آتی ہیں ان کا ادا کرنا معاملات کا شعبہ ہے۔ معاملات درست نہ ہوں تو انسان عبادات کی شکل میں اجر وثواب کے جمع کئے ہوئے انبار معمولی معمولی حقوق وواجبات کے بدلے میں آخرت میں کھو بیٹھے گا۔ محققین کا قول ہے کہ عبادات تھوڑے سے ایمان اور تھوڑے سے خوف خدا کے حاصل ہونے پر زندگی میں آجاتی ہیں جبکہ معاملات کے لئے قوی ایمان اور بہت خوف خدا کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقیدے اور ایمان کا امتحان تو معاملات میں ہی ہوتا ہے۔ مشائخ کاملین سالکین کے معاملات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں اور معاملات کی احتیاط اور کوتاہی پر سالکین ومریدین کی باطنی ترقی وتنزل کا امتحان کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تہجد اور ذکر واذکار کے معمولات کے ناغے پر اتنا ناراض نہیں ہوتے تھے جتنا معاملات کی کوتاہی پر ہوتے تھے۔

دین کا چوتھا شعبہ اخلاقیات ہیں۔ عام لوگوں میں تو اخلاقیات صرف میٹھی میٹھی باتیں کرنے کو ہی سمجھا جاتا ہے جبکہ دین میں یہ ایک پورا شعبہ ہے۔ اخلاق دو قسم کے ہوتے ہیں، اخلاقِ فاضلہ اور اخلاقِ رذیلہ۔ اخلاقِ فاضلہ توکل، صبر، شکر، قناعت، اخلاص، تواضع وغیرہ ہیں اور اخلاقِ رذیلہ کبر، حسد، لالچ، کینہ، ریا وغیرہ ہیں۔ انسان کے ظاہری نیک یا بد اعمال ارادے کے تحت وجود میں آتے ہیں اور ارادہ انسان کے قلب میں پڑے ہوئے

File Adress:

عقائد اور جگہ پکڑے ہوئے اخلاق سے وجود میں آتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، خوشامد، کم تولنا، حق کے خلاف فیصلے کرنا، وغیرہ خراب عقائد اور خراب اخلاق کی بنیادوں سے ہی اٹھتے ہیں۔ دو واقعات کا بندہ ضرور ذکر کرنا چاہتا ہے۔

ایک ساتھی ملنے کیلئے آئے، تعارف کرایا گیا کہ کسی سلسلہ میں صاحب خلافت ہیں، بندہ نے پوچھا کہ آپ فلاں دارالعلوم کے پاس رہتے ہیں؟ انہوں نے فوراً دارالعلوم کے مہتمم کی خیانتوں کی ایسی غیبت شروع کی کہ خدا کی پناہ۔ اندازہ ہوا کہ ذکر اذکار کا نصاب پورا کروا کر اور پگڑی بندھوا کر خلافت دے دی ہے جبکہ غیبت جیسے قبیح عمل کی خلیفہ صاحب کو عادت ہے۔ ایک حج کے سفر میں بندہ کے مہربان ڈاکٹر سیار صاحب ایک ساتھی کو لے کر آئے اور تعارف کروایا کہ فلاں بزرگ کے خلیفہ ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی کہ ایسے نیک آدمی ساتھ رہیں گے تو فائدہ ہوگا۔ جوں ناشتے پر بیٹھے کسی آدمی کا اتفاقی تذکرہ آ گیا۔ خلیفہ صاحب نے فوراً کہا کہ یہ آدمی بہت گھناؤنے فعل میں گھِر گیا جس کی وجہ سے اس نے خود کشی کی۔ ہم احرام باندھے ہوئے حاجی، نہ بیٹھ سکتے تھے نہ بھاگ سکتے تھے۔ اندازہ ہوا کہ اتنے موٹے اور ظاہری کبیرہ گناہ سے خالی کئے بغیر ان کو محض ذکر کا نصاب پورا کرنے اور شکل وصورت تبدیل کرنے پر خلافت دے دی گئی ہے۔ خلافتوں کی اس طرح کی غیر محتاط تقسیم ہی تصوف کے سلسلوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔

اخلاق بھی عقائد کی طرح ایک مہم شعبہ ہے جس میں اہلِ تصوف کام کرتے ہیں اور سالکین کی ایسی تربیت کرتے ہیں کہ ان سے اخلاقِ رذیلہ کو نکالتے ہیں اور اخلاقِ فاضلہ ان کے اندر داخل کرتے ہیں۔ اس چیز پر مہینے اور سال لگتے ہیں۔ ایک ایک رذیلہ دور کرنے کیلئے مہینوں سالوں مشقت کرائی جاتی ہے۔ ایک ایک فضیلت حاصل کرنے کیلئے اسی طرح کی مشقت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سالک اخلاقِ فاضلہ کو حاصل کر لیتا ہے اور

File Adress:

اخلاقِ رذیلہ سے نجات پالیتا ہے۔

دین کا پانچواں شعبہ معاشرت ہے۔ دوسروں سے ملنا جلنا، بات چیت کرنا، مہمان بننا، میزبانی کرنا، دکاندار سے بات کرنا، گاہک سے بات کرنا، گھر میں بیوی بچوں سے رویہ، ماں باپ بہن بھائیوں سے بات چیت، مسجد جانا آنا، چوپال، حجرہ میں بیٹھنا، دفتر میں ماتحتوں، افسروں اور رفقائے کار کے ساتھ رویہ، راستے پر آتے جاتے، گاڑی چلاتے عام مخلوقات کے ساتھ رویہ، گاڑیوں، ریلوں اور جہازوں میں سفر کرتے ہوئے ہمسفروں کے ساتھ رویہ، یہ ساری باتیں معاشرت کے شعبے میں آتی ہیں۔ معاشرت ایک نفیس شعبہ ہے اور معاشرتی لحاظ سے تربیت یافتہ آدمی اور تربیت یافتہ معاشرہ جنت کا نمونہ ہوتے ہیں۔

بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

ترجمہ: جنت وہ جگہ ہے جہاں تکلیف اور آزار نہ ہو اور کسی کو کسی کے ساتھ کوئی الجھاؤ نہ ہو۔

ایک دفعہ بندہ کے شیخ کی مجلس میں ایک شخص آیا جس کے بارے میں ساتھیوں نے بتایا کہ بہت ذاکر شاغل ہے اور اس کو بہت کشف ہوتا ہے۔ کچھ واقعات سے ثابت ہوا کہ واقعی بہت کشف ہوتا ہے لیکن یہ صاحب مجلس میں بات کرتے ہوئے دوسرے کی بات کو کاٹ لیتے تھے۔ حضرت مولانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ساتھیوں کو بتلایا کہ کشف تو ہے لیکن کسی کامل اور محقق کی صحبت اور تربیت سے گزرے ہوئے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجلس میں دوسرے کی بات کاٹ کر دل آزاری کرنا معاشرتی تربیت نہ ہونے کی علامت ہے۔ کسی سے ملنے کے لئے اس کے آرام کے وقت چلے جانا، بغیر وقت لئے چلے جانا، جتنا وقت لیا ہے اس سے زیادہ بیٹھے رہنا، بن بلائے یا بغیر اجازت کے کسی جگہ جا دھمکنا معاشرتی

File Adress:

کوتاہیاں ہیں۔ ایسی چیزیں اس بات کی علامت ہوتی ہیں کہ آدمی کی محققین کے ہاتھ میں تربیت نہیں ہوئی ہے۔

حقیقی تصوف صرف اتنی سی بات ہے کہ

۱) عقائد درست ہو جائیں اور اُن عقائد کا حال باطن پر طاری ہوکر پکا اور راسخ ہوجائے۔

۲) سالک عبادات کا پابند ہوجائے۔

۳) معاملات میں محتاط ہوجائے۔

۴) باطن رذائل سے پاک ہوجائے۔

۵) باطن فضائل سے متصف ہوجائے۔

۶) کثرتِ ذکر سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا دھیان چھا جائے۔ (جسے نسبت یاداشت بھی کہتے ہیں)

۷) جھوٹ، غیبت، چغلی اور اس طرح کے دوسرے گناہ جو اختیاری ہیں ان کو یکسر ترک کردے اگر عادت ہے تو مشائخ سے تفصیلی مجاہدات پوچھ کر ان عادتوں کو دور کرے۔

۸) روزمرّہ کے کاموں میں سنتوں اور آداب کی پابندی حاصل ہوجائے۔

نسبت: مندرجہ بالا باتیں انسان کی طرف سے ہیں۔ جب یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوجائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ اپنی رضا اور خوشنودی عطا فرما کر اپنے خاص بندوں میں شامل کر لیتے ہیں۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا، جسے چاہا اپنا بنا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

یہ چناؤ اور انتخاب ''نسبت'' کہلاتا ہے۔

File Adress:

مقاصدوذرائع

چاروں سلاسل (چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) اس چیز کوحاصل کرنے کے راستے ہیں۔ ہرایک طریقے میں اس بات کوحاصل کرنے کے لئے کچھ مقاصد ہیں اور کچھ ذرائع ہیں۔حضرات چشتیہ اور قادریہ کا طریقہ ذکر میں جہر (زور سے) کرنا اور گردن و بدن کوحرکت دے کر ضرب لگانا ہے۔اسی طرح حضرات نقشبندیہ کا لطائف پر ذکر کرنا اور انہیں جاری کرنا ہے۔ یہ ذرائع ہیں، مقاصد نہیں۔کسی بھی محقق نے انہیں مقصد نہیں گردانا۔ان کے ذریعے سے آدمی بدن پر اثرات محسوس کر لیتا ہے،جس سے یکسوئی حاصل ہوجاتی ہے اور کام آسان ہوجاتا ہے۔ان ذرائع کو مقصد سمجھنا ان ذرائع پر دینی اعمال کی طرح ثواب کی نیت کرنا اوران کو دِینی اعمال گردانناانہیں بدعت بنا سکتا ہے۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بندہ سے اور چند دوسرے دوستوں سے از راہ مزاح فرمایا کہ ذکر قلبی سننا چاہتے ہو! حضرت نے زبان اور منہ بند فرمائے اور فرمایا میرے قلب پر دھیان کرو۔واضح طور پر قلب سے ذکر کی آواز بندہ نے اور دوسرے ساتھیوں نے سنی۔ بعد میں حضرت نے فرمایا کہ حقیقت میں یہ ذکر قلبی نہیں بلکہ یہ ایک مشق ہے۔حقیقتاً ذکر قلبی یہ ہے کہ قلب میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے اور ساتھ ہونے کا دھیان ہو اور یہ دھیان معصیت اور گناہ سے روک دے اور اطاعت پر کھڑا کر دے۔

نتائج وزوائد

اسی طرح تربیت کے نتیجے میں حاصل شدہ نتائج میں بھی کچھ مقصود ہیں اور کچھ زوائد ہیں۔مقاصد تو پہلے بیان شدہ باتیں ہی ہیں۔کشفِ قبور (قبروں کا حال جان لینا)،

File Adress:

کشفِ صدور (دلوں کا حال جان لینا)، کشفِ کونی (دنیا میں آنے والے حالات کا جان لینا)، دم یا تعویذ گنڈے میں تاثیر ہونا، جنات پکڑنا اور دور کرنا، بیماریوں کو سلب کر لینا، تصرف سے دوسرے کے دل میں کچھ بات ڈال دینا، توجہ سے دوسرے کے دل کو ہلا دینا اور لوٹ پوٹ کر دینا اور ہوش وحواس اڑا دینا، ان کا مقصد کے ساتھ اور تعلق مع اللہ سے زیادہ واسطہ نہیں۔ آج کل مسمریزم، ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم، ارواح کو معطل کرنا، ارواح کو حاضر کرنا، ارواح سے رابطہ کرنا وغیرہ کفار بھی کرنے لگے ہیں اور مابعد الطبیعیات (Metaphysics) اور پیرا سائیکالوجی (Para-Psychology) کی شکل میں یہ چیزیں سامنے آ گئی ہیں۔ عامل حضرات کچھ آیات وظائف وغیرہ کا تکرار کر کے اور کچھ چلہ کشی وغیرہ کر کے نیز نمک، گوشت، میٹھے، وغیرہ سے پرہیز کر کے یہ چیزیں حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لئے ''عامل'' اور ''کامل'' میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔ عامل ڈاکٹر ومعالج یا انجینئر یا وکیل کی طرح ایک فن کو سیکھے ہوئے ہے، جو ایک دنیاداری کا کام ہے اور جس کا ولایت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، بلکہ اہل اللہ اس قسم کی قوتوں کو حاصل کرنے کی نیت کر کے مجاہدہ کرنے کو دنیاداری کہتے ہیں۔

اسی طرح دل پر رقت (نرمی) طاری ہونا، رونا دھونا، اذکار میں لطف ومزہ آنا، بغیر کوشش کے تہجد کیلئے خود بخود آنکھ کھل جانا، سچے خواب نظر آنا، جوش وخروش طاری ہونا، بلا ارادہ ھُوحق کے نعرے نکلنا، یہ چیزیں محمود (اچھی) تو ہیں لیکن مقصود نہیں اور انسان کے اختیار سے باہر ہیں، کبھی ہوں گی کبھی نہیں ہوں گی۔ ان کا کمال کے ساتھ زیادہ تعلق نہیں۔ اسی بنا پر محققین بجائے ان چیزوں کے، ظاہر میں سنت کی پابندی اور باطن میں رذائل سے پاکیزگی اور فضائل سے متصف ہونے کو زیادہ دیکھتے ہیں۔ نیز افعال اور اعمال میں اللہ تعالیٰ کے دھیان کا امتحان لیتے ہیں۔ بعض مرتبہ دیکھنے میں آیا ہے کہ مجلس میں خوب ھُوحق

File Adress:

کے نعرے لگانے والے اور رونے دھونے والے افراد کے ساتھ جب معاملہ پیش آیا تو اوروں سے زیادہ دنیادار ثابت ہوئے۔ اس لئے یہ محققین کا اصول ہے کہ انفعالات (رونا دھونا) مقصد نہیں بلکہ اخلاص والے اعمال مقصد ہیں۔

بعض سالکین کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ تقاضاہائے بشری مکمل طور پر ختم ہوجائیں اور اس کو وہ کمال سمجھتے ہیں۔ جب تک یہ بات نہ ہوجائے وہ سمجھتے ہیں کہ اصلاح نہیں ہوئی اور کمال حاصل نہیں ہوا۔ تو جاننا چاہیئے کہ تقاضاہائے بشری موت تک ساتھ لگے رہیں گے، مکمل خاتمہ نہیں ہوگا۔ بس اندر اٹھنے والے تقاضے کی پرکھ، کہ وہ شریعت کے موافق ہے یا نہیں، اور پھر اس تقاضے پر اگر شریعت کے خلاف ہے عمل نہ کرنا، اصلاح اتنی ہی چیز ہے۔

اب ساری بحث کو سمیٹتے ہوئے خلاصہ کے طور پر عرض ہے کہ اعمالِ ظاہری اختیاری ہیں، اپنے اختیار کو استعمال کر کے فرائض و واجبات، سنن و مستحبات کو اختیار کیا جائے اور حرام، مکروہ تحریمی و تنزیہی و خلاف اولیٰ باتوں کو چھوڑنا بھی اختیاری ہے، ان کو اپنے اختیار کو استعمال کر کے چھوڑا جائے۔

اعمالِ باطنی اس رخ سے اختیاری ہیں کہ مثلاً کبر کا رذیلہ تو باطن میں ہے لیکن وہ کسی ظاہری عمل کا تقاضا کرے گا مثلاً وہ تقاضا کرے گا کہ فلاں تجھ سے درجہ میں چھوٹا ہے اسے سلام نہ کر، اس کے ساتھ بے توجہی سے بات کر، گال پھلا کر (Sour Faced) اس سے مل۔ اب اصلاح اسے کہتے ہیں کہ آدمی کو آگاہی ہوجائے کہ میرے باطن میں جو کبر کا رذیلہ ہے وہ مجھ سے اس برے عمل کا تقاضا کر رہا ہے، اب اپنے اختیار کو استعمال کر کے اس تقاضے کے خلاف عمل کرے اور نفس کی چاہت کو کچل دے، اس طرح اعمالِ باطنی بھی اختیاری ہوئے۔ اس جگہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ فرمایا:

اَلْاِنْسَانُ لَا یُعَابُ بِمَا فِیْ طَبْعِہٖ اِنَّمَا یُعَابُ اِذَا فَعَلَ بِمَا فِیْ طَبْعِہٖ

File Adress:

(یعنی جب تک کوئی بیماری (رذیلہ) انسان کی طبیعت میں رہے اس وقت تک وہ کوئی عیب نہیں، ہاں جب وہ طبیعت کی اس بات پر عمل کر لے تو یہ عیب کی بات ہے)

یہ بعینہٖ وہ بات ہے جو حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ وملفوظات میں ہے کہ جب تک رذائل کے مقتضی پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک وہ رذائل مضر نہیں۔ (جہانِ دیدہ صفحہ ۳۱، مفتی تقی عثمانی صاحب)

اس بات کی مزید تائید درج ذیل حدیث میں بھی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَاحَدَّثَتْ بِہٖ اَنْفُسَھَا مَالَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَکَلَّمْ (بخاری)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے معاف کیا میری امت میں سے ان (گناہ کی خواہشات) کو جن کے بارہ میں نفس گفتگو کرتا ہے، جب تک کہ انسان اس کا کلام نہ کرے یا اس پر عمل نہ کرے۔

مقصود ظاہری و باطنی اعمال ہیں، جب ظاہری و باطنی اعمال حاصل ہو گئے تو اصلاح حاصل ہوگئی۔ لہٰذا اس فکر میں نہیں رہنا چاہئے کہ رونا دھونا، ذکر میں مزہ، کشف حاصل ہونا، توجہ وتصرف حاصل ہونا وغیرہ تو ہوا نہیں کیونکہ وہ غیر مقصود ہیں۔ بشری تقاضوں اور باطنی رذائل کے مکمل خاتمے کا انتظار بھی نہیں کرنا چاہئے۔ باطنی رذیلے پر آ گاہی، پھر اس کے تقاضے کے خلاف عمل کرنا، یہ حاصل ہو گیا، اصلاح اتنی ہی چیز ہے۔ یہی وہ حقیقی تصوف ہے جسے سلف نے سیکھا سکھایا۔ آخرت کی نیت سے مسلمان اور انسان بننے کیلئے بس اتنی سی بات کی ضرورت ہے۔ اب اگر بڑا بزرگ بننا اور کوئی حیثیت حاصل کرنا اور مافوق الفطرت (Supernatural) شخصیت بن جانا، اس طرح کی چیزوں کو کوئی حاصل کرنا چاہے تو یہ ایک طرح کی دنیاداری کی نیت ہے۔

مقاصد اور حقائق کو نہ سمجھتے ہوئے غیر مقصود اشیاء کو مقصد جاننا اور اللہ تعالیٰ کی رضا

File Adress:

اور ظاہر و باطن کے اعمال کی بجائے اضافی چیزوں اور انفعالات کو مقصد جاننے کے نتائج ایسے عجیب ہیں کہ تاریخ شاہد ہے کہ تصوف کے نام پر اہلِ باطل نے جب کبھی حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کی ہیں تو وہ توجہ اور تصرف کے راستے سے کی ہیں۔ مثلاً مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کی جھوٹی نبوتیں ہوں یا حسن بن صباح کی حشیشین کی تحریک، برصغیر کی امام شاہی، رسول شاہی تحریکیں ہوں یا موجودہ گوہر شاہی سلسلہ، چرسی بھنگی لوگوں کے بڑے بڑے عرس یا تعویذ گنڈے والوں کے بڑے بڑے سلسلے، سارے انہی غلط فہمیوں سے وجود میں آئے کہ ذرا توجہ سے حال طاری کر دیا، دل کو اچھال دیا، بدن پر کپکپی طاری کر دی یا ڈھول باجے کی مجلس میں وجد طاری کر دیا، اس کو کمال جاننے والے حضرات پھنس جاتے ہیں اور ایسے پھنستے ہیں کہ تقویٰ، پرہیز گاری اور تعلق مع اللہ سے کوسوں دور جا پڑتے ہیں۔ بندہ نے اپنے پشاور کے قیام میں گردو پیش کے صحیح العقیدہ مستند دیوبند والے حضرات کے مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کو نام نہاد پیر صاحبان کی توجہ و تصرف سے متاثر ہو کر ان کے جال میں ایسا پھنستے دیکھا کہ خوفِ خدا اور فکرِ آخرت سے خالی ہوئے اور ان نام نہاد پیر صاحبان کے ساتھ مل کر اپنے قرآن و حدیث کے اساتذہ وجید علمائے کرام اور اولیاء کاملین پر کفر کے فتووں میں شامل ہوئے۔

اس سلسلہ میں باڑہ کے پیر سیف الرحمن (پیر دشت ارچی کابلی) کے مرید علماء، جو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں پڑھے ہوئے تھے، نے تبلیغی جماعت کے بزرگان اور دارالعلوم حقانیہ کے اساتذۂ کرام پر کفر کے فتوے لگائے۔ اسی کی نتیجے میں پیر موصوف کے خلاف ہنگامے ہوئے اور اس کو علاقہ چھوڑنا پڑا۔

اس جگہ دو واقعات کو لکھنا مفید ہوگا۔ ایک واقعہ تو حضرت مولانا احمد جان صاحب مروت خلیفہ مجاز حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ ہے۔ وہ کہنے لگے

File Adress:

کہ ایک دیہاتی آدمی نے مجھ سے پوچھا کہ اہلِ تشیع غلط لوگ ہیں؟ میں نے کہا کہ جی بالکل غلط ہیں۔تو اس نے کہا کہ ان کی مجلس میں تو بہت رونا آتا ہے، وہ کیسے غلط ہو گئے؟ مولانا احمد جان صاحب نے اس کا براہ راست جواب نہیں دیا بلکہ اسے باتوں میں مصروف کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے ایک کہانی سنانی شروع کر دی کہ ایک بوڑھی عورت تھی، اس کا چھوٹا بچہ تھا، اسے پالا پوسا، جب بڑا ہوا تو اسے دشمنوں نے ذبح کر دیا۔ واقعے کو ایسے بیان کیا کہ دیہاتی رونے لگا۔ جب بوڑھا رو یا تو مولانا نے فوراً کہا کہ بابا یہ سارا واقعہ تو فرضی تھا۔ یوں عملی طور پر آدمی کو سمجھایا کہ رونا دھونا تو کوئی فرضی کہانی سنا کر بھی طاری کیا جا سکتا ہے۔

دوسرا واقعہ میاں جی محمدی صاحب کا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تھا۔ خانم کے بازار میں ایک کوچہ تھا اور اس کوچہ کے نکڑ (کنارے) پر ایک رنڈی کا مکان تھا۔ اس میں جو رنڈی رہتی تھی وہ نہایت حسین اور پڑھی لکھی تھی اور اس کے ہاں بڑے بڑے لوگ بیٹھا کرتے تھے۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے مکان کے پاس سے گزرے تو اتفاق سے وہ اپنے دروازے پر کھڑی تھی اور تمام لباسِ سروئی (بناؤ سنگھار) تھا۔ سید صاحبؒ اس جگہ ذرا ٹھٹکے اور ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور اس کے بعد گھوڑا بڑھا کر آگے روانہ ہو گئے۔ آپ بیس پچیس قدم ہی چلے ہونگے کہ اتنے میں وہ رنڈی روتی ہوئی اور یہ آواز دیتی ہوئی آئی کہ اے میاں سوار خدا کے واسطے ذرا گھوڑا روک لے۔ آپ نے گھوڑا روک لیا وہ بے تحاشا گھوڑے کے اگلے پاؤں کو لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہر چند فرماتے رہے کہ بی بی سن تو سہی بات تو بتلا تو کون ہے اور کیوں روتی ہے؟ گھوڑے کے پاؤں چھوڑ دے اور اپنا مطلب کہہ مگر وہ نہیں مانتی تھی اور برابر گھوڑے کے پاؤں پکڑے ہوئے رو رہی تھی۔ تھوڑی دیر میں اسے افاقہ ہوا۔ اس نے کہا میں بیوہ (رنڈی) ہوں اور توبہ چاہتی ہوں اور کچھ نہیں چاہتی۔ سید

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس وقت تیرے مکان میں کچھ لوگ ہیں؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا: توبہ کے بعد نکاح کرے گی؟ اس نے کہا جی ہاں نکاح بھی کروں گی اور جو کچھ آپ فرماویں گے وہ کروں گی۔ آپ نے فرمایا تیرا دل کس سے نکاح کو چاہتا ہے، اس نے کہا فلاں سے۔ آپ نے فرمایا: وہ کہاں ہے؟ اس نے کہا اس وقت میرے مکان میں ہے۔ آپ نے فرمایا: مکان میں کوئی اور بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں کئی آدمی ہیں۔ سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس طوائف سے اور مجھ سے فرمایا کہ جاؤ سب کو بلا لاؤ۔ ہم گئے تو اس وقت دس آدمی تھے۔ ان سب میں سے نو تو آ گئے مگر وہ نہیں آیا جس سے وہ رنڈی نکاح کرنا چاہتی تھی۔ جس شان سے وہ رنڈی آئی تھی، اس شان سے یہ لوگ بھی آ گئے اور سب کے سب تائب ہو گئے۔ اب آپ نے رنڈی سمیت سب سے فرمایا تم لوگ اکبری مسجد چلو میں ابھی آتا ہوں چنانچہ وہ سب اکبری مسجد چلے گئے اور آپ آگے بڑھ گئے۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا میاں محمدی تم نے دیکھا یہ ہم نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا حضور دیکھ لیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میاں سنو! اس قسم کی باتیں یہود، نصاریٰ اور جوگی بھی کرتے ہیں۔ بعض میں نظر کی قوت ہوتی ہے، بعض میں دماغی، بعض میں قلبی، بعض میں آواز کی قوت ہوتی ہے، مگر وہ قوت کسبی ہوتی ہے اور مجھے جو قوت عطا ہوئی ہے وہ وہبی ہے۔ اگر تم کسی کے اندر ایسی قوت دیکھو تو میں نصیحت کرتا ہوں کہ فوراً اس کے معتقد نہ ہونا اور اس کو بزرگ نہ سمجھنا بلکہ جس کو متبع سنت دیکھو تو گو ان قوتوں میں کوئی قوت بھی اس کے اندر نہ دیکھو اس کے معتقد ہونا۔ (ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۱۵۰۔۱۵۱)

غرض عقائد کا شرک و بدعت سے پاک ہونا، اعمال کا مطابق سنت ہونا، باطن کا رذائل سے پاک ہونا اور فضائل سے متصف ہونا جب تک نہ ہو، آدمی معیاری آدمی نہیں ہو سکتا، خواہ کتنے ہی شعبدے کیوں نہ دکھاتا ہو۔ عقائد و اعمال کی درستگی کے ہوتے ہوئے یہ

File Adress:

چیزیں ہوں تو درست ہیں اور کرامت ہیں۔ نیز عقائد و اعمال کی درستگی ہوتے ہوئے جو حضرات معروف توجہ اور تصرف کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں کا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف موڑتے ہیں تو یہ ایک طرح کا اپنے نفس کی قوت کو خیر کیلئے استعمال کرنا ہوا جو مستحسن ہے۔

آج کل یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ بعض لوگوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ انھیں کسی صاحبِ قبر یا کسی روح سے اویسی طریقے سے فیض ہوا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر وہ سلاسل چلا رہے ہیں۔ بعض ان میں سے اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرواتے ہیں۔ اویسی طریقۂ فیض تو ضرور ہے لیکن اویسی سلسلہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کے سلسلہ چلانے میں خطرات بہت ہیں۔ چنانچہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہے کہ ان پر خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی روح حاضر ہوئی اور ان کو اویسی فیض کے ذریعے طریقۂ نقشبندیہ میں کامل کر دیا لیکن پھر بھی آپ خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوئے، ان سے خلافت ملی، اس کے بعد ان کے حکم اور مشورہ سے ہندوستان تشریف لا کر سلسلہ چلایا۔

اس کے بارے میں فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں جناب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ بھی ہے جو کہ یوں ہے:

''نادر طور پر جن حضرات کو بلا واسطہ فیض حاصل ہوا ہے جو کہ طریقۂ اویسیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ان لوگوں کا عام طریق سلف صالحین سے یہ رہا ہے کہ وہ ارشاد و تعلیم و بیعت و تلقین نہیں کرتے۔ اس لیے اگر کوئی شخص اس طرح خلافِ عادت فیض یاب بھی ہو تو اس کے لیے مسند ارشاد پر بیٹھنا اور تعلیم و تلقین کرنا مناسب نہیں۔ اس کے لئے کسی زندہ بزرگ سے اجازت کا ملنا ضروری ہے۔''

بعض جگہوں پر یہ دیکھا گیا ہے کہ حضرات کاملین کی وفات کے بعد ان کی اولاد میں

File Adress:

سے کوئی نہ کوئی ان کی جگہ بیٹھ جاتا ہے جس کے پاس نہ تو علم ہوتا ہے اور نہ ہی طریقۂ صوفیاء کے مطابق تربیت حاصل کی ہوتی ہے۔ بعض تو ان میں سے صرف شکرانے اور مال جمع کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ ان کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ بعض مخلص ہوتے ہیں لیکن اگر وہ حضرات کاملین کی صحبت اٹھا کر تربیت کی منازل طے کرلیں تو اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی خیر اور رحمت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ اس تفصیل کے سامنے آنے کے بعد اب اصل مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کمر باندھنی چاہئے اور عمل کو اختیار کرنا چاہئے۔

بندہ کے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے تقریباً چالیس سال ایک ماحول قائم فرمایا جسکے ذریعے سے کثیر خلائق کو فائدہ ہوا۔ خصوصاً پشاور یونیورسٹی وملحقہ اداروں کے انگریزی پڑھے لکھے طبقہ کو تعلق مع اللہ نصیب ہوا اور زندگی سنتوں سے مزین ہوئی۔ حضرت کی وفات پر شدید کمی محسوس ہونے لگی۔ احباب نے سوچا کہ حضرات کا بدل ان کی تعلیمات اور اصلاحی ترتیبیں ہوا کرتی ہیں اور کامیابی کا راز اصحابِ سلسلہ میں آپس کی محبت، تعلق اور جوڑ ہوا کرتا ہے۔ ان تعلیمات کا ماحول بنالیا جائے تو اپنی حفاظت کا بھی سامان ہوجاتا ہے اور ساتھ شامل ہونے والے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں بندہ مختلف اجتماعات، مجالس اور جمعہ کے خطبات میں جو کچھ بولتا رہا، اسے برخودار مولوی محمد طفیل کوہاٹی سلمہ اللہ نے مرتب کرکے شائع کرنے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

از

ڈاکٹر فدا محمد

File Adress:

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
چند اہم گوشے

File Adress:

سیرت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر گراں قدر بیانات کا یہ مجموعہ مختلف سالوں کے مجالسِ ماہِ ربیع الاول سے مرتب کیا گیا ہے۔ جس میں سیرت طیبہ کے مہم مضامین دلچسپ اور تحقیقی پیرائے میں بیان کیے گئے ہیں۔ نیز پیغمبرانہ دعوت کے ثمرات، داعیانہ اسلوب، داعیانہ اخلاق اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی اور جہادی جدوجہد کا عمدہ خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

File Adress:

خطبہ ماثورہ!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

پہلی امتوں اور کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے تک سارے زمانوں میں کیا گیا ہے، چنانچہ سب سے پہلا تذکرہ آپ کا آدم علیہ السلام کے تذکرے میں آتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکالے جانے کے بعد ان کی لغزش کی معافی اور دعا کی قبولیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہوئی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانتے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا: یا اللہ تبارک وتعالیٰ! جب آپ نے میرے اندر روح ڈالی اور میں نے آنکھیں کھولیں تو عرش پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا، اس سے مجھے اس بات کا اندازہ ہوا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کوئی شخصیت نہیں ہے، کیونکہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ اُن کا نام لکھا ہے۔ اس لئے میں نے استغفار کے کلمات پڑھے تو آخر میں، میں نے اس وسیلے کو اختیار کیا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی ساتویں پشت پر حضرت حنوک علیہ السلام ایک نبی ہو گزرے ہیں، انہوں نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام کی آمد کی خبر دی اور فرمایا کہ وہ مقدس جماعتوں کے ساتھ لوگوں میں انصاف کرنے آئے گا۔ بائبل کے کتاب ''دانی ایل''

File Adress:

باب دوم میں ہے کہ بادشاہ بخت نصر نے ایک خواب دیکھا جسے وہ بھول گیا تو حضرت دانیال علیہ السلام کو بذریعہ وحی وہ خواب بتایا گیا اوراس کی تعبیر بتلائی گئی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دی گئی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اہل مکہ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے سوال کیا:

رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ۔ (البقرہ:۱۲۹)

ترجمہ: اے ہمارے رب! بھیج ان میں رسول انہی میں سے، جو ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

تورات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے کہ اے موسیٰ! اگر تو چاہتا ہے کہ تجھ سے اللہ تبارک وتعالیٰ انتہائی راضی ہو جائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ تو ہر روز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا کر۔ اس کے علاوہ حضرت موسی علیہ السلام نے تورات کے کئی مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی۔

انجیل میں تو درجنوں مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا لکھا ہوا ہے۔ اگرچہ پادریوں نے موجودہ بائبل کے اندر تحریفات کر کر کے اس کی درگت بنادی ہے، جس کی تفصیل آپ ہندوستان کے ہمارے مشہور بزرگ اور جنگ آزادی کے مجاہد مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اظہار الحق'' میں دیکھ سکتے ہیں، یہ بڑے پایے کے عالم اور صوفی تھے، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے تھے، جنگ آزادی میں مجاہدانہ کردار اور عیسائیوں کے علمی تعاقب کی وجہ سے انگریزوں کو مطلوب تھے، جس پر آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی۔ آپ کی اس کتاب کا اردو ترجمہ

File Adress:

مولانا اکبر علی صاحب نے کیا جو سہارنپور مدرسہ مظاہر العلوم کے مدرس تھے اور پاکستان بننے کے بعد دارالعلوم کراچی مفتی شفیع صاحب کی دعوت پر پڑھانے آئے، اس ترجمے پر مفتی تقی صاحب نے ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے تین جلدوں میں مزید تحقیقی کام کیا ہے۔ بہرحال پادریوں کے دست برد سے کچھ پیش گوئیاں آج بھی محفوظ رہ گئی ہیں جو بائبل میں موجود ہیں۔ان میں ایک مشہور پیش گوئی وہ ہے جو پادریوں کے انجیل میں تبدیلیاں لانے کے باوجود کتاب ''استثنا'' کے باب ۳۳ میں موجود ہے کہ:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا، وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور دس ہزار قدسیوں میں سے آیا۔اس کے دائیں ہاتھ پر ان کے لیے آتشین (چمک دار) شریعت تھی۔''

خداوند کے سینا سے آنے کا مطلب ہے: خدا کا حضرت موسیٰ کو تورات عطا فرمانا اور کوہِ شعیر سے طلوع ہونے کا مطلب خدا کا حضرت عیسیٰ کو انجیل عطا فرمانا ہے۔کوہِ فاران سے جلوہ گر ہونے سے اللہ تعالیٰ کے قرآن نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے، اور دس ہزار قدسیوں سے مراد صحابہ کرام کے دس ہزار کا لشکر ہے جو وادی فاران میں جہاد کی صداؤں کے ساتھ فتح مکہ کے دن داخل ہوا اور اہل دنیا کیلئے روشن شریعت پیش کی۔ پہلے عیسائیوں نے بائبل کے جو ترجمے کیے ہیں، ان میں لفظ دس ہزار یعنی (ten thousand) ہی لکھا ہے لیکن اب موجودہ ترجموں میں اس کے اندر تحریف کر کے thousand کے ساتھ (s) بڑھا گیا ہے اور ترجمہ ''لاکھوں'' کیا جاتا ہے تاکہ فتح مکہ کے دن دس ہزار صحابہ کی پیش گوئی کو چھپایا جا سکے۔

انجیل یوحنا کے چوتھے باب میں حضرت عیسیٰ کی یہ پیش گوئی اب بھی محفوظ ہے:

''لیکن فارقلیط (احمد صلی اللہ علیہ وسلم) جسے خدا میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں

File Adress:

سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔''

انجیل یوحنا ہی کے پندرھویں باب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ بات بھی محفوظ ہے:

''لیکن جب وہ فارقلیط آئے گا تو میری گواہی دے گا۔''

فارقلیط (احمد) حضور علیہ السلام کا لقب ہے جس کا معنی شفاعت کرنے والا ہے اور یہ انجیل میں کئی مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

برنباس حواری کی انجیلِ برنباس میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ اپنے نام مبارک کے ساتھ واضح طور پر موجود تھا۔ اس کتاب کو عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب ناپید کیا کیونکہ ان کو سیاسی لحاظ سے بڑا خطرہ تھا کہ جب ایسے پیغمبر کا ظہور ہو جائے گا جس کا تذکرہ انجیل میں اس کے نام کے ساتھ ہے تو اُس کی سیادت و قیادت ہو جائے گی اور باقی سارے لوگ اس کے آگے شکست کھا جائیں گے۔ انہوں نے انجیل برنباس کو ناپید کیا۔ وہ انجیل آج سے کچھ سال پہلے سپین کی لائبریری سے نکلی ہے، سپینش Spanish زبان میں ہے۔ اُس کا عربی میں ترجمہ کرایا گیا ہے۔ اُس میں بیس سے زیادہ مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا تذکرہ ہے۔ اس کے فصل نمبر ۲۲۰ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول بڑی وضاحت سے موجود ہے جو انہوں نے اپنے حواری برناباس سے کہا ہے کہ

''اے برنابا! تو جان لے کہ گناہ کتنا ہی چھوٹا ہو اللہ اس پر سزا دیتا ہے اس لیے کہ گناہ سے اللہ راضی نہیں ہے.............لیکن جب بعض لوگوں نے میرے بارے میں یہ کہا کہ یہ اللہ ہے اور اللہ کا بیٹا ہے، تو اللہ نے اس بات کو برا سمجھا اور اس نے ارادہ کیا کہ قیامت کے دن شیطان مجھ پر نہ ہنسیں اور میرا مذاق نہ اڑائیں لہٰذا اس نے اچھا سمجھا کہ ہنسی اور مذاق

File Adress:

یہودا کی موت کی وجہ سے دنیا میں ہو جائے اور لوگوں کو یہ گمان ہو کہ مجھے سولی دی گئی لیکن یہ اہانت اور تمسخر باقی رہے گا یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ جائیں جب وہ آ جائیں گے تو ہر مؤمن کو اس غلطی پر متنبہ کریں گے اور یہ شبہ دل سے نکل جائے گا۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ گفتگو حواری برناباس سے آسمان پر اٹھائے جانے سے پہلے ہوئی، اس میں حضرت عیسیٰ کی حیات کا بھی واضح ثبوت ہے اور اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ یہودی نے اپنے گمان میں آپ کو پھانسی دے کر تمسخر اڑایا تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ السلام کی اتنی عظیم بشارت اتنے واضح الفاظ میں سامنے آئی تو اس پر عیسائیوں نے واویلا کیا کہ خود ہی ایک کتاب سپینش میں لکھ لی اور خود ہی ترجمہ کر دیا اور اُس کو شائع کر دیا۔ اتفاق سے اٹالین (Italian) زبان میں انجیل برنباس کا ایک دوسرا نسخہ اٹلی کے ایک کتب خانے سے نکلا۔ اُس کا عربی ترجمہ کرایا گیا۔ وہ ترجمہ اور پہلا ترجمہ دونوں بالکل ایک جیسے نکلے۔ اس پر حق پرست دنیا نے یہ مانا کہ واقعی یہ صحیح بات ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے مذاہب کی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہوا ہے۔ مہاراجہ بکرما جیت ہندوستان کا ایک بادشاہ گزرا ہے، آج کل بکرمی سن جو چل رہی ہے یعنی ۲۰۵۴ بکرمی، یہ اس کی ترتیب دی ہوئی ہے۔ بکرما جیت اپنے زمانے میں فن نجوم کا بڑا ماہر گزرا ہے۔ نجوم کا فن ایک باطل اور غلط فن ہے لیکن فن ہے سہی۔ اس نے ستاروں کی گردش سے ستاروں کا حساب کتاب کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے چھ سو سال پہلے ایک تحریر لکھی ہوئی ہے، وہ ہندی اور سنسکرت کی تحریر ہے۔ اس کا نام ہے ''کلکی پرُان''، یعنی ''معصوم کی نعت''۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ اس دیش (ہندوستان) سے پچھّم (مغرب) کی طرف ایک بالک (لڑکا) شمبھل کے ممتاز گھرانے میں جنم لے گا۔ شمبھل کے معنی امن کی جگہ یعنی حرم پاک اور مکہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے داخل ہونے والوں

File Adress:

کے لیے جائے امن بنایا ہے۔اس کی پیدائش سے پہلے اس کے پتا (والد) کی دھ (وفات) ہوچکی ہوگی، یعنی پیدائش سے پہلے اس کے باپ کی وفات ہوچکی ہوگی۔ وہ کلکی ہوگا یعنی وہ معصوم ہوگا۔جس سمے (زمانہ) اس کی پیدائش ہوگی اس نگری میں بہت دھونش دھانش ہوگی یعنی جس سال اس کی پیدائش ہوگی اس سال اس علاقے میں بہت افراتفری کے حالات ہوں گے۔ چنانچہ اصحابِ فیل کا واقعہ اور جنگوں اور لڑائیوں کے واقعات اس زمانے میں بہت کثرت سے ہوئے۔

وید کا ایک بیان جسے بنارس یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے اپنی ریسرچ (تحقیق) میں لکھا ہے، نوائے وقت نے اس کو رپورٹ کیا ہوا ہے اور کٹنگ میرے پاس موجود ہے۔ اس نے ایک کتابچہ بھی شائع کیا ہے جو میرے پاس موجود ہے۔اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا تذکرہ ہے۔اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کا نام وشنو بھگت ہوگا اور بعض مقامات پر وشنوویش لکھا ہے اور ماں کا نام سومانی (یا سومتی) ہوگا۔ وہ برقی گھوڑے پر بیٹھ کر ساری کائنات کی سیر کریں گے۔ یہ جگت گرو ہوں گے یعنی عالمی رہنما۔ان کے ساتھیوں کے پاس تلواریں، نیزیں، یہ چیزیں ہوں گی۔ وشنو بھگت سنسکرت کا لفظ ہے۔ وشنو کہتے ہیں اللہ کو اور بھگت کہتے ہیں بندہ کو۔ ہمارے ہاں ولی ہوتا ہے ان کے ہاں بھگت ہوتا ہے۔ وشنو بھگت کا عربی میں ترجمہ کریں تو ''عبداللہ'' بنتا ہے۔سومانی سنسکرت کا لفظ ہے جس کا ترجمہ ہے امن پائی ہوئی عورت۔عربی میں اس کا معنی بنتا ہے ''آمنہ۔'' برقی گھوڑے پر سوار ہوکر ساری کائنات کی سیر کرنا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کا واقعہ ہے اور آپ کے جہاد کرنے والے صحابہ کرام کے پاس تلواریں، نیزے اور برچھے ہیں۔اس کے ضمن میں بنارس کے پروفیسر صاحب نے سارے ہندوستان کو دعوت دی ہے کہ تلوار برچھے والا دور تو گزر چکا ہے لہٰذا جس جگت گرو کا انتظار کر رہے ہو ان کا دور گزر

File Adress:

چکا ہے۔ وہ جگت گرو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

دوسرے وید کا بیان ہے۔ اس وید میں لکھا ہے کہ ایک جگت گرو آئے گا جس کی پیدائش ڈھائی پہر دن چڑھے ہوگی۔ اس کی شادی بہت مالدار عورت سے ہوگی۔ اس کی شادی سومنی سے ہوگی۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ڈھائی پہر دن چڑھے یعنی دن شروع ہونے کے ڈھائی گھنٹے بعد کا تذکرہ ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش صبح صادق کو ہوئی ہے اور وید کہہ رہا ہے کہ ڈھائی گھنٹے بعد ہوئی ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ اور ہندوستان کے وقت کا ڈھائی گھنٹے کا فرق آج کے شمسی تقویم (Solar Calender) میں ثابت ہے۔ یعنی جس وقت مکہ مکرمہ میں صبح صادق تھی تو ہندوستان میں ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے۔ اس لیے آپ کی پیدائش ڈھائی گھنٹے دن چڑھے ہوگی۔ اس کی شادی بہت مالدار عورت سے ہوگی جو حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ ہیں کیونکہ آپ مکہ مکرمہ کی آدھی معیشت کی مالکہ تھی اور اس کی شادی سومنی سے ہوگی۔ سومنی سنسکرت کا لفظ ہے جس کا معنی بنتا ہے ''عائشہ''۔ ''ایک جگہ'' پادا ما سے شادی ہوگی'' کے الفاظ ہے اور پادا ما سنسکرت میں کنول کے پھول جیسی خوبصورت عورت کو کہا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی ویدوں میں ''کلکی اوتار'' یعنی آخری پیغمبر کے نام سے آنے والے ایک پیشوا کی پوری علامات موجود ہیں اور وہ ساری علامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہیں۔ ہندو آج بھی منتظر ہیں کہ وہ ''کلکی اوتار'' آئے گا اور انہیں سیدھی راہ دکھائے گا، جب کہ وہ آچکا، اب جو ہندو پروفیسر اور تعلیم یافتہ طبقہ سیرت نبوی کو پڑھ رہا ہے اور کلکی اوتار کی اپنے ہاں آئی ہوئی علامات کو دیکھ رہا ہے تو اس بات کا قائل ہو رہا ہے کہ وہ موعود پیشوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ یہ پہلی کتابوں اور ویدوں میں آپ کا تذکرہ ہے جن پر پوری کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ آپ کے سامنے کر دیا۔

File Adress:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت

میرے بھائیو! ہر نبی اپنے ماحول میں انتہائی معیاری شخصیت ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش خاندانِ بنو ہاشم میں ہے جو اپنے خاندانی شرافت، اعزاز اور بزرگی کے لحاظ سے قریش میں پہلے نمبر کا خاندان شمار ہوا ہے اور ہمیشہ قریش کی قیادت خاندانِ بنو ہاشم نے کی ہے، قریش کے دیگر قبائل اپنی تعداد، بدنی قوت اور ہر جگہ بہت زبردست کارکردگی دکھانے کے باوجود بنو ہاشم سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خطاب فرمایا ہے:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (یونس:۱۶)

ترجمہ: کیونکہ اس (کلام کے ظاہر کرنے) سے پہلے بھی تو ایک بڑے عمر تک تم میں رہ چکا ہوں۔ پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی، اور انہوں نے اس دعوت کو رد کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سچائی پر اپنی زندگی اور شخصیت کو بطور دلیل پیش کیا اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کی زندگی ان کے پیغام کی سچائی کی دلیل ہوا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اے قریشِ مکہ! میں نے تمہارے درمیان ایک عرصہ دراز گزارا ہے۔ چالیس سالہ زندگی گزاری ہے، کیا اُس چالیس سالہ زندگی کو دیکھ کر تم سوچ نہیں سکتے کہ میں حق پر ہوں یا باطل پر۔ یہ چالیس سالہ زندگی آپ کا ایک دعویٰ تھا کہ چالیس سالہ ایسی معیاری زندگی گزاری ہے کہ اس کے بعد ہر ایک آدمی کہتا ہے کہ وہ شخص جس نے ایک جاہلی معاشرے میں انتہائی معیاری چالیس سال گزارے ہیں وہ جب بھی کوئی بات کرے گا تو وہ معیار سے گری ہوئی کبھی نہیں ہوگی کیونکہ ساری زندگی اِس سے جھوٹ ثابت نہ ہوا، ساری زندگی اِس سے کبھی فساد ثابت نہ ہوا، اُس معاشرے میں آپ کو صادق اور

File Adress:

امین کا خطاب دیا گیا تھا اور آپ کی ابھی عمر پینتیس سال تھی کہ حجرِ اسود کے نصب کرنے کے جھگڑے میں سارے سرداران قریش نے آپ کی قیادت پر اعتماد کیا تھا اور آپ کے کہنے پر حجرِ اسود کو رکھا گیا تھا اور اِن کے اندر ممکنہ لڑائی آپ کی تدبیر اور آپ کی حکمتِ عملی سے رک گئی تھی۔ کئی موقعوں پر قریش میں اِس بات کا اعلان ہوتا رہا ہے کہ تمہارے بھائی کا یہ یتیم رہ جانے والا بیٹا جب کسی میدان میں آ کر کھڑا ہوتا ہے تو میدان مار لیتا ہے اور پہلے نمبر پر آ جاتا ہے۔ سیرت کی کتابوں کو آپ پڑھیں آپ کی شخصیت کے بارے میں، آپ کی محنتیں، آپ کی قربانیاں، آپ کی خدمتِ خلق، آپ کی وعدہ کی پاسداری، آپ کی سچائی اور غریبوں کا ساتھ دینا وہ تو ایک پوری تفصیل ہے، یہ مطالعہ تو اتنا زبردست مشغلہ ہے کہ آپ اِس کو پڑھیں گے تو آپ اِس میں محو ہو جائیں گے، اِس میں اتنی کشش ہے۔ تو فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُراً مِّنْ قَبْلِهٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ! یہ آپ نے چیلنج کیا ہے قریشِ مکہ کو، جس کا وہ کوئی جواب پیش نہیں کر سکے۔

سورت حجر میں اللہ تعالیٰ آپ کی عمر یعنی حیات طیبہ کی قسم کھا کے ارشاد فرماتے ہیں:

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥ (الحجر: ۷۲)

ترجمہ: آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔

قومِ لوط کے واقع کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم!!!

قرآن پاک قسم ہمیشہ اُس چیز کی کھایا کرتا ہے جو کہ اگلے سننے والے کو لاجواب کر دے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کی عمر کو بطورِ حجت، بطورِ مثال کے طور پر قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پیش کر کے فرمایا ہوا ہے کہ آپ کی عمر کی قسم! یعنی اِن کفار کے درمیان وہ معیاری زندگی جو آپ نے گزاری ہوئی ہے وہ ایسی لاجواب ہے کہ

File Adress:

انسانیت میں کوئی اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا، اس کا نمونہ سامنے نہیں لا سکتا۔ دنیائے انسانیت نے جس حوالے سے بھی ایک کامل نمونۂ حیات کو سامنے رکھ کر رہنمائی لینی ہو تو وہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی حیات طیبہ کا نمونہ ہے۔

میرے بھائیو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ''تاریخیت'' کے اعتبار سے تمام پیشواوں، لیڈروں اور مقتداوں سے ممتاز ہے۔ تاریخیت کا مطلب یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو حالات پیش کیے جائیں وہ تاریخ اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصے کہانیوں کی نہ ہو۔ یہ بات دنیا کی تاریخ میں مانی گئی ہے کہ مسلمانوں کے ہاں احادیث اور سیرت کی حفاظت کے لیے روایت کرنے والے راویوں کی جانچ پرکھ کا جو پختہ ، محتاط اور کڑی شرائط پر مشتمل علم ہے یہ دنیا کے کسی مذہب کے پاس اپنی تعلیمات کی حفاظت کے لیے موجود نہیں۔ اسے علم اسماء الرجال اور علم جرح وتعدیل کہتے ہیں۔ خود ایک غیر مسلم مستشرق ڈاکٹر سپرنگر نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کے اس کارنامے کی وجہ سے پانچ لاکھ آدمیوں کے حالات محفوظ ہوئے ہیں۔

شخصیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ شخصیت عمل کے لحاظ سے قابلِ تقلید ہو۔ میتھالوجیکل قصے یا فرضی کہانیاں نہ ہوں جن پر عمل کی بنیاد رکھنا ناممکن ہو بلکہ وہ عملی اور پریکٹیکل ہو جو انسانیت کیلئے قابل عمل اور قابل تقلید ہو اور اس رخ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کامل، ممتاز اور انتہائی نمایاں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی 'کاملیت' کے اعتبار سے بھی لاجواب اور بے مثال ہے، کاملیت کا مطلب یہ ہے کہ اس شخصیت کی سیرت انسانیت کے لیے زندگی کی ہر ضرورت اور گوشے میں مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہو، اس کی زندگی سے عبادات، معاملات، سیاسیات، معاشرت، اخلاقیات، عمرانیات اور ملکی وبین الاقوامی امور میں پوری رہنمائی

File Adress:

میسر ہو، ایسا نہ ہو کہ اس کی زندگی عبادات کے متعلق تو رہنمائی فراہم کرے لیکن اس میں معاملات اور معاشرت کی درستگی کے لیے کوئی ہدایت دکھائی نہ دے، یا وہ اخلاقیات کا درس تو دے رہی ہو لیکن سیاست و قانون میں بالکل خاموش ہو۔ آپ بدھ مت کو دیکھ لیں، بدھسٹوں کی کتنی بڑی تعداد دنیا میں آباد ہے لیکن ان کے پیشوا گوتم بدھ کی زندگی کو اگر کنگھالیں تو چند قصے کہانیاں 'جو مستند تاریخ پر پوری نہیں اترتی' دستیاب ہوں گی اور کچھ اقوال مل جائیں گے۔ باقی زندگی کی ضرورتوں میں ان کی سیرت مکمل خاموش ہے۔ یہی حال تمام موجودہ مذاہب کے پیشواؤں کا ہے۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کاملیت کا امتیاز ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ امت سے مخفی نہیں اور وہ زندگی کے ہر میدان میں سیرت طیبہ سے تا قیامت مکمل رہنمائی لے سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ''جامعیت'' کے اعتبار سے بھی ساری انسانیت اور اس کے پیشواوں سے فائق ہے۔ جامعیت کا مطلب یہ ہے کہ مختلف انسانی طبقات کو اپنی ہدایت کے لیے جن جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے، یا معاشرے اور سوسائٹی میں رہنے والے افراد کو اپنے مختلف تعلقات و روابط کو نبھانے اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لیے جن جن نمونوں اور مثالوں کی ضرورت ہے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق، بندوں کے حقوق، ان حقوق کو ادائیگی کے طریقے، ان میں عزیمت یعنی انتہائی اونچے معیار اور رخصت یعنی گنجائش اور آسانی والے راستے پر چلنے کی مثالیں، سب آپ کی سیرت میں دستیاب ہیں، آپ کی سیرت و شخصیت اتنی جامع ہے کہ ایک عبادت کو ادا کرنے کے جتنے تعظیمی طریقے اور رنگ ہو سکتے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اور مختلف اماموں کی فقھوں کی صورت میں امت کے عمل میں آئے ہوئے ہیں۔ دلیل کے اعتبار سے جس امام نے جس طریقے کو راجح (زیادہ بہتر)

File Adress:

سمجھا اسے لے لیا،لیکن ہیں ساری اسی چشمے سے پھوٹی ہوئی نہریں۔۔۔ ہاتھ ناف کے نیچے باندھنا بھی تعظیمی عمل ہے، ناف کے اوپر باندھنا بھی......اور دونوں کی احادیث آئی ہوئی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہر پہلو سے جامع ہے اور اس جامعیت میں آپ ساری انسانیت اوراس کے پیشواؤں سے ممتاز ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا سب سے اہم پہلو ''عملیت'' ہے۔عملیت کا مطلب یہ ہے کہ شخصیت جس تعلیم کو پیش کررہی ہے خوداس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہواور خوداس کے عمل نے اس تعلیم اور نظریے کوقابل عمل ثابت کیا ہو۔دنیا کے خوش کن سے خوش کن فلسفے، اچھے سے اچھے اقوال اور عمدہ سے عمدہ نظریے کوئی بھی دانشور اور فلسفی پیش کرسکتا ہے،لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت پیش نہیں کرسکتا وہ عمل ہے۔افلاطون اور ارسطو کے نظریے کیا ہوئے؟ مٹ گئے،ختم ہو گئے،ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا کیونکہ ان کی پشت پر محض نظریہ پیش کرنے والے تھے،کوئی عملی شخصیت نہیں تھی۔شخصیت وہی مؤثر ہوتی ہےاور بات اسی کی چالو ہوتی ہے جوعملی ہو۔

عملی شخصیت کی اہمیت پر ایک عجیب واقعہ آپ کوسناتا ہوں،حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ میں یورپ سے ہندوستان کی طرف ایک بحری جہاز کا سفر کررہا تھا۔ مجھے پتہ چلا کہ اس جہاز میں رابندرناتھ ٹیگور بھی سفر کررہا ہے۔رابندرناتھ ٹیگور بنگال کا ایک ہندوشاعر ہے جس کواپنی بنگلہ زبان کی نظم ''گیتاں جلی'' پرنوبل پرائز ملا ہوا ہے۔اب نوبل پرائز لینے والا شاعر......اُس کی دانشوری کوآپ سوچیں کس درجے کی ہوگی۔ جہاز جب جنوبی افریقہ،کیپ ٹاون کی بندرگاہ پرٹھہرا توسید سلیمان ندویؒ کا خیال ہوا کہ اس سے ملنا چاہئے۔اُس سے جب ملے توسید سلیمان ندویؒ نے سوال کیا کہ آپ نے ہندومت کو Amendment کر کے اورتبدیلی کر کے سناتن دھرم کی جگہ برہموسماج کی شکل میں پیش

File Adress:

کیا تھا کیونکہ جب صنعتی انقلاب آ گیا اور جدید سائنس وجود میں آ گئی تو اُس وقت ہندوؤں کو خیال ہوا کہ ہمارا مذہب جس میں گائے کا پیشاب پینا اور گائے کے گوبر سے جگہ کو پاک کرنا ،گائے کا گوبر زمین پر ملنا کہ زمین پوِتر (پاک) ہو جائے یا گائے بوڑھی ہو جائے تو اس کو چھوڑ دو جس کھیت میں جائے اور کھائے۔ یا کوئی ہاسٹل بناؤ'' گاؤ شالہ'' گائیوں کا ہاسٹل، وہ گائیوں کے رہنے کی جگہ ہوتی ہے کیونکہ گائے بوڑھی ہو چکی ہے۔مسلمان جب کوئی خیرات کرتے ہیں تو دیگ پکا کر تقسیم کرتے ہیں جب کہ ہندوستان کی خیرات ان بوڑھی گائیوں کو چارا ڈالنا ہے،اب اس کو ذبح کر کے کھانا، پرانے ہندو مذہب سناتن دھرم میں تو حرام ہے،خود مر کر تعفن اور بد بو کا ذریعہ بنے، اس کی خیر ہے۔عورت کا خاوند مر جائے اُس کو ستی کرنا یعنی مردہ خاوند کو آگ میں جلاتے وقت اس کی زندہ بیوی کو بھی اس کے ساتھ جلانا وغیرہ وغیرہ یہ تو عملی باتیں نہیں تھیں۔لہٰذا اِس مذہب میں اگر ترمیم نہ کی گئی تو جدید سائنسی دور کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔تب آپ کے ہندوؤں نے اُس میں تبدیلی کی اور Amendment کرنے کے بعد انہوں نے نیا مذہب برہمو سماج بنایا۔

حضرت سید صاحبؒ نے رابندر ناتھ ٹیگور سے کہا کہ تمہارا برہمو سماج تو عقلی اور منطقی (Logical) تھا۔عقل اور سمجھ میں آنے والا تھا،قابل قبول تھا،وہ چلا کیوں نہیں؟ تو رابندر ناتھ ٹیگور نے واقعی دانشورانہ جواب دیا اُس نے کہا کہ برہمو سماج مذہب کی کتاب تو تھی لیکن کتاب کے پیچھے کوئی عملی شخصیت نہیں تھی اور جس کتاب کے پیچھے عملی شخصیت نہ ہو وہ جاری نہیں ہوسکتی ہے اس لئے برہمو سماج چالو نہیں ہوسکا۔

اقبالؒ نے کہا ہے:

ے تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

File Adress:

کتاب خواں یعنی کتاب پڑھ رہا ہے لیکن صاحب کتاب نہیں ہے ۔صاحب کتاب کون ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے کہ جو کتاب میں لکھا ہوا ہے وہ اس کی عملی زندگی میں ہو۔ یہ ایک زبردست جواب ٹیگور نے سید سلیمان ندویؒ کو دیا۔

یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے چار معنوی کمالات وخصوصیات ہیں یعنی تاریخیت ، کاملیت ، جامعیت اور عملیت ۔جن پر خطبات مدراس میں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیل سے بحث فرمائی ہے، اسے ضرور پڑھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم معنوی کمالات کی طرح جسمانی خصوصیات اور کمالات میں بھی سب سے ممتاز تھے، آپ کی گُھڑسواری، آپ کی پہلوانی، آپ کی شجاعت اُس معاشرے میں مثالی تھی ۔ وہ گھوڑا جس کو کوئی شہسوار پکڑ کر سواری کیلئے قابو نہیں کرسکتا تھا وہ کبھی آپ کے سامنے سر نہیں اُٹھاتا تھا۔ رکانہ ایک پہلوان تھا جس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ رکانہ پہلوان کا پوتا اتنی قوت والا آدمی تھا کہ جب گھوڑے پر بیٹھتا تھا اور دونوں رانوں سے اُس کے پیٹ کو دباتا تھا تو پسلیوں کو توڑ کر اُس کے پیٹ کو پھاڑ دیتا تھا۔ اتنی تو پوتے کی رانوں کی قوت تھی تو باپ کی کتنی ہوگی اور دادے کی کتنی ہوگی کہ وہ زیادہ Pollution free atmosphere (آلودگی سے پاک ماحول) میں پلا ہوا تھا۔ حضرت رکانہ آئے، انہوں نے کہا: ہم کشتی جانتے ہیں، ہمارے ساتھ کشتی کریں، اگر ہم سے کشتی جیت گئے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ کشتی کے لیے جب آگے بڑھے تو ایک ہی داؤ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرادیا۔ اُس نے کہا: مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آپ نے کیسے گرایا ہے، دوسرا داؤ ہونا چاہیے۔ دوسرا داؤ ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرادیا۔ کہنے لگے : مجھے سمجھ نہیں آتی آپ کیسے گرادیتے ہیں ۔ تیسرا داؤ کرو جی ۔لہٰذا تیسرا داؤ ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرادیا۔ اس پر لا جواب ہوا اور اسلام قبول کیا۔

File Adress:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعصاب تو اتنے مضبوط تھے کہ سخت سے سخت حالات میں آپ کی قوت فیصلہ، تدبر اور فکر ذرا بھر متاثر نہ ہوتی۔ جنگ ثقیف میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف بارہ آدمیوں کے ساتھ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے تھے، اور بنوثقیف کے چار ہزار تیرانداز تیروں کی بوچھاڑ کیے ہوئے تھے، آپ کے اعصاب اس وقت بھی پوری طرح بحال تھے چنانچہ جب ۱۲ ہزار کا لشکر جم نہ سکا، آپ اکیلے میدان میں جمے رہے۔ تھوڑی دیر میں گیارہ آدمی مزید آئے اور ایک طرح سے ہاری ہوئی جنگ کے لیے اس سخت حالت میں ایسی حکمت ترتیب دی کہ صحابہ نے واپس لوٹ کر حملہ کیا اور ایسے جمے کہ دشمن پسپا ہونے پر مجبور ہوا۔ جنگ احد کے سخت خون ریز معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انچ پیچھے نہیں ہٹے حالانکہ کافروں کے سارے حملوں کا رخ آپ کی طرف تھا۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ آپ کے اعصاب اتنے قوی تھے اور آپ اتنے بہادر تھے کہ ہم میدان جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لے کر آگے بڑھتے تھے۔ آپ کے جسمانی کمالات بھی ایک تفصیل طلب موضوع ہے، اِس کو آپ سیرت کی کتابوں میں سے پڑھیں، یہ تو مزے کی باتیں ہیں جو ایک مجلس میں کہاں سمٹ سکتی ہیں۔

ثریا ستاروں کا جمگھٹا جس میں ٦/٦ (Six by Six) نظر والا آدمی چھ ستارے دیکھ سکتا ہے اس سے زیادہ اچھی نظر ٦/٥ (Six by Five) ہے جو اس زمانے میں خال خال لوگوں کی ہوتی ہے۔ (Six by Five) والا آدمی سات ستارے دیکھ سکتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ثریا کے جمگھٹے میں گیارہ ستارے دیکھ سکتے تھے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک عام انسانوں کی تیز ترین نظر سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اس جمگھٹے میں کل ۳۵ ستارے ہوتے ہیں، دوربین اور جدید آلات سے آج کل آدمی دیکھ بھی سکتا ہے۔

File Adress:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات

پھر آئیں آپ کی تعلیمات کی طرف۔آپ کی تعلیمات میں قرآن مجید تو معجزہ ہے ۔معجزہ اُس دور کیلئے بھی ہے، آج کے دور کیلئے بھی ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔اُس دور میں صرف یہ تھا کہ بات کو کہنے کا طریقہ،خوبصورت الفاظ،خوبصورت جملہ،خوبصورت بندش،صرفی نحوی قاعدے، بلاغت کے قاعدے، انداز بیان اتنی چیز کووہ دور سمجھتا تھا لہٰذا ان چیزوں میں تو قرآن نے سب کو چیلنج کیا اور لا جواب کیا اور وہ چیلنج پندرہ سوسال سے ہے، اُس کو کوئی رد نہیں کر سکا۔آج کل جو سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں مثلاً ہماری میڈیکل سائنس ہے اِس میں ماں کے پیٹ میں جو بچہ بنتا ہے اِس پر قرآن پاک میں آیتیں ہیں۔

سعودی عرب والوں نے ایک اناٹومی کے بہت ماہر پروفیسر کیتھ مُور کو بلایا اور اُس سے ایمبر یالوجی (Embryology) کی آیتوں کی روشنی میں ریسرچ کروائی، کافی سارا فنڈ دے کر اُس نے ریسرچ کی اور ریسرچ کے بعد جب مکمل کر کے گیا ہے تو اُس نے اپنے ملک میں جا کر بیان دیا ہے کہ میری تو حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ وہ چیزیں جن کو آج کی جدید سائنس اتنی تحقیقات اور ریسرچ کرنے کے بعد پا سکی ہے چودہ سوسال پہلے قرآن پاک میں بیان ہوئی ہیں گویا یہ ایک معجزہ پڑا تھا جو موجودہ دور کو اللہ نے دینا تھا۔

دنیا میں دیگر مختلف علوم والے مثلاً جیالوجی والے، اسٹرانومی و فلکیات والے، آرکیالوجی والے، جغرافیہ والے ہر ایک شعبے نے اِس پر کتابیں لکھی ہوئی ہیں، بازار میں موجود ہیں۔جیالوجی والوں کی ایک کتاب ترکیہ سے آئی تھی، میرے پاس تھی، اُس میں جو قرآن پاک کی چٹانوں اور پہاڑوں کی بحث کی ہوئی ہے، بہت حیرت انگیز ہے۔پشاور یونیورسٹی میں میرا درسِ قرآن ہوتا تھا، میں نے درس دیتے ہوئے آیت پڑھی:

وَ الْجِبَالَ اَوْتَادًاo (نباء:۷) اور (ہم نے بنایا) پہاڑوں کو میخیں۔

File Adress:

درس میں جغرافیہ کا ایک پی۔ایچ۔ڈی پروفیسر بیٹھا ہوا تھا، اُس نے کہا: ڈاکٹر صاحب پھر کہو پھر کہو۔ میں نے آیت دوبارہ پڑھی۔ اُس نے کہا: سبحان اللہ! یہ تو ہمارے جغرافیہ کا فلانا نظریہ ہے کہ پہاڑ جتنے اوپر ہیں اتنے ہی اندر میخ کی طرح گڑھے ہوئے ہیں اور زمین کے جتنے پلین (خشکی کے ٹکڑے) ہیں، اُن کو چاروں طرف سے پہاڑوں نے پکڑا ہوا ہے اور پاکستان اور ہندوستان کا جو پلین ہے اِس کو کوہِ ہمالیہ اور کوہِ قراقرم نے اِس طرح اپنے دامن میں پکڑا ہوا ہے کہ اگر اِن پہاڑوں کو ہٹا دیا جائے تو یہ مٹی جا کر بحیرۂ عرب میں گر جائے گی۔

ایک دفعہ میرا ایک درس ہو رہا تھا اُس میں ایک بڑے عالم آکر بیٹھے ہوئے تھے، صبح کا وقت تھا۔ اُس میں میں نے طالوتؑ کا واقعہ پڑھا کہ طالوتؑ نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ آگے نہر آنے والی ہے اِس میں سے پانی نہیں پینا ہے جس آدمی کو بہت پیاس لگی ہوئی ہو، بے بس ہو رہا ہو وہ اِس سے ایک چلو پی لے۔ جب نہر پر پہنچے تو تین سو تیرہ افراد نے تو پانی نہیں پیا، یا پیا تو چلو بھر اور باقی نے خوب پیا جس سے اُن کے پیٹ پھول گئے اور سست ہو گئے اور آگے چل نہیں سکے۔ تو تین سو تیرہ حضرات نے ہی پھر جنگ لڑی ہے۔ میں نے کہا: جب آدمی چلتا ہے سفر کرتا ہے تو اِس کے Metabolites (تھکاوٹ کی رطوبتیں) جو بدن کے پٹھوں کے استعمال سے پیدا ہوتی ہیں وہ اپنی اپنی جگہ پر اٹکے ہوئے ہوتے ہیں جب تک آدمی کام کرتا ہے وہ اٹکے رہتے ہیں۔ جب آدمی پرسکون (Relax) ہو کر بیٹھ جائے اور خاص کر پانی پی لے تو جب پانی بدن میں پھیلتا ہے وہ اُن رطوبتوں کو دھو کر خون میں شامل کر دیتا ہے۔ جوں یہ رطوبتیں خون میں شامل ہو جائیں آدمی پر سستی اور نیند طاری ہو جاتی ہے۔ وہ عالم میری بات سن کر سر دُھننے لگے۔ اُنہوں نے کہا: ڈاکٹر صاحب نے تو عجیب تفسیر کی! میں نے کہا: اِس قرآن میں ڈاکٹروں کیلئے بھی کچھ رکھا ہوا ہے اور قرآن

File Adress:

کہہ رہا ہے کہ تم آکر مجھ میں غور کرو تو میں تمہیں بھی کچھ دینے کو تیار ہوں۔

میں ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ آدمی جب قرآن پڑھتا ہے تو اِس کی کسی نہ کسی چیز پر اُس کا دل پکار اُٹھتا ہے کہ یہ حق کتاب ہے۔ میں جب پڑھتا ہوں تو میں کس جگہ کہتا ہوں کہ یہ حق کلام ہے؟ میں جب اِس کو پڑھتا ہوں تو اِس میں جو عورتوں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں اور خاص طور پر جو طلاق کے مسئلے بیان کئے گئے ہیں تو اُس جگہ دل گواہی دیتا ہے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے۔ کوئی اور ایسی بات نہیں کہہ سکتا ہے، اتنی جزئیات ،اتنی باریکیاں بیان ہوئی ہیں کہ اگر کسی جگہ کوئی مسئلہ یا پیچیدگی (Complication) ہوسکتی ہے تو اُس کا حل چودہ سو سال پہلے بتایا ہوا ہے۔ آج کل حقوق پر اتنی تحقیقات ہو رہی ہیں، کتنی یونیورسٹیاں ہیں جو اِن موضوعات پر پی۔ ایچ۔ ڈی کروا رہی ہیں لیکن آج یہ اُس چیز کو نہیں پا رہے ہیں جو چودہ سو سال پہلے قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کی ہوئی ہے۔ یہ آپ کی تعلیمات ہیں جو معجزہ ہیں اور معجزہ اُس دور کیلئے نہیں ہے قیامت تک کیلئے ہے اور ہر شعبہ زندگی کے لوگوں کیلئے اِس میں مواد موجود ہے۔

ہم آیات آفاقی اور آیات اَنفسی کو لیتے ہیں۔ آیات آفاقی اور آیات اَنفسی جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں سو فیصد ان سے مطابقت رکھتی ہیں،صرف ایک آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا۔(یسین:۳۸) { کہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چل رہا ہے } ایسی ہے جس کی مطابقت پرانے سائنسی نظریے سے نہیں تھی کیونکہ ۱۹۱۷ء سے پہلے سائنسی نظریہ یہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے جب کہ قرآنی نظریہ یہ ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے۔ اس دور میں لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اس تفسیر کو بدل کر کسی طرح جدید سائنس کے مطابق کر دیا جائے لیکن علماء نے سختی سے اس کی تردید کی اور کہا کہ ہمارا یہ یقین ہے کہ سائنس کی یہ غلطی درست ہوجائے گی چنانچہ ۱۹۱۷ء

File Adress:

میں شلیے کا نظریہ سامنے آیا جس کے مطابق سورج اپنے پورے نظام شمسی کو لیے ہوئے اپنی گلیکسی میں ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف چل رہا ہے۔ چنانچہ قرآن کی بات اپنی جگہ پر رہی جبکہ سائنسی نظریہ جدید تحقیقات کے آنے کے بعد بدل گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ایک بڑا حصہ احادیث مبارکہ کی شکل میں موجود ہے، احادیث کے متون، اجزاء، شروحات اور مختلف ایسی کتابیں جن میں مصنفین نے اپنی سند کے ساتھ ان کو محفوظ کیا ہے، ان کی تعداد ۹۰۰ سے اوپر ہے، اتنا بڑا ذخیرہ زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی فراہم کر رہا ہے، حدیث بھی وحی ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے: مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُوْحیٰ۔ وہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی خواہش سے نہیں بولتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پاس بھیجی جاتی ہے۔

اس لیے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حدیث وحی ہے، دینی احکامات کے ثبوت کے لیے مستقل حجت اور دلیل ہے اور قانون سازی کے لیے ماخذ قانون ہے۔ احادیث مبارکہ قرآن پاک کی تشریح ہیں، ان کے ذریعے جو نظام دنیا کو دیئے گئے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ سیاست، نظام معیشت، نظام عبادت، گھریلو تعلقات کا نظام، انفرادی اور اجتماعی اخلاقی ضابطے آج بھی کامیاب معاشرے کے ضامن ہیں، مسلمانوں نے انہی تعلیمات کو برت کر دنیا میں ہزار سال تک واحد سپر پاور کے طور پر اپنے آپ کو منوایا ہے۔ ان تعلیمات میں عدل وانصاف ہمدری وخیر خواہی، صبر وشکر، تسلیم ورضا، اخلاص و للّٰہیت، سادگی وقناعت اورفکر آخرت کو ایسے اقدار (Values and Standards) کی حیثیت حاصل رہی جس نے ظلم وعدوان کے سب بت مٹا دیئے اور

File Adress:

ایسی شخصیات تیار کیں جو انسانیت کے لیے سکھ، چین اور راحت کا سبب بنیں اور انسانیت کے دکھوں اور تکلیفوں کا خاتمہ ہوا۔

احادیث مبارکہ عہد نبوت ہی سے لکھی جاتی رہیں۔ منکرین حدیث کا جو فتنہ اسلم جیراج پوری، مولوی چراغ علی اور ان کے بعد غلام احمد پرویز کی شکل میں اٹھا، انہوں نے ایک مغالطہ یہ بھی پیدا کرنے کی کوشش کی کہ احادیث دوسو سال بعد لکھی گئی ہیں۔ کیا اعتبار کہ یہ جعلی ہیں یا اصلی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ قطعاً غلط ہے کہ عہد نبوت میں احادیث لکھنے کا رواج نہ تھا۔ صحابہ کرام با قاعدہ لکھتے تھے، باون صحابہ کے صحیفوں کا تو تذکرہ محفوظ ہے اور بہت سے صحائف دستیاب بھی ہیں، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی مشہور شاگرد ہمام بن منبہ کا صحیفہ ماضی قریب میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحبؒ نے دریافت کر کے شائع کروایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر احادیث لکھتے رہے، ان کا صحیفہ صادقہ معروف ہے۔ اس کے علاوہ حضرت انس بن مالکؓ، حضرت علیؓ اور حضرت جبیر بن مطعمؓ کے صحائف کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ صحابہ کرام کے بعد تابعین کے ہاں بھی احادیث لکھنے کا رواج تھا، ایک سو باون تابعین نے اپنے مجموعے مرتب کیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امام زہریؒ کی نگرانی میں سرکاری سطح پر کتابت حدیث کا کام شروع کیا۔ جب کہ ابھی صحابہ کرام حیات تھے۔ موطا امام مالک، مسند امام اعظم ابوحنیفہ، مسند معمر بن راشد، مصنف عبدالرزاق اور مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ دور تابعین اور تبع تابعین کے بڑے اور اہم حدیثی مجموعے ہیں۔ امام بخاری کی کتاب پر ترکی کے ڈاکٹر فواز سیزگین نے پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا ہے، جس میں یہ ثابت کیا ہے کہ بخاری شریف کی ہر حدیث کا اس سے پہلے تحریری ماخذ موجود تھا۔ اگر تحریری طور پر حدیث محفوظ نہ بھی ہوتی تو تب بھی حدیث سے قرون اولیٰ کا اشتغال، تعلق اور ان کے قوی حافظے اس کی

File Adress:

حفاظت کے لیے کافی تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائی دور میں احادیث لکھنے سے جو منع کیا، وہ محدود مدت کے لیے تھا کیونکہ اس وقت تک قرآن کے اسلوب بیان سے صحابہ کرام کو پوری ممارست نہیں ہوئی تھی، اس لیے امکان تھا کہ کہیں الفاظ قرآن کے ساتھ حدیث کی تشریح لکھ کر باہم خلط ملط نہ ہوجائے۔ بعد میں احادیث آپ نے لکھوائی بھی ہیں اور صحابہ کرام کو لکھنے کی اجازت بھی دی ہے۔

پھر آپ کی تعلیمات میں صرف کہی ہوئی باتیں نہیں ہیں، صرف Theoratical Discussion نہیں ہے۔ قرآن نے دعویٰ کیا ہے: ذٰلِکَ الْکِتٰابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں شک نہیں ہے۔ یعنی ہم جو کچھ بیان کررہے ہیں وہ عملی طور پر وجود میں آجائے گا، اُس کے نتائج ہوں گے۔ اور اگر بیان کردہ نتائج حاصل نہ ہوں تو پھر آپ کہیئے گا کہ اِس کتاب میں شک ہے۔ لہٰذا آپ کی تعلیمات کا عملی ڈھانچہ پیش کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدوجہد اور محنت کا ایک طریقہ دیا گیا، پھر اس جدوجہد کے نتیجے میں تعلیمات کے نتائج سامنے آئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد اوراس کے تین مدارج

آپ کی جدوجہد تین درجوں میں قرآن وحدیث نے بیان کی ہوئی ہے۔ ایک کو قرآن نے کہا ہے: جہادِ کبیر، ایک کو حدیث نے کہا ہے جہادِ اکبر اور ایک کو جہادِ اصغر۔ جہادِ کبیر کیا ہے؟ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا، آپ اِس قرآن کی دعوت کے ذریعے اِن کے ساتھ جہادِ کبیر کریں۔ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہے اور آیت جب نازل ہوتی تھی تو اُسی وقت صحابہ کرامؓ اس پر عمل کرتے تھے اور مکہ میں کوئی لڑنا نہیں ہوا ہے، پھر اِس آیت کا معنیٰ کیا تھا؟ اِس آیت کا معنیٰ قرآن پاک کی تعلیمات کے ذریعے سے لوگوں میں

File Adress:

اصلاح کا کام کرنا ،لوگوں کو دین حق کی طرف بلانااور دعوت الی اللہ دینا جہادِ کبیر ہے۔دعوت وتبلیغ کا کام حق کے پھیلاؤ کی بنیاد ہوتی ہے اور یہ جہادِ کبیر ہے۔ کیونکہ اس کے نتیجے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو جس ظلم وستم کا سامنا کرنا، جو تکلیفیں اٹھانی پڑیں اور اس کے جواب میں جس صبر اور پامردی کا مظاہرہ ہوا اس کو پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور چیخیں نکلتی ہیں واقعتا وہ جہادِ کبیر تھا۔

آپ کی جدوجہد کا دوسرا پہلو جہادِ اکبر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جہاد سے واپس آئے تو آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا: **رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ اِلیٰ الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ**۔ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ گئے۔صحابہ کرامؓ نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جہادِ اکبر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نفس کے خلاف جہاد کرنا۔یعنی کبر،حسد،کینہ، لالچ ،ریاوغیرہ رذائل کا امالہ کرنااوران کی جگہ ہمدردی، خیرخواہی، اخلاص،قناعت،صبر،شکر اپنے اندر پیدا کرنا۔اِس کیلئے کوشش کرنی ہوتی ہے۔اس میں لگ کر،کوشش کر کے،دن رات لگا کر، پوچھ کر، اپنے لئے رہنمائی (Guidance) لے کر اصلاحِ نفس کو حاصل کرنا ہوتا ہے۔دعوت الیٰ اللہ سے ایک آدمی جب اسلام کو قبول کر لے گا، اُس کو مجاہدہ نفس کے دوسرے میدان سے گزرنا پڑے گا تا کہ اُس کی شخصیت کی تعمیر ہو جائے ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تزکیہ کے منصب کے تحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شخصیتیں بنائیں اور ایسی معیاری بنائیں کہ دنیا میں کوئی ایسی جماعت کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

اب دیکھیں شخصیت کی تعمیر کے ایک دو چھوٹے چھوٹے واقعات آپ کو سنا دیتا ہوں ۔حضرت علیؓ نے ایک کافر کو جنگ میں پچھاڑا اور اُسے قتل کرنے والے تھے کہ اُس نے منہ پر تھوک دیا۔آپ نے اُس کو چھوڑ دیا۔وہ بدلہ لینے کیلئے اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا تو اُس نے اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے تھوک ہی دیا۔انہوں نے چھوڑ دیا۔اُس نے پوچھا کہ

File Adress:

آپ نے چھوڑ کیوں دیا ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: پہلے میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے قتل کر رہا تھا۔ جب آپ نے تھوک دیا تو مجھے غصہ آ گیا اور غصہ کیلئے مجھے قتل کرنا ہی نہیں تھا۔ اُس آدمی نے کہا: اوہو! یہ ایسا دین ہے، میں تو اِس کو قبول کرنے کو تیار ہوں۔ اب یہ بنی ہوئی شخصیت تھی جس کو ضبطِ نفس حاصل تھا، وہ رضاءِ الٰہی کیلئے تو کام کر رہے تھے نفس کے غصہ کیلئے کام نہیں کر رہے تھے۔ جب ہمیں غصہ آتا ہے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں قابو میں ہی نہیں رہتے۔ غصہ کو قابو رکھنا اور اپنی للّٰہیت میں فرق نہ آنے دینا اصلاحِ نفس ہے۔

حضرت عمر فاروق ؓ بازار میں گشت کر رہے تھے، ایک آدمی کی کوتاہی دیکھی اُس کو دُرا مارا۔ اُس نے آپ کو گالی دی، آپ نے دُرا پیچھے کر لیا اُس کو دوسرا نہیں مارا۔ اُس نے کہا: امیر المومنین! آپ نے دوسرا نہیں مارا۔ حضرت عمر نے فرمایا: پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے مارا، گالی پر مجھے غصہ آیا، اِس لئے میں نے دوبارہ نہیں مارا۔ یہ تربیت یافتہ شخصیات تھیں جو جدوجہد کے دوسرے پہلو جہادِ اکبر کے نتیجے میں تیار ہوئیں۔

حق وانصاف کی ترتیب کو لے کر آگے بڑھنا واقعی بہت مشکل ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام کو سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ اس کے لئے نہ رات کو آرام، نہ دن کو چین بلکہ رات کو جدوجہد اور دن کو جدوجہد۔ اتنی کوشش کرنی پڑتی ہے کہ اتنی کوشش دنیا والا آدمی دنیا کے کاموں کے لئے نہیں کرتا۔ نبوت ملنے کے بعد دنیا سے پردہ فرمانے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مسلسل جدوجہد ہے۔

آپ کی جدوجہد کا تیسرا پہلو حق کے لیے لڑنا ہے۔ سب سے پہلا بڑا قتال جو ہوا وہ جنگ بدر کا ہے۔ جس میں کفار تقریباً چار سو کلومیٹر لڑنے کے لئے چل کر آئے ہیں۔ دوسرا بڑا جہاد احد میں ہوا ہے، جس میں کافر پھر تقریباً پانچ سو کلومیٹر چل کر آیا ہے۔ تیسرا بڑا جہاد خندق کا ہوا ہے۔ کافر پھر پانچ سو کلومیٹر چل کر آیا ہے۔ اسلامی تعلیمات تو تواضع، خدمت،

File Adress:

ہمدردی، خیر خواہی، امن وامان، دوسروں کی زندگیوں کو بنانا، سُکھ پہنچانا، اس چیز کیلئے ہیں۔ ہاں اس چیز کو روکنے کیلئے ایک طبقہ ہوتا ہے۔ ہر جاہلی زمانہ میں سرداروں اور بادشاہوں کا ایک طبقہ ہوتا ہے جنہوں نے جاہلی نظام چلایا ہوا ہوتا ہے اور اس کے فوائد بھی حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ حق کے نظام کو نافذ ہونے نہیں دیتے، کیونکہ ان کی بادشاہت، سرداری اور مال وجاہ کا مفاد خطرے میں پڑتا ہے اور باطل، ظالمانہ طاغوتی نظام کے مٹنے اور ختم ہونے کو وہ دیکھ رہے ہوتے ہیں اس لیے اپنے باطل نظاموں کو بچانے کے واسطے انہوں نے حق سے ٹکرانا ہوتا ہے۔ جب انہوں نے ٹکرانا ہوتا ہے تو اہلِ حق کیلئے پھر یہ ہے کہ وہاں کمزوری نہیں دکھانی۔ وہاں کمر باندھ کر ان کے ساتھ ایسا ٹکرانا ہے کہ ان کو پاش پاش کرنا ہے۔ قرآن پاک کی آیت کہہ رہی ہے:

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ط (سورۃ الانبیاء:۱۸)

''اور ہم حق بات کو باطل بات پر پھینک مارتے ہیں سو وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجہ نکال دیتا ہے (یعنی اس کو مغلوب کر دیتا ہے)۔ سو وہ (باطل مغلوب ہوکر) دفعتاً جاتا رہتا ہے۔''

کہ اُٹھاؤ حق کو اور دے مارو باطل کے سر پر کہ اس کی کھوپڑی ٹوٹ پھوٹ جائے اور اس کا دماغ اور بھیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر باہر پھیل جائے اور اس کی کوئی حیثیت نہ رہے تاکہ باطل کا خاتمہ ہو اور حق کے لئے پھیلنے کا راستہ ہموار ہو۔ لیکن یہ اس وقت ہوگا جب باطل حق کو، انصاف کو، صلح کو، آشتی کو، امن وامان کو، سچائی کو، خدمتِ خلق کو، ہمدردی کو، خیر خواہی کو روکنا چاہتا ہے، چاہے اپنی قوت ومحاربہ سے روکے یا اپنی شوکت وشکوہ سے۔ لہٰذا اس رکاوٹ کو دور کرنے کیلئے پوری ہمت کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس بات کا اندازہ ہوا کہ مکہ مکرمہ میں کفار کا بہت بڑا

File Adress:

مرکزِ فساد کا ہمارے خلاف کام کر رہا ہے۔ جب تک اِس کو ختم نہ کیا جائے، اس کو ٹھنڈا نہ کیا جائے یہ فساد تو چلتا رہے گا اور حق کی راہ میں مسلسل کانٹے بچھاتا رہے گا۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر لے کر فتح مکہ کے لئے گئے ہیں اور آپ لوگ انفنٹری والوں سے پوچھیں تو آپ کو بتائیں گے کہ کامیاب جرنیل کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ کم سے کم وسائل سے زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے دس ہزار آدمیوں کے ساتھ گئے ہیں اور بغیر لڑے مکہ کو فتح کیا ہے اور جنگ کو اپنے اس عسکری اُصول پر فتح کیا ہے۔ جس کو آج کل کی انفنٹری اقدامی جنگ کے اہم ترین اصول اخفا (Secracy) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یعنی اپنے آپریشن کو اتنا Secret رکھا ہے، اتنا خفیہ رکھا ہے کہ جس وقت آپ نے مکہ مکرمہ کے گرد گھیرا ڈالا ہے اُس وقت کفار کو پتہ چلا ہے کہ ہم گھیرے میں ہیں اور اُن کو اِس بات کا اندازہ ہوا کہ اگر ہم نکلتے ہیں تو لڑنے کے حالات ہی نہیں ہیں جب آپ رات کو پہنچے ہیں تو آپ نے سب صحابہ سے فرمایا کہ ہر آدمی اپنی علیٰحدہ علیٰحدہ آگ جلائے۔ یہ اقدامی جنگ کا دوسرا اہم اصول ہے جسے آج کل کی انفنٹری (Deception) یعنی دشمن کو حیرت میں مبتلا کر دینا، کے نام سے زیرِ بحث لاتی ہے۔ ابوسفیان جب نکلا اُس نے دیکھا کہ ساری وادی میں آگ ہی آگ جل رہی ہے اس کو اندازہ ہوا کہ یہ تو بہت زیادہ تعداد ہے اور لڑنے کے تو کوئی حالات نہیں ہیں، جا کر مذاکرات کریں کوئی اپنے لئے اور مکہ مکرمہ کے لوگوں کے بچاؤ کی صورت کریں۔ اس طرح بغیر لڑے آپ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا۔ صرف ایک موجودہ جرول کے علاقے سے جدھر آج کل مکہ مکرمہ کا بابِ حدیبیہ ہے، حضرت خالد بن ولیدؓ اِدھر سے داخل ہو رہے تھے تو چند نوجوان آ کر لڑے ہیں، انہوں نے پہلے حملے میں چودہ آدمیوں کو جو گرایا تو بس سارے چپ ہو گئے۔ جس وقت باطل لڑنے پر آ جائے اور مرنے مارنے پر آ جائے تو اُس وقت پھر

File Adress:

کمزوری، بزدلی نہیں دکھانی ہے۔ پھر کمر باندھ کر اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہے اور اس کے آہنی پنجے کو مروڑ نا ہے، اُس وقت پیچھے نہیں ہٹنا ہے۔

اِس کو کہا تو ہے جہادِ اصغر، لیکن جس وقت قتال یعنی لڑنے کا عمل شروع ہو جائے تو دین کے سارے شعبے موقوف اور معطل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ لڑائی کا تقاضا اب یہ ہو رہا ہے کہ اگر نماز کی طرف جاتے ہیں تو آپ کا سارا آپریشن نا کامیاب اور ختم ہو رہا ہے اُس وقت آپ نماز کو چھوڑیں گے اپنے آپریشن کو جاری رکھیں گے کیونکہ قتال کے حکم نے نماز کے رکن کو موقوف کر دیا ہے ۔غزوہ خندق میں چار نمازیں مسلمان نہیں پڑھ سکے ہیں ۔کیونکہ جنگ کا بہت سخت دھاوا اور بوجھ(Stress and Tension) تھا، یہ چار نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں قضا پڑھی ہیں۔

اسی طرح غزوہ بدر کے سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ روزہ توڑ دیں اور سارے لوگ کھا پی کر تازہ دم ہو کر سفر کریں۔تو کچھ صحابہ کرامؓ ایسے مضبوط تھے کہ انہوں نے کہا کہ ہم سفر بھی کر سکتے ہیں، لڑ بھی سکتے ہیں اور روزہ بھی رکھ سکتے ہیں، انہوں نے روزہ رکھا ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آج روزہ توڑنے والے روزہ رکھنے والوں سے آگے نکل گئے کیونکہ روزہ توڑنے والوں نے حکم پر عمل کیا ہے۔تو اصل بات جو ہے وہ حکم کو لینا ہے تو گویا روزے کا حکم موقوف ہوا، نماز کا حکم موقوف ہوا، کس وجہ؟ سے قتال کی وجہ سے۔کیونکہ یہ اب وہ اہم چیز وجود میں آگئی ہے جس کی وجہ سے باقی چیزیں موقوف ہو جاتی ہیں جب تک یہ مکمل نہ ہو جائے۔

بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہوا ہے کہ یوشع علیہ السلام جب ارضِ مقدس کو فتح کر رہے تھے، بنی اسرائیل کیلئے تو ایسے حالات ہو گئے کہ اگر وہ جنگ کو جاری رکھتے ہیں تو عصر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جنگ کو ختم کرتے ہیں تو ساری کوشش رائیگاں جاتی ہے۔اب

File Adress:

ایک چیز کو بھی ترک نہیں کر سکتے ہیں، اس کا تفصیلی حکم ان کے سامنے نہیں تھا تو انہوں نے دعا مانگی کہ یا اللہ! اب اِس مشکل سے تُو ہی نکال۔ تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ سورج کبھی نہیں رُکا ہے ہاں سورج رُکا ہے تو وہ یوشع علیہ السلام کیلئے رُکا ہے جب وہ ارضِ مقدس کو فتح کر رہے تھے کہ سورج کو اپنی جگہ پر روک دیا گیا اور انہوں نے ارضِ مقدس کو فتح کیا۔ تو پھر سورج ڈھلا ہے انہوں نے عصر کی نماز پڑھی ہے پھر مغرب ہوئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسالیب دعوت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد میں دعوت کے بھی تین درجے ہیں: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوتی جدوجہد کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک کو کہتے ہیں جُہد فی اللہ اور ایک جُہد للہ۔ جُہد فی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں جدوجہد کرنا یعنی اللہ کی محبت، اللہ کی یاد، اللہ کا دھیان، اس کے حضور کھڑا ہونا، راتیں جاگ کر کاٹنا، راتوں کو نماز میں کھڑا ہونا، ذکر میں لگنا اور اللہ کی یاد میں لگنا، یہ جُہد فی اللہ ہے۔ آپ ﷺ کا جُہد فی اللہ ایسا تھا کہ ساری ساری رات کی نماز، چھے چھے پارے کی رکعات، اتنی لمبی نماز کہ پاؤں مبارک مسلسل کھڑے رہنے سے سوج جاتے۔ سارے کے سارے انبیاء کی جدوجہد کا ایک پہلو جُہد فی اللہ ہوتا ہے۔ یہ دعوت کے لیے روح کا کام دیتا ہے، جس جہد للہ یعنی دعوتی عمل کے پیچھے جہد فی اللہ نہ ہو وہ دعوتی عمل پیغمبرانہ منہاج کے مطابق نہیں ہوتا اور نہ اس کے زیادہ مثبت اور مؤثر نتائج نکلتے ہیں۔

ان عقائد، اعمال اور اس دین کو پھیلانے کے لئے عوام میں کوشش کرنا جُہد للہ ہے۔ آپ ﷺ کے جُہد للہ میں ایک جُہدِ انفرادی ہے، ایک جُہدِ اجتماعی ہے اور ایک جُہدِ عسکری ہے۔ انفرادی دعوت، اجتماعی دعوت اور عسکری دعوت۔

مکہ مکرمہ میں دس سال تک ایسے حالات رہے کہ آپ اجتماعی طور پر دعوت نہیں

File Adress:

دے سکے بلکہ ایک، ایک آدمی کو، دو دو آدمیوں کو دعوت دیتے رہے۔ اس دس سالہ دور میں صرف ایک کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے دعوت دینے کا واقعہ ہے۔ اس کے علاوہ اس دور میں دعوت انفرادی ہے۔ ایک ایک آدمی سے مل کر ان سے بات کرنے کے علاوہ حج میں آئے ہوئے لوگوں میں آپ نے کام کیا، اس میں لوگ مسلمان ہوئے، دوسرے سال پھر حج پر آئے ہوئے لوگوں میں کام کیا تو بیعت عقبہ والے لوگ مسلمان ہوئے۔ اس طرح عرصۂ دراز تک آپ ﷺ کی دعوت انفرادی طور پر چلتی رہی اور ایک ایک، دو دو آدمی مسلمان ہوتے رہے۔

انفرادی و اجتماعی اور عسکری دعوت کے علاوہ جُہد کا ایک شعبہ تعلیم ہے۔ دن میں آپ ﷺ کام کرتے، آپ ﷺ کے ساتھی بھی چاروں طرف کام کرتے، دکانوں میں، بازاروں میں، کھیتوں میں، جہاں جہاں بھی لوگ موجود ہوتے ان کے پاس جا کر بیٹھتے، تعلق جوڑتے، پھر اس کے بعد دین کی بات کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کسی کو اپنے ساتھ لے لیتے تھے کہ تو میرا تعارف کرا دینا پھر میں اس آدمی سے بات کرلوں گا۔ ساتھی ان کا تعارف یوں کرا دیتا کہ آپ کو پتا ہے یہ ابوبکر (رضی اللہ عنہٗ) ہے، مکہ مکرمہ میں بڑے معززین میں سے ہے، قتل کے مقدموں میں جب فیصلہ ہوتا ہے تو وہ ان کا خاندان کیا کرتا ہے اور یہ اس جرگے کے بڑے ہیں، یہ فلاں فلاں خصوصیات والے آدمی ہیں اور بڑے اچھے آدمی ہیں اور بڑی اچھی اچھی باتیں کیا کرتے ہیں، آپ بھی ان کی باتیں سنیں! یہ دعوت کا ایک طرز ہوتا ہے۔ پھر جب وہ پوچھتے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں تو یہ عرض کرتے کہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیکھیں آپ بتوں کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں تو کیا کبھی بتوں نے آپ سے بات کی ہے؟ وہ لوگ کہتے کہ کبھی نہیں کی۔ یہ پوچھتے کہ کیا کسی بڑے سے یا کسی اور نے یا کسی کے تجربے میں یہ بات آئی ہو کہ بت

File Adress:

باتیں کرتے ہیں۔ وہ کہتے نہیں جی کبھی نہیں۔ پھر یہ پوچھتے کہ کیا ایسا ہوا کبھی کہ ان بتوں نے کوئی فائدہ پہنچایا ہو یا کوئی نقصان پہنچایا ہو؟ وہ لوگ پھر کہتے کہ کبھی نہیں۔ تو یہ استدلال کا ایک طریقہ ہوتا۔ اس طرح آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی انفرادی دعوت ہوتی۔

اسی سلسلے میں دیگر قبائل کے سرداروں کی طرف دعوت کا سلسلہ بڑھایا گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جا کر ان سرداروں کو دعوت دی، جس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین اذیت اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔

اس انفرادی دعوت کے نتیجے میں جو لوگ مسلمان ہوتے وہ حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے گھر جمع ہوتے۔ آج کل ہم جہاں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگاتے ہیں وہ گھر اس جگہ میں آ گیا ہے۔ حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے گھر رات کو جمع ہو کر آدھی رات، تہائی رات یا پوری رات کھڑے ہو کر نماز پڑھی جاتی تھی۔ نماز تو دسویں سال میں واقعۂ معراج کے بعد پوری ترتیب کے ساتھ موجودہ شکل میں پانچ وقت فرض ہوئی ہے لیکن وحی کے آغاز ہی میں اس کے پڑھنے کا حکم دے دیا گیا تھا:

يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ـ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلاً (المزمل: ۱۔۲)

اے کمبل اوڑھنے والے! رات کو کھڑا رہو مگر تھوڑا۔

جس وقت آپ ﷺ نے نماز شروع کی تو ساری ساری رات نماز ہوتی جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین دن کو کام اور مزدوریاں کر کے تھکے ہوئے آتے تھے تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ آدھی رات کھڑے ہوں یا اس سے بھی کم کر دیں کیونکہ آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں ان کو اتنی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اس لئے ان سے اتنی لمبی نماز برداشت نہیں ہوتی۔ تو تہجد کی نماز پہلی وحی کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ دارِ ارقم میں رات کو تہجد کی نماز، اس میں قرآن جیسا کلام، پڑھنے والی رسول اللہ ﷺ کی زبانِ فیض

File Adress:

ترجمان، سننے والے عربی کے ماہرین اہلِ زبان، تو اس کا کیا سماں بندھتا ہوگا۔ آج کل کے ہمارے قاری صاحبان بھی جب پڑھتے ہیں تو جن لوگوں کو ترجمہ آتا ہے وہ کہا کرتے ہیں کہ اگر نماز کے احکامات کے خلاف نہ ہوتا تو میں نے چھلانگیں لگائی ہوتیں اور نعرے لگائے ہوتے۔ تو یہ آپ کی عبادت اور تعلیم کی مجلس تھی۔

کچھ عرصہ بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے پہلی اجتماعی دعوت کا تقاضہ کیا تو سب جمع ہوئے، لوگوں کو جمع کیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بیت اللہ شریف کے آگے کھڑے ہوکر بیان شروع کیا۔ بیان شروع کرنا تھا کہ سارے کافر آکر پِل پڑے اور لاتوں سے اور گھونسوں سے اتنا مارا کہ بیہوش کر کے گرا دیا۔ ان کا بدن پھول گیا اور اتنی تکلیف ہوگئی کہ ان کے قبیلے والوں کا خیال ہوا کہ یہ تو تھوڑی دیر کے مہمان ہیں اور مر جائیں گے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اگر ہمارے قبیلے کا آدمی مر گیا تو ہم فلاں فلاں آدمی جنھوں نے بہت ظلم کیا ان کو ضرور قتل کریں گے۔ یہ پہلی اجتماعی دعوت تھی جس میں اتنی مشکلات پیش آئیں۔ نبوت کے دسویں برس حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسلمان ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اب دارِارقم سے باہر تشریف لایئے، ہم بیت اللہ شریف کے باہر کھڑے ہوکر اعلانیہ نماز سے پڑھیں گے اور اگر کسی کے اندر اتنا زور ہے اور اتنی طاقت ہے تو آئے اس کو روکے، میں دیکھتا ہوں کیسے روکے گا۔ یہاں سے اجتماعی دعوت شروع ہوئی ہے۔ یہ جُہدللہ کا دوسرا شعبہ تھا۔

اجتماعی دعوت کے بعد حالات اتنے مشکل ہوئے ہیں کہ ہجرت کرنا پڑی۔ وہاں رہ کر امن و امان سے اور اطمینان سے زندگی گزارنا اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پورے کرنا ممکن نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے جس دور میں بھی مسلمانوں پر کسی ملک میں ایسے حالات ہوجائیں کہ وہاں پر آزادی سے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہ کر سکتے ہوں اور آزادی سے زندگی

File Adress:

نہ گزار سکتے ہوں تو ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایسی جگہ چلے جائیں جہاں دین پر عمل کرنے میں مشکلات نہ ہوں۔ مکہ سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ ہجرت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ کی فضا کو سازگار کیا۔ مدینہ والوں نے مہاجرین کے ساتھ نصرت کی۔ ان کی نصرت دوطرح کی ہے: ایک جانی اور مالی نصرت ہے اور دوسری فکری نصرت ہے یعنی ان کے ساتھ مل کر کام کیا۔ باہر سے آنے والوں کو کھانا کھلایا، کپڑے دیئے، رہنے کے لئے جگہ دی، یہ تو جانی و مالی نصرت ہے، اس کے نتائج اتنے زیادہ نہیں نکلا کرتے۔ اصلی نصرت فکری نصرت ہوتی ہے یعنی ان کے ساتھ مل کر دین کا کام کرنا۔

انصار کی نصرت اور مدینہ کے بااختیار ماحول میں اتنی طاقت میسر آ گئی کہ دعوت میں رکاوٹ ڈالنے والوں کا میدان میں مقابلہ کیا جا سکے لہٰذا آپ نے ستائیس غزوات اور ستاسی سرایا کے ذریعے عرب کی ان تمام سرکش طاقتوں کو زیر کیا جو اسلام کے آفاقی پیغام کو پھیلانے اور اس کی رحمتوں سے انسانیت کو محروم رکھنے کا باعث تھے۔ جب اسلامی ریاست ایسی طاقتوں سے پرامن ہوگئی اور اس کو استحکام حاصل ہوا، تو اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے آخری دور میں عسکری دعوت کا حکم ملا، کہ بڑی کفریہ طاقتوں کو خطوط لکھ کر اَسْلِمْ تَسْلِمْ کی دعوت دی جائے۔ عسکری دعوت ان لوگوں کے ذمے ہوتی ہے جن کی اتنی قوت ہوگئی ہو کہ وہ اہلِ کفر کو کہ جن کے پاس حکومتیں ہیں، اسلحے ہیں، لشکر ہیں، ان کو اپنے اسلحے اور لشکر کے ساتھ جا کر دعوت دے سکیں۔ جن طاقتوں نے اس دعوت کا انکار کیا تو خلیفہ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور ہی سے ان کی سرکوبی شروع ہوئی مسلمانوں کے لشکر اقدام کر کے کفریہ حکومتوں کی سرحدات پر جاتے اور اَسْلِمْ تَسْلِمْ کی دعوت دیتے یعنی اسلام قبول کرلو تو سلامتی پالو گے۔ خیر القرون میں یہ عسکری دعوت مسلسل جاری رہی، یہاں تک کہ اسلام کا جھنڈا ہارون الرشید کے دور میں اسی لاکھ مربع میل پر لہرایا، حالانکہ اس وقت آباد

File Adress:

دنیا ایک کروڑ بیس لاکھ مربع میل تھی گویا دوتہائی حصہ اسلام کے زیرنگیں آیا، تو یہ آپ کے دعوت کے تیسرے درجہ عسکری دعوت کی بنیاد پر ممکن ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کے نتائج

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کے نتائج کیا نکلے۔ جب بھی کوئی تحریک شروع ہوتو اس کے نتائج ایک انفرادی سطح پر ظاہر ہوتے ہیں اور ایک اجتماعی سطح پر۔ یعنی اکیلے شخص کو کیا ملا اور پورے اجتماع کو پورے ماحول کو پورے معاشرے کو پوری قوم کو پوری عالمِ انسانیت کو کیا ملا۔ ان کو اگر آپ سمیٹیں تو یہ تین عنوانات (headings) کے نیچے آجاتے ہیں۔ ہر تحریک و جدوجہد کے نتیجہ میں انسانوں کو کیا ملنا چاہئے؟ سب سے زیادہ ضروری چیز انسان کیلئے کیا ہے؟ آپ اپنے ذہنوں میں سوچیں اور اپنے جواب کو اپنے پاس رکھیں پھر میں آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ انسان کو سب سے زیادہ ضرورت کس چیز کی ہے؟ کوئی کہے گا ہوا کی ہے، کوئی کہے گا پانی کی ہے، کوئی کہے گا روٹی کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ انسان کو سب سے زیادہ ضرورت امن وامان کی ہے۔ اگر امن وامان نہ ہوتو کوئی بھی چیز جگہ پر نہیں رہتی ہے۔ ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان میں کرفیو curfew) لگ گیا تھا۔ مجھے وہاں کے ساتھیوں نے ٹیلیفون کیا کہ کھانے پینے کی تکلیف ہورہی ہے۔ ایک محترمہ نے کہا کہ کسی ڈاکٹر کو ڈیرہ اسماعیل خان میں سوال جواب کرو کہ کرفیو ہے کسی طرح میری بیٹی کو اس کے ہاسٹل میں کھانا پہنچادے۔ میں نے کہا: فکر نہ کرو، میں کسی کے حوالے کرتا ہوں، کھانا اس کو پہنچا کے آجائیں گے۔ تو سوچیں! اگر امن وامان نہ ہوتو باقی کچھ حاصل کرنے کو چھوڑیں اپنی جان بچانا مشکل ہوجاتی ہے۔ لہٰذا انسان کی سب سے زیادہ اہم ضرورت امن وامان ہے۔

اس لئے ہمارے شرعی اُصولوں میں سے ہے کہ امن وامان اگر غیر مسلم حکومت نے بھی قائم کیا ہوا ہوتو اس کے خلاف بھی اس وقت تک جدوجہد نہ کی جائے جب تک کہ اس نظام کے

File Adress:

خاتمے پر آپ متبادل نظام نہ دے سکتے ہوں۔ کیونکہ امن و امان انسانوں کی ایک ایسی ضرورت ہے کہ اس کے تحت زندگی کے سارے شعبے کام کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر امن و امان نہ ہوتو کوئی کام بھی نہیں کیا جاسکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ایک عورت ہوگی جو صنعائے یمن سے چلے گی اور ایک دوسرا علاقہ بتایا کہ وہاں تک جائے گی۔ نوجوان ہوگی، خوبصورت ہوگی، زیورات سے لدی ہوگی، اکیلی ہوگی اور سارے راستے میں اس کو کوئی بھی نہیں چھوئے گا۔ ایک صحابی ہیں عدیؓ بن حاتم، حاتم طائی کے بیٹے۔ وہ کہتے ہیں: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے۔ میں نے کہا: یا اللہ! جس راستے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ فلاں راستے سے گزرے گی، اس راستے پر تو ہمارا قبیلہ بنی طے ہے اور ہمارے قبیلہ میں کئی ڈاکو ہیں تو یہ ڈاکو سارے مر جائیں گے کہ عورت گزرے گی اس کو کوئی چھیڑے گا نہیں، زیورات نہیں چھینے گا، اس کو پریشان نہیں کرے گا۔ خیر میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں تو بس ٹھیک ہے، پھر تو ہوگی یہ بات۔ کہتے ہیں: دورِ فاروقی میں اس طرح ہوا کہ واقعی ایک عورت آئی وہ سفر کر کے گزری۔ اس نے بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور وہ مکمل امن و امان میں رہی۔ کسی جگہ بھی اس کو کسی نے نقصان نہیں پہنچایا، کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں، کوئی گزند نہیں پہنچی ہے۔ ایسا امن و امان وجود میں آیا ہے۔

دوسری بات آپ سب سوچیں کہ دوسری بات انسانوں کیلئے کیا ضروری ہوتی ہے امن و امان کے بعد؟ اپنے اپنے ذہن میں سوچیں اور اپنے جواب کو اپنے پاس رکھیں۔ دوسری بات جو انسان کیلئے ضروری ہے وہ قانون کی عمل داری ہے کہ فیصلے میرٹ پر ہوں، قانون کے مطابق ہوں، قانون کی عمل داری ہو، قانون کی پیروی (follow) ہو، کوئی اُس

File Adress:

کے خلاف نہ کرے، جس قوم کے پاس قانون کی پابندی نہیں ہوتی وہ ترقی نہیں کرسکتی ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مختلف مناصب پر تقرریاں ان کے استعداد اور تقویٰ وطہارت میں امتیازی اہمیت کی بنیاد پر ہوتی تھیں، اور بڑے سے بڑا ذی وجاہت شخص بھی قانون سے بالاتر نہ تھا۔

کتب احادیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو'جس کا نام فاطمہ مخزومیہ تھا' چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کی حد (شرعی سزا) سنائی۔اس قبیلے والوں نے اسے اپنی بڑی رسوائی کا سبب سمجھا اور حضرت اسامہ بن زیدؓ سے سفارش کی درخواست کی کہ کسی طرح یہ فیصلہ تبدیل ہو، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات ارشاد فرمائی جو قیامت تک اسلامی قانون کی برتری اور شخصیات کے مقابلے میں قانون کی پاس داری کے لیے دلیل اور حجت بن گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر اس کی جگہ فاطمہ بنت محمد (رضی اللہ عنہا) ہوتیں تو تب بھی یہ سزا جاری کی جاتی۔'' قومیں اور معاشرے تب تباہ ہوتے ہیں اور ظلم کا دوردورہ تب ہوتا ہے جب قانون کے مقابلے میں شخصیات کو ترجیح دی جائے اور لوگوں کی مادی، جاہی اور مالی حیثیتیں انصاف کی فراہمی اور قانون پر عمل داری کے لیے آڑ بن جائیں، قانون کو ان کیلئے توڑا جائے، قربان کیا جائے اور پامال کیا جائے، جیسا میں اور آپ یہ سب دیکھ رہے ہیں۔

قانون کی عملداری کا ایک عجیب واقعہ ہے۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مقدمہ (case) ہے۔قاضی شریح اس کے قاضی ہیں۔ بہت نامی گرامی قاضی گزرے ہیں۔ بڑے عالم اور بڑے سمجھدار آدمی تھے۔حضرت علیؓ کو کسی نے بتایا کہ آپ کی زرہ جو گم ہوگئی تھی وہ فلانے یہودی نے چرائی ہوئی ہے، اُس کے پاس ہے۔اُنھوں نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا کہ اس یہودی نے میری زرہ چرائی ہوئی ہے۔قاضی

File Adress:

نے کہا: ٹھیک ہے آپ اپنے گواہ لائیں۔ آپ نے اپنا ایک گواہ اپنے غلام قنبر اور اپنے ایک صاحبزادہ مبارک امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا۔ قاضی صاحب نے کہا: شریعت میں گواہی کے اُصول ہیں کہ بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں نہیں قبول کی جاتی۔ لہٰذا آپ کے گواہ شریعت کے اُصول کے مطابق نہیں۔ اُنھوں نے کہا: قاضی صاحب یہ تو سیدا شبابِ اھل الجنۃ ہیں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں وہ میرے گواہ ہیں۔ قاضی صاحب نے کہا: امیر المؤمنین! وہ آخرت کیلئے ہے۔ دنیا میں قانون کا ضابطہ یہی ہے۔ اس کے تحت اپنے بیٹے کے علاوہ گواہ پیش کریں۔ تو اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بس میرے پاس تو یہی دو گواہ ہیں۔ قاضی نے کہا: مقدمہ آپ کا خارج ہو گیا۔ بس جوں عدالت سے باہر نکلے تو باہر یہودی نے کلمہ پڑھا، مسلمان ہوا۔ اس نے کہا: جس قوم کے امیر المؤمنین اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف اس کا قاضی فیصلہ دے رہا ہو اور وہ اس کو تسلیم کر رہا ہو تو یہ قوم سوائے حق کے اور کس بات پر ہو سکتی ہے۔

ہمارے ہاں انتظامیہ عدلیہ کے آگے جوابدہ ہے۔ انتظامیہ عدلیہ کو نہیں بلا سکتی کہ میرے پاس آؤ۔ ہاں عدلیہ بلا سکتی ہے کہ آپ صدر ہیں یا وزیر اعظم ہیں آپ عدالت میں آئیں جواب دیں۔ اُس کو اختیار شریعت نے دیا ہے اور شریعت نے انتظامیہ کو اختیار نہیں دیا کہ وہ عدلیہ کو بلائے اور کہے کہ میری بات کا جواب دیں۔ اتنی قانون کی عملداری ہوئی ہے کہ خلیفہ کے خلاف عدالت نے فیصلہ دیا ہے اور اس کو کوئی روک نہیں سکا۔

بلکہ خلفاء نے اپنے آپ کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے خطبہ کے لیے تشریف لاتے ہیں تو ایک عام صحابی کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ ہم آپ کا خطبہ نہیں سنیں گے، پہلے آپ اس کی وضاحت کریں کہ مال غنیمت میں سب لوگوں کو ایک ایک چادر تقسیم ہوئی ہے، آپ کا لباس اسی کپڑے کا ہے حالانکہ وہ چادر اتنی نہ تھی کہ اس

File Adress:

سے آپ کے کپڑوں کا جوڑا بنتا تو آپ نے اضافی کپڑا کیسے لے لیا؟ حضرت عمرؓ نے اس پر اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو بلایا، انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے اپنے حصے کی چادر بھی والد صاحب کو ہدیہ دی ہے اس لیے ان کا لباس بن سکا ہے۔ بائیس لاکھ مربع میل کا حکمران، جس کے دبدبے سے روم وفارس کانپ رہے تھے، اپنی رعایا کے سامنے خود کو جواب دہ سمجھ رہا ہے۔

اب تیسری بات کیا ہے ضروری انسانوں کیلئے؟ اس کو آپ اپنے ذہن میں سوچیں اور جواب دیں۔ تیسری بات ہے معاشی آسودگی۔ کہ وہ نظام اس معاشرے کو معاشی لحاظ سے آسودہ کررہا ہو۔ اسلام کے ۱۴۲۹ سالوں میں ۱۳ سال مکہ مکرمہ کے فاقوں کے ہیں اور ٦ سال فتح خیبر تک۔ یہ ۱۳ اور ٦ یہ ۱۹ سال ہیں بس یہ تکلیف کے ہیں۔ باقی زندگی تو اتنی آسودہ، اتنی کروفر والی ہے کہ میں ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ آپ صحابہ کرامؓ کی ۱۹ سال کی قربانیاں بیان کرتے رہتے ہیں۔ تو میری طرح آدمی کہتا ہے کہ بہت اچھی بات تھی وہ بڑے بزرگ لوگ تھے۔ انھوں نے قربانی دی۔ بہرحال میں تو نہیں کرسکتا۔ مجھے تو کوئی فوائد ہوں تب میں قبول کروں گا۔ تو اس لیے اُن ۱۹ سال کے ساتھ باقی ساڑھے بارہ سو سال کو بھی بیان کرو۔

فتح خیبر کے بعد پھر فاقہ نہیں آیا اور دورِ فاروقی میں صحابہ لپیں بھر کے اور کٹورے بھر کے درہم اور دینار تقسیم کرتے تھے، گن کر نہیں دیتے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاشی آسودگی کی پیش گوئی فرمائی تھی۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ بن جعشمؓ سے فرمایا: اے سراقہ! میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ اُس وقت دو بڑے بلاک تھے، Roman Empire اور Persian Empire، کسریٰ فارس والے اور رومن اٹلی کی طرف والے تھے۔ سراقہ ہکا بکا رہ گیا کہ وہ فارس کے

File Adress:

بادشاہ کے ہاتھ والے کنگن؟ کہا: ہاں! اُس بادشاہ والے کنگن۔

خندق کھودنے کے موقع پر فرمایا کہ روم فتح ہوگا اور فارس فتح ہوگا اور حیرۂ یمن فتح ہوگا اور صحابہ کرامؓ سن رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے اور کفار اور مشرکین ہنس رہے تھے ۔منافقین کہہ رہے تھے کہ کھانے کیلئے تو کچھ ہے نہیں پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے ہیں اور پیغمبر اِن کا کہہ رہا ہے کہ روم فتح ہو رہا ہے، ایران فتح ہو رہا ہے اور حیرۂ یمن فتح ہو رہا ہے۔ یہ آپ نے پیشن گوئیاں فرمائیں اور 'البدایہ والنہایہ' میں لکھا ہے کہ یہ اسی ترتیب سے فتح ہوئے ہیں جس طرح آپ نے فرمایا ہوا ہے۔

ایک دفعہ آپ نے بیٹھے ہوئے فرمایا کہ تم فلانے شہر میں داخل ہو رہے ہو اور اُس کو فتح کر رہے ہو شاہی خاندان کے لوگ گرفتار ہو کر آ رہے ہیں، شیما بنتِ نفیلہ (اُس وقت کی مشہور شہزادی) سفید خچر پر کالی چادر اوڑھے ہوئے آ رہی ہے، یہ نہیں فرمایا کہ آ جائے گی بلکہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے ہیں آ رہی ہے۔ ایک سادہ سے صحابیؓ نے فرمایا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم اس شہر کو ایسے پائیں جیسے آپ فرما رہے ہیں تو کیا شیما میری ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! تیری ہوگی۔ پھر تاریخ نے وہ دور دیکھا کہ صحابہ کے قدم ان ایوانوں تک پہنچے، انہوں نے ان علاقوں کو فتح کیا اور شیما اسی صحابیؓ کے حصے میں آئی۔

سبحان اللہ! خیر جس وقت عمرِ فاروقؓ نے فارس کو فتح کیا ہے تو خزانے آئے اور مسجدِ نبوی میں ڈالے گئے۔ اُن کا وہ سونے کا گھوڑا جس پر کہ چاندی کی زین کسی ہوئی تھی، ایک ڈیکوریشن پیس تھا جو اُن کے دربار میں رکھا ہوتا تھا، ایک چاندنی کی اُونٹنی کہ جس پر سونے کا پالان پڑا ہوا تھا اور وہ صندوقچی جس میں اتنے ہیرے ہوتے ہیں کہ اُس کو اٹھا کر بادشاہ کسی جگہ جائے تو وہ شاہانہ زندگی گزار سکتا ہے اور کسریٰ کا تاج جو ڈیڑھ من کا بنا ہوا تھا اور اُس کو

File Adress:

تار کے ساتھ لگا کر نیچے سرا اُس کے ساتھ لگا کر رکھتا تھا۔ یہ سارے خزانے جب ڈالے گئے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسریٰ کے کنگن نکالو۔ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! اتنے ڈھیر میں سے کنگن کون نکالے گا؟ کہا: اِس میں ہیں نکالو۔ انہوں نے اس میں ڈھونڈے۔ کہا: نہیں ہیں۔ کہا: اِس میں ہیں۔ تلاش کر کے نکالے گئے کنگن نکل آئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: سراقہ کو بلاؤ، سراقہ کو لایا گیا! اُس کو آپ نے وہ کنگن پہنائے، بادشاہ کا وہ شاہی لباس پہنایا۔ بادشاہ کا عصا اُس کو ہاتھ میں دیا، سر پر تاج پہنایا، اِس کو کھڑا کیا: پھر فرمایا کہ اِس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اے سراقہ! میں تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں تو اِس بات کو پورا کرنے کیلئے میں نے یہ کیا ہے۔

دورِ عثمانی میں صبح منادی اعلان کرتا تھا کہ لوگو! بیت المال کی گندم اور غلہ خراب ہو رہے ہیں جلدی نکالو۔ عصر کو دوسرا منادی اعلان کرتا تھا کہ بیت المال کا شہد خراب ہو رہا ہے اسے جلدی نکالو۔ پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قانون بنایا کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے نماز کی طرح۔ خود نکالو اور خود تقسیم کرو کیونکہ اس کو لانا سنبھالنا رکھنا اس کو ذخیرہ (stock) کرنا یہ بہت مشکل کام ہے یہ ہم نہیں کر سکتے، یہ خود کرو۔ اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا دور جو آیا ہے اس میں تو اِس طرح ہوا ہے کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں تھا۔ اتنی معاشی آسودگی آئی ہے۔

لیکن صحابہ کرام ایسے ایمانی صفات سے مزین تھے کہ معاشی آسودگی کو انہوں نے ضروریات کی تکمیل تک ہی برتا اور اس میں ہرگز ایسے منہمک نہیں ہوئے کہ اللہ کے راستے کا جہاد چھوٹ جائے یا عبادت کی کوشش اور انہماک میں کمی آ جائے یا وہ اس مال کو، خیر خیرات کو چھوڑ کر تعیش و نمائش پر خرچ کرنے لگیں۔ صحابہ نے قیصر و کسریٰ کے محل ضرور فتح کیے لیکن اپنا تخت خلافت مسجد کی چٹائی ہی رکھی اور ان محلات کی طرف نگاہ تک نہ اٹھائی۔

File Adress:

میرے بھائیو دوستو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدوجہد کے یہ نتائج عالم انسانیت میں وجود میں آئے ہیں، ایک ہزار سال تک تو مسلمان دنیا کی غالب طاقت رہے ہیں اور ورلڈ آرڈر چلاتے رہے ہیں، ایک ہزار سال تک ساری دنیا آپ کی زیرنگوں رہی ہے اور آپ کی فوجیں اور آپ کے بحری بیڑے بحیرۂ روم میں اور سارے سمندروں میں چلتے رہے ہیں اور ساری دنیا کو حق وانصاف کا اور صلاح اور آشتی کا پیغام دیتے ہوئے ساری دنیا میں حق وانصاف کو قائم کرتے رہے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت خالد بن ولیدؓ کو مرکز سے حکم ہوا کہ اِس محاذ کو آپ خالی کر کے چلے جائیں اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے پاس رپورٹ کریں جب وہ جانے لگے تو جتنا ٹیکس اُس علاقے سے جزیہ کے طور پر لیا تھا اُس کو واپس کیا۔ جب واپس کرنے لگے تو لوگ آکر روئے اور کہنے لگے کہ خدا کیلئے آپ اِس علاقے کو خالی کر کے نہ جائیں کیونکہ ہم اپنی عزت، اپنی حیا، اپنا مال اور اپنی جانوں کو آپ کے ہاتھوں میں اپنے بادشاہوں سے زیادہ محفوظ پا رہے ہیں۔ یہ وہاں کی عوام کا مطالبہ تھا کیونکہ قرآن نے اِس بات کا وعدہ کیا تھا کہ جب وہ زندگی وجود میں آجائے گی تو اُس کے یہ نتائج ہوں گے۔

امت کے ساتھ آج بھی وعدہ ہے کہ ان کو وہ سارے نتائج مہیا ہوں گے جن سے اسلامی دنیا مستفید ہوتی رہی، بشرطیکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، تزکیہ اور جدوجہد کو تھام لے اور اس کو حاصل کرنے کی محنت میں لگ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زندگی کے تمام شعبوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع اور پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت یہی ہے کہ یہ ساری کائنات اور اس کے رنگ روپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس کا صدقہ ہے، بڑی بے حمیتی اور کم ہمتی ہے کہ ایسی محسن شخصیت اور ذات کی تعلیمات سے غفلت برتی جائے، یہ ایک دن میں حاصل ہونے والی بات نہیں، اس کے

File Adress:

لیے محنت ہے، مجاہدہ ہے، ایمان، تزکیہ اور اعمال والی زندگی اختیار کرنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات اور تعلیمات سے جس قدر تعلق بڑھتا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے تعلق کی منزلیں آسان ہوتی جاتی ہیں کوئی کر کے اور برت کے تو دیکھ لے۔

وہ ذات مقدس خود جویائے محبت ہے
پھر دیکھ تو لے کر کے ان سے کوئی یارانہ

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

File Adress:

نظام ہائے معیشت و ہدایت

اور

صراط مستقیم

File Adress:

زندگی کے اس سفر میں نظام معیشت کو برتنے کی جو ضرورت ہے اگراس میں انسان کی رہنمائی علوم وحی سے نہ ہوتو یہ اپنے نفس کی خواہشات کے تحت چلے گا۔ دنیا کے وسائل کو سمیٹنے کیلئے، ان کو جمع کرنے کیلئے اُن پر لڑے گا، مرے گا، فسادات کرے گا، پریشانیاں پیدا کرے گا، اپنی زندگی کو بھی جہنم بنائے گا اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی جہنم بنائے گا۔ جب اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کے بتلائی ہوئی ہدایات کے مطابق برتا جائے تو بندگی کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور انسان کامیابی، سکون، چین اور عافیت کے ساتھ دنیوی اور اخروی فوائد سمیٹتا ہے، خود بھی کامیاب ہوتا ہے اور دوسرے انسانوں کے لیے بھی راحت پیدا کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نظامِ ہدایت چلایا اور اس کیلئے انبیاء علیہم السلام جیسی معیاری شخصیات کو بھیجا، جنھوں نے اپنی پیش کردہ تعلیمات کا عملی نمونہ دکھایا اور اس کے سو فیصد نتائج حاصل کر کے دنیا کے سامنے رکھے۔انسان کی دنیوی واخروی کامیابی، آسودگی اور نجات اسی میں ہے کہ وہ نظام ہدایت کو تھام لے اور اسی کی روشنی میں اپنے نظام معیشت کو لے کر چلے۔

File Adress:

خطبۂ ماثورہ!

قَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ: وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْن٥ (الانبیاء: ۱۰۷)

ترجمہ: اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن٥ (الذّٰریٰت: ۵۶)

ترجمہ: اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو۔

وَقَالَ اللّٰہُ تَعالیٰ: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا۔ اَحْیَاءً وَّ اَمْوَاتًا۔ (مرسلٰت: ۲۶،۲۵)

کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی زندوں کو اور مردوں کو۔

یہ ایک آیت جو میں نے پڑھی اِس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو صرف ایک مقصد کیلئے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد عبادت ہے۔ عبادت دو قسم کی ہے: ایک براہِ راست (Direct) عبادت اور ایک (Indirect) یعنی بالواسطہ عبادت۔

براہ راست عبادات

براہِ راست عبادت نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد، تلاوت، ذکر، مراقبہ، اعتکاف، خدمتِ خلق اور دعا ہیں۔ جہاد ذرا وسیع معنیٰ میں ہے جہاد میں دین کے فروغ اور حفاظت کی ساری کوششیں ہیں جس سے دین کا فروغ اور دین کو ترقی ہو رہی ہو، اسی طرح وہ کاوشیں جن سے دین پر اہل باطل کے اعتراضات کا جواب دیا جا رہا ہو اور دین کا دفاع کیا جا رہا ہو ان سب کو جہاد کہتے ہیں۔ اس کا ایک شعبہ قتال بھی ہے یعنی حق کے لیے لڑنا۔ یہ نظام جہاد کا ایک شعبہ ہے۔ تو یہ عبادت کس نے کرنی ہے؟ یہ انسان نے کرنی ہے۔

File Adress:

بقائے انسانی کی کوشش بالواسطہ عبادت

عبادت کی دوسری صورت بالواسطہ عبادت کی ہے۔ براہ راست عبادت کی انجام دہی کے لیے انسان کو دو باتوں کی ضرورت پیش آتی ہے، ایک اِس بات کی کہ اِس کی ذات باقی رہے جس کو بقائے ذاتی کہتے ہیں اور دوسری اس بات کی ضرورت ہے کہ اِس کی نسل باقی رہے، اسے کہتے بقائے نوعی ہیں۔ بقائے ذاتی کی بھی اس کو ضرورت ہے اور بقائے نوعی کی بھی اس کو ضرورت ہے۔ اس کے مجموعہ کو ہم بقائے انسانی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ بقائے ذاتی کھانے پینے پر موقوف ہے، لہٰذا کھانے پینے کی جتنی کوششیں ہیں، جتنے ذرائع معیشت ہیں، یہ سارے کے سارے Indirect بالواسطہ عبادت میں آ گئے۔ یہ بالواسطہ عبادت ہیں کیونکہ یہ انسان کو زندہ رکھنے کیلئے 'جس نے عبادت کرنی ہے' ضروری ہیں، لہٰذا یہ بھی عبادت ہیں۔ بقائے نوعی کیسے ہوگی؟ بقائے نوعی انسان کی تب ہوگی جب اِس کے اندر بیاہ شادی کا سلسلہ چلے گا تا کہ اِس کی نسل بھی باقی رہے، یہ بھی بالواسطہ یعنی اِن ڈائریکٹ عبادت ہوگی۔

بقائے نوعی اور بقائے ذاتی کے سارے اعمال جس وقت وجود میں آتے ہیں اُس سے پورا نظامِ زندگی اور تہذیب وتمدن وجود میں آجاتا ہے۔ کاروبار ہے، زراعت ہے، بازار ہے، لباس کا حصول ہے، گھر کی تعمیر ہے۔ انسان اکٹھے رہ رہے ہیں لہٰذا اِن انسانوں کو حفاظت کی بھی ضرورت ہے، اس کے لئے پولیس چاہیے، اِن انسانوں کے باہم جھگڑے ہوں گے، اِن کو عدالت کی بھی ضرورت ہے، یہ انسان بیمار ہوں گے، اِن کو علاج کی بھی ضرورت ہے، انہیں ضروریات زندگی کی منظم اور مکمل فراہمی کے لیے صنعت وحرفت اور حکومت کی ضرورت ہے، اِن انسانوں کے بیرونی دشمن ہوں گے، اِن کو تحفظ اور دفاع کے لیے فوج کی بھی ضرورت ہے، غرض یہ کہ زندگی کے سارے شعبے وجود میں آ گئے۔ اگر ان

File Adress:

تمام باتوں کو براہِ راست عبادت کے قیام کے لیے بطور وسیلہ اور ضرورت برتا جائے اور اس میں دوسرا کوئی مقصد پیش نظر نہ ہوتو براہِ راست عبادت کے قیام کے لیے موقوف علیہ ہونے کی وجہ سے ان میں بھی عبادت کی شان اور عبادت کا رنگ پیدا ہوجائے گا اور یہ ساری باتیں بالواسطہ عبادت ہوں گی۔ گویا براہ راست عبادت اور بالواسطہ عبادت کو ملا کر یہ بات سامنے آئی کہ: مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوائے اِس مقصد کے کسی اور مقصد کیلئے پیدا نہیں کیا کہ یہ عبادت کرے۔

اب اِس مقصد کے بارے میں انسان کو رہنمائی کی ضرورت تھی اِس کی بقاء ذاتی اور بقاء نوعی کیلئے بھی جو کہ بالواسطہ عبادت ہیں اور براہِ راست عبادت کیلئے بھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو اِس سلسلے میں دو نظام دیئے ہیں: ایک نظامِ معیشت، اور دوسرا نظامِ ہدایت۔

بقاء انسانی کے لیے نظام معیشت

معیشت کا نظام کیا ہے؟ اس بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًاO اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًاO (مرسلٰت: ۲۶،۲۵)

ترجمہ: کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی زندوں کو اور مُردوں کو۔

اے انسانو! کیا میں نے زمین کو سب زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا۔ یعنی زندہ اور مردہ انسانوں کی جتنی ضروریات ہیں اُن سب کے پورا کرنے کی استعداد اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کے اندر رکھ دی اور ایک بار پیدا کر کے قیامت تک کے سارے زندہ مردہ انسانوں کیلئے کافی کر دیا کہ زمین انسان کی ساری ضروریات کو پورا کرے گی۔ اِس کی کوئی ضرورت چاند کے ساتھ متعلق نہیں ہے، مریخ کے ساتھ متعلق نہیں ہے، لہٰذا جتنی کوششیں چاند اور مریخ پر پہنچنے کی ہوئیں اُن کے نتیجے میں انسان کو اپنے مقصد کی کوئی چیز وہاں سے

File Adress:

نہیں ملی۔ اِس کی ساری ضروریات کوقرآن پاک بتارہا ہے زمین نے پورا کرنا ہے،خواہ وہ زندوں کی ضرورت ہے،خواہ وہ مردوں کی ضرورت ہے۔ یہ اللہ پاک نے نظامِ معیشت بنا کرانسان کودے دیا۔

تحصیل معاش کی خداداداستعداد

پھرانسان کوزمین کی کھوکھ سے اپنی ضروریات کےحصول کے لیےعلم وعقل کی قوت دے دی اورانسان میں ایسی استعداد رکھ دی کہ قیامت کی صبح تک اس استعداد سے کام لےکر ہرزمانے میں زمین سے اپنی ضروریات برآمدکرے گا۔اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ (البقرہ:۳۱)

''آدم کواللہ پاک نے ساری چیزوں کے نام سکھائے۔''

ہمارے شیخ ومربی حضرت مولانا محمد اشرف صاحب سلیمانیؒ جن سے ہم نے یہ علم سیکھا، وہ فرماتے تھے کہ حضرت آدم علیہ السلام کومحض چیزوں کے نام ہی نہیں سکھائے گئے کہ یہ شہتوت ہے، یہ بکائن ہے، یہ شیشم ہے یہ فلاں ہے، یہ فلاں ہے!! بلکہ اللہ نے ان کی عقل میں ان چیزوں کے تمام تر خواص، ان سے حاصل ہونے والے فوائدوثمرات ،ان کےمختلف استعمالات،ان کےنتائج اوران میں جوڑتوڑ کرکے ان سے نئی چیزوں کی یافت اوران سے اپنی ساری ضروریات کو پورا کرنے کی صلاحیت اوراستعدادرکھ دی اور پھر یہ استعداد ان سےنسل انسانی میں منتقل ہوتی رہی۔ یہ وہ علم تھا جوانسان کواللہ تعالیٰ نے دے دیا جس کے نتیجے میں انسان اِن چیزوں سے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے فائدہ لیتارہا،اس نے زمین کے ذرے ذرے پرتحقیق کرکے اس کے جوفوائدسمیٹے اوران سے ڈھیروں ایجادات کرکے اپنی زندگی کوآسودہ کیااوراپنے لیے آسائش وسہولت کے ذرائع بہم پہنچائے یہ اسی علم الاشیاء کی برکت تھی جوحضرت آدم علیہ السلام کوودیعت کیا گیا تھا۔

File Adress:

زمینی خزائن تا قیامت کافی ہیں

انسان لکڑیاں جلاتا تھا وہ ناکافی ہونے لگیں تو کوئلہ نکلا، کوئلہ نکال رہا تھا اُس کو جلا رہا تھا وہ ختم ہونے کو ہوا تو پیٹرولیم نکلا، پیٹرولیم کے بارے میں رپورٹ ہے کہ وہ اتنا عرصہ چلے گی اور اِس کے بعد اِس کا خاتمہ ہونا ہے تو توانائی کی ضرورت Atomic energy سے پوری ہوگی۔

میں نے اپنے کینڈا کے ایک دوست سے' جو Atomic energy میں کام کرتا تھا' پوچھا کہ کبھی ممکن ہے کہ ایٹمی توانائی ہمارے اتنے قابو میں آجائے کہ ہم اُس کو اپنے گھر کے چولہے میں استعمال کرسکیں۔ اُس نے کہا: فی الحال یہ ممکن نہیں ہے لیکن یہ ہوجائے گا کہ آدمی پورے مہینے کے لئے تیس گولیوں کا ایک لفافہ لے کر آئے اور تیس دن وہ توانائی کے سارے کاموں کیلئے کافی ہو، یہ ممکن ہے۔

جس وقت انسانوں کی آبادی تھوڑی تھی ، غذائی چیزیں بھی تھوڑی تھیں، جب آبادی زیادہ ہوگئی، اب منوں کے حساب سے، ٹنوں کے حساب سے مرغیاں ہیں۔ ٹریکٹر زمینوں کو کاٹتے ہیں، گندم کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں۔ امریکہ اپنی گندم کو سمندر میں گرا رہا ہے، نیسلے کمپنی اپنی اضافی خوراک کی چیزوں کو سمندر میں گرا رہی ہے۔ نیسلے والوں سے کہا گیا کہ آپ سمندر میں گرانے کی جگہ اِس کو غریب لوگوں میں تقسیم کردیں۔ یہ یہودیوں کی کمپنی ہے یہودی سوچ کے مطابق اُس نے کہا: تقسیم تو ہم کردیں اچھی بات ہے لیکن اِس سے ہماری قیمتیں خراب ہوجائیں گی۔

کھانے کی چیزیں آبادی زیادہ ہونے کے ساتھ اتنی زیادہ ہوگئیں کہ اب زائد Surplus ہوکر سمندر میں پھینکی جارہی ہے تو یہ وہ زمین کی استعداد ہے جو اِنسان کی مالی ضرورتوں کو، اِس کی معاشی ضرورتوں کو پورا کررہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسانی معیشت کے

File Adress:

سارے وسائل اور خزانے اور انسانی ایجادات اور دریافتوں کے سارے منبع اور ماخذ اللہ تعالیٰ نے زمین سے جوڑ دیئے اور اللہ تعالیٰ نے زمین کو صلاحیت دے دی کہ یہ اِنسان کی ضروریات کیلئے قیامت تک کفایت کرتی رہے گی۔

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کا نظام ہدایت

یہ پہلا نظام جس کا میں نے تذکرہ کیا اِس کو نظامِ تکوین کہتے ہیں۔ اب صرف معاشی ضروریات، مادی اشیاء یہ چیزیں انسان کیلئے کافی نہیں ہے کیونکہ اگر انسان بگڑا ہوا ہو، یہ ظلم والا ہو، جھوٹ والا ہو، فریب والا ہو، دھوکے والا ہو، قتل وغارت گری والا ہو اور اِس کے پاس ساری دنیا کی چیزیں ہوں تب بھی یہ اپنی زندگی کو جہنم بناتا ہے اور دوسروں کی زندگی کو بھی جہنم بنالیتا ہے۔ چنانچہ آج زمین کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو سب سے زیادہ ظلم اِس وقت امریکہ کر رہا ہے حالانکہ اُس کے پاس سب سے زیادہ مادی وسائل ہیں۔ تو گویا انسان کی ضروریات صرف مادی نہیں تھیں، اِس کی ضروریات روحانی بھی تھیں اُس کیلئے اللہ پاک نے دوسرا نظام بنایا ہے جس کو قرآن نے نظامِ ہدایت کہا ہے، اسی کو تشریعی نظام بھی کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (البقرہ:۳۸)

’’تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی تو جس کسی نے اُس ہدایت کی پیروی کی اُس کو نہ غم ہوگا نہ اُس کو خوف ہوگا۔‘‘

یعنی ہدایت کے نظام کے بارے میں نشاندہی کی گئی کہ تمہارے پاس مسلسل آسمان کی طرف سے ایک ہدایت اور رہنمائی آتی رہے گی جس نے اُس کا اتباع کیا تو پورا کامیاب وہ ہوگا اُس کو غم اور خوف نہیں ہوگا۔ یہ ہدایت کا نظام مسلسل ہے اور ہدایت کا نظام

File Adress:

پیغمبروں کی شکل میں انسانوں کی طرف آیا ہے، ہر دور میں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام آئے، انسانیت ارتقا کرتی گئی، کرتی گئی، ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ جب انسانیت کا ارتقا مکمل ہوا تو انسانوں کیلئے آخری پیغام اور آخری پیغمبر آ گئے جو انسان کی باقی زندگی جتنی زمین پر ہے اُس کیلئے کافی ہے۔ تو گویا ہدایت کے نظام کو تکوینی نظام کے مقابلے میں زیادہ اہتمام کے ساتھ، زیادہ منظم طریقے سے اور زیادہ کامل کر کے انسانوں کو دیا گیا اور اُس کیلئے انبیاء علیہم السلام آئے۔ ان کے مابین ہزاروں میل کا مکانی فاصلہ ہے۔ سینکڑوں ہزاروں سالوں کا زمانی فاصلہ ہے، ایک دوسروں کے درمیان زبان کا فرق ہے۔ Difference of language, difference of time and difference of space. لیکن تعلیمات سارے کے سارے انبیاء کی بالکل ایک طرح ہیں، اُن میں ذرا فرق نہیں آرہا ہے، ملتی جلتی ہیں، یہ اِس بات کی علامت ہے کہ یہ سارے حق پر تھے۔

ہماری پشاور یونیورسٹی میں ایک ٹیچر کلب ہوتا تھا اُس میں ایک دفعہ رات کو مکالمہ Discussion ہوا۔ ایک پروفیسر صاحب دوسرے سے کہتا ہے: کیا سارے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے آئے ہیں؟ دوسرے نے کہا: جی ہاں۔ پہلا پروفیسر جو کمیونسٹ تھا اس نے پشتو میں کہا کہ ''یارا ڈیرا وخیاران وو'' کہ بڑے ہوشیار تھے سب نے اپنی لیڈر شپ قائم کی ہوئی تھی اور لوگوں کو اپنا تابع فرمان بنایا ہوا تھا اور اپنے پیچھے چلا رہے تھے۔ گویا اُس کا خیال تھا کہ دین کے نام پر استحصال Exploitation کر کے اپنی لیڈر شپ قائم کر کے سادہ لوح لوگوں کو اپنے پیچھے چلا رہے تھے۔ اس Discussion کے ایک ممبر نے صبح آ کر مجھ سے سوال کیا کہ حاجی صاحب یہ سارے پیغمبر ایک ہی ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے آئے ہوئے ہیں یہ تو کوئی نعوذ باﷲ Exploitation نظر آ رہی ہے۔ میں نے کہا کہ اِس کا تو بہت آسان جواب ہے کہ

File Adress:

آدمی اپنی لیڈرشپ قائم کرتا ہے تو مفادات کیلئے ، اب ایک آدمی ایسا ہے جو سارے مفادات سے بالاتر ہوکر ایک تحریک کو چلا رہا ہے کام کو آگے بڑھا رہا ہے اور اُس کے نتیجے میں اپنے لئے ایک پیسہ بھی حاصل نہیں کر رہا بلکہ اپنے وسائل جو اُس کے پاس ہیں وہ سب کو خرچ کر کے اُس چیز کو آگے بڑھا رہا ہے اور اپنے لئے کچھ حاصل نہیں کر رہا ہے تو کیا کوئی سمجھدار آدمی جو اُس معاشرے کا سب سے بہترین آدمی ہو وہ کوئی اتنا بیوقوف ہوسکتا ہے کہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشانی میں ڈال رہا ہو؟

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے ہوئی، اُس وقت مکہ مکرمہ کی جتنی مالیت تھی، مثلاً فرض کریں اگر ایک ارب روپیہ مکہ مکرمہ کی مارکیٹ میں تھا تو اُس کے آدھے کی مالکہ اکیلی خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اتنی بڑی اِن کی تجارت تھی کہ سارے مکہ کی آدھی مالیت اُن کی تھی۔ آپ کو نبوت ملنے کے بعد تیرہ نبوی میں آپ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت کی ہے۔ تیرہ سال میں وہ ساری کی ساری دولت تبلیغی کام پر خرچ ہوچکی تھی اور اُس وقت آپ کا ایسا حال ہو چکا تھا کہ آپ کو سفر کیلئے اُونٹنی قرض لینا پڑی کہ سارے کا سارا مال آپ کا دین کے پھیلانے کیلئے خرچ ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب آدمی کوئی تحریک چلاتا ہے اِس میں آنے والے ساتھیوں کا خرچ اخراجات، جتنے غریب غلام اسلام قبول کرتے اُن کو آزاد کرانا، آنے والے لوگوں کو کھانا کھلانا، اُن کی ضروریات کو پورا کرنا اُن کی ساری چیزوں کی دیکھ بھال کرنا، اُس پر آپ کا یہ پیسہ لگا ہے تو اِس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قرآنِ پاک کی آیت یہ کہہ رہی ہے:

يَاقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ (ھود:۲۹)

اے قوم! میں تم سے اِس کے بارے میں کوئی مال نہیں چاہتا اِس کا اجر وثواب تو مجھے اللہ نے دینا ہے۔

File Adress:

یہ سارے پیغمبروں کی سیرت کا ایک بنیادی اصول ہے اور سارے پیغمبروں کی سیرت میں یہ ایک نمایاں بات ہے کہ سارے کام اور ساری کارکردگی کے نتیجے میں انہوں نے اپنے لئے اور اپنے خاندان کیلئے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ اِس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت تک بنی ہاشم زکوٰۃ نہیں لے سکتے۔ بنی ہاشم پر زکوٰۃ منع کی گئی ہے تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اِس دین سے مالی فائدہ حاصل کرنے کیلئے بنی ہاشم آگے نہ بڑھیں۔ اِس لئے ابھی بھی ایک مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ فقط اضطرار کی حالت میں دی جاسکتی ہے۔ اضطرار اِس کو کہتے ہیں کہ اگر آپ اُس کو نہ دیں تو اُس کی زندگی خطرے میں ہوگی اور وہ مرجائے گا۔ ایسا حادثہ کرکے بنی ہاشم کا کوئی آدمی آیا ہوا ہے تو اُس کے علاج کیلئے آپ پیسے نہ دیں اُس کے اپنے آدمی کے پہنچنے تک موت واقع ہوگی، ایسی بھوک میں ہے کہ اُس کی موت واقع ہوجائے گی اِس وقت آپ اِس کو دے رہے ہیں۔ اضطرار کی حالت میں دے رہے ہیں ورنہ عام زندگی میں بنی ہاشم کیلئے زکوٰۃ لینا بند ہے تا کہ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا خاندان اِس دین سے کوئی فائدہ حاصل کرنے کی توقع نہ رکھے۔ یہ ایک ایسا اُن کی حقانیت کو ثابت کرنے والا اُصول ہے کہ جس کے آگے سارا فلسفہ، ساری دانشوری اور ساری منطق شکست کھا جاتی ہے اور اُس کا کوئی جواب نہیں لاسکتا۔

اِس لیے قرآنِ پاک کی آیت نے کہا ہے: لَعَمْرُکَ۔ اے پیغمبر! آپ کی سیرت اور آپ کی زندگی کی قسم۔ خدا جب کسی بات کو بہت پکا کر کے کہنا چاہے تو پہلے قسم کھاتا ہے اور قسم ایسی بات کی ہوتی جس کا جواب انسان نہ لاسکتا ہو تو اِس میں آپ کی زندگی کی قسم قرآن اُٹھا رہا ہے یعنی آپ کی سیرت اور آپ کی زندگی کو ہم اِن کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہوئے اِس بات کو کہتے ہیں۔ اِس لئے کہ آپ کی زندگی ایک ایسے معیار اور ایک ایسے نمونہ پر ہے کہ اگر آپ کفار کے ملک میں جائیں اور کسی سے بحث کریں تو جنہوں آپ

File Adress:

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے وہ کہیں گے کہ ہم خدا کو مانیں یا نہ مانیں، قرآن پر اعتبار کریں یا نہ کریں لیکن جہاں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کی سیرت ہے وہ تو لا جواب ہے اور وہ تو بذاتِ خود حق کی دلیل ہے اور اُس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

ایک عیسائی مصنف نے ''۱۰۰ بڑے آدمی'' کتاب لکھی ہے، اُس میں اُس نے یہ کہا تھا کہ میں یہ کتاب اِس اُصول پر لکھوں گا کہ کس انسان نے سب سے زیادہ انسانوں کو متاثر کیا اور کس انسان سے سب سے زیادہ انسانوں کو فائدہ پہنچا۔ اِن دو اُصولوں پر میں شخصیات کی درجہ بندی (Categorize) کر کے لکھوں گا تو اُس کافر مصنف نے پہلے نمبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا ہے، نمبر دو پر اُس نے نیوٹن کو لکھا ہے اور نمبر پانچ پر اُس نے اپنے پیغمبر حضرت عیسٰی علیہ السلام کو لکھا ہے یعنی یہ اُس کافر کی زبان سے شہادت ہے کہ سب سے زیادہ جس شخصیت نے تاریخِ انسانیت کو متاثر کیا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے اور سب سے زیادہ جس سے انسانوں کو فائدہ پہنچا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ہے۔

کوئی پیغمبر جب معاشرے میں اپنی نبوت کا دعویٰ کرتا تھا تو اُس کے پاس اِس بات کا ثبوت ہوتا تھا کہ وہ اُس علاقے کے سب سے بہترین اور معزز خاندان میں سے ہوتا تھا، وہ صحت کے لحاظ سے اُس معاشرے میں سب سے صحت مند انسان ہوتا تھا۔ سب سے خوبصورت ترین انسان ہوتا تھا اور فہم و فراست اور I.Q کے لحاظ سے پہلے نمبر کی شخصیت ہوتا تھا۔ یعنی کسی معاشرے میں، کسی پیغمبر نے جب نبوت کا دعویٰ کیا ہے کوئی آدمی یہ نہ کہہ سکا کہ یہ خاندانی شرافت کے لحاظ سے، بدنی وجاہت کے لحاظ سے اور ذہنی استعداد کے لحاظ سے کمتر ہے یا ہم سے پیچھے ہے اور ہم اس سے بڑھ کر ہیں۔ صرف دو اعتراضات قرآن پاک میں آتے ہیں۔ ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے کیا ہے کہ مالدار خاندان سے

File Adress:

نہیں ہے۔ طائف یا مکہ کے کسی مالدار خاندان کا آدمی نبی ہوا ہوتا۔ دوسرا جس وقت طالوتؑ کو بادشاہ بنایا گیا اُس وقت بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ مالدار خاندان سے نہیں ہے تو اُس کا جواب اللہ نے دیا ہے کہ:

وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ۔(البقرہ:۲۴۷)

ترجمہ: اور زیادہ فراخی دی اُس کو علم اور جسم میں۔

طالوت بنی اسرائیل کے درمیان جسمانی اور علمی استعداد کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھا۔ قیادت میں جسمانی قوت اور علمی گہرائی کی ضرورت ہوتی ہے، مال اِس کے تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا انبیاء اپنے معاشرے کے ہر لحاظ سے انتہائی کامل شخصیات ہوا کرتے تھے اور پھر انبیاء علیہم السلام اپنے ذاتی علم سے نہیں بلکہ وحی کے علم سے رہنمائی کرتے تھے۔

انبیاء کرام کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں جن میں سے پانچ اُولوالعزم پیغمبر ہیں، تین سو تیرہ رسول ہیں اور باقی نبی ہیں۔ رسول اُس کو کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آتا ہے، نبی اُس کو کہتے ہیں جو پہلے سے ہی چلی ہوئی شریعت کو لے کر چلتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی تورات پر ستر ہزار پیغمبر آئے ہیں جنہوں نے تورات کو بطورِ شریعت کے چلایا ہے۔ تورات کافی عرصہ تک چلتی رہی۔ ۳۱۳ رسول ہیں جن میں سے پانچ اُولوالعزم پیغمبر (۱) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۳) حضرت نوح علیہ السلام (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور (۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور باقی تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں۔ معراج میں مسجد اقصیٰ میں سب انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے جمع فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امامت کروا کر اِس بات کا اعلان کیا گیا کہ آپ سب انبیاء کرام کے امام ہیں اور علمی و عملی اور روحانی و جسمانی کمالات کا درجہ اول جو گروہِ انبیاء میں اگر کسی کو ملنا تھا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں آیا۔

File Adress:

صراطِ مستقیم کیا ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کے بارے میں جونشاندہی سورہ فاتحہ میں کی ہے۔ اُس میں بتایا ہے کہ انسان کو رہنمائی کیلئے جس چیز کی ضرورت ہے اُس کو صراطِ مستقیم کہتے ہیں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہم سورۃ فاتحہ میں پڑھتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر چلانے کی درخواست ہے۔ انسان کو رہنمائی کیلئے صراطِ مستقیم (صحیح راستے) کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد قرآن نے صراطِ مستقیم کو واضح (Define) کیا ہے کہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ صراطِ مستقیم کو قرآن نے دو رُخوں پر واضح کیا ہے، یعنی صراطِ مستقیم دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے: ایک رجال اللہ، دوسرا کتاب اللہ۔ رجال اللہ یعنی 'اللہ کے بندے' جو صراطِ مستقیم کیلئے معیاری شخصیات ہوں گی جن کو دیکھ کر یہ پتہ چلے گا کہ یہ صراطِ مستقیم والا آدمی ہے وہ رجال اللہ ہیں۔ رجال اللہ اللہ تعالیٰ کی وہ انعام یافتہ شخصیات ہیں جن کا تعارف اللہ تعالی نے خود قرآن مجید میں کرایا ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔ (نساء:٦٩)

"اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے وہ ہوں ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔ انبیاء میں سے، صدیقین میں سے، شہداء میں سے اور نیکوکاروں میں سے۔"

رجال اللہ کی فہرست میں پہلے نمبر پر انبیاء کرام معیار ہیں، پھر صدیق جو ولایت کے اونچے منصب پر فائز ہوتے ہیں اور نبوت کی تعلیمات وانوارات کا سب سے بڑا حصہ انہیں ملا ہوتا ہے، پھر شہداء جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کٹ گئے ہوں، مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں شہید کا ایک دوسرا معنی بھی لکھا ہے کہ اس سے مراد وہ اولیاء ہیں

File Adress:

جنہیں ذات حق کے انوارحسن کا مشاہدہ بعید حاصل ہو، انبیاء کرام کے ہاں ان انوارحسن کا مشاہدہ عینی ہوتا ہے،صدیقین کا مشاہدہ قریب ہوتا ہے اورشہداء کا مشاہدہ بعید۔اس کے بعد عام اہل اللہ ہیں جنہیں ظاہری باطنی شریعت کی پابندی حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سب سے چوٹی پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، آپ کی حیات طیبہ اسوہ حسنہ یعنی بہترین نمونہ ہے،جس کا ہر فعل، ہر قول، ہر ادا امت کے لیے دین ہے۔الغرض صراط مستقیم کی پہلی کسوٹی رجال اللہ کوقرار دیا گیا ہے۔

صراط مستقیم کی دوسری شق کتاب اللہ ہے،ارشاد خداوندی ہے:

ذَالِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔(البقرہ:۲)

ترجمہ: یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

گویا وہ علم جس کا ریکارڈ کتاب میں ہوگا اُس کی عملی تصویر اُن شخصیات میں ہوگی۔ شخصیات کو پہلے ذکر کیا گیا کتاب کو بعد میں ذکر کیا گیا۔ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ۔(صف:۹)

ترجمہ: وہی جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین دے کر کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں پر۔

اللہ وہ ہے جس نے بھیجا رسول......رسول پہلے ہے، پھر اس کے بعد بالھدٰی یعنی ہدایت اور دین حق اور اُس کے بعد کتاب ہے۔پیغمبر آتا ہے، محنت کرتا ہے، اُس سے ہدایت وجود میں آتی ہے پھر کتاب کو سمجھنا وجود میں آتا ہے۔

علم کے فوائد کا حصول عملی شخصیت کے بغیر ناممکن ہے

عملی شخصیت کو پہلے ذکر کیا گیا کیونکہ عملی شخصیت کے بغیر کوئی علم بھی فائدہ نہیں دیتا ہے۔آپ Theoratically بہت کچھ پڑھ لیں۔ایک بجلی کا کنکشن آپ کتاب میں

File Adress:

پڑھ کر آتے ہیں اور آنے کے بعد جب سرکٹ کو وہاں پر مکمل (Complete) کرتے ہیں کرنٹ اُس میں پاس کرتے ہیں پاس نہیں ہوتی، پھر اُٹھ کر دوڑ کر ٹیچر کو بلا کر لاتے ہیں۔ تو وہ ہنستا ہنستا آتا ہے اُس کو پتہ ہوتا ہے کہ اِس نے کیا غلطی کی ہوئی ہے اُس کو پتہ ہے کہ اِس نے دس نٹ میں سے ایک کو لوز چھوڑا ہوا ہے لہٰذا وہ کرنٹ آگے جانے نہیں دیتا وہ سب کو آ کر ہاتھ لگاتا ہے جو لوز اُس کو نظر آتا ہے اس کو ٹائٹ کرتا ہے، پھر کہتا ہے: چلو اب کرنٹ پاس! طالب علم پوچھتا ہے: سر یہ کیا بات تھی؟ تو پھر اُس کو راز بتاتا ہے۔ لہٰذا عملی شخصیت پہلے ہے کیونکہ وہ شخصیت علم کی تشریح کر کے دے گی، وہ شخصیت آپ کو بتائے گی کہ اس کی پریکٹیکل اپلیکیشن (Practical Application) کیا ہے۔ مجھے یاد ہے میں سرجری میں کام کر رہا تھا اور میں پراسٹیٹ (Prostate) کا آپریشن سیکھنا چاہتا تھا، میرا کنسلنٹ اس بارے میں ذرا کنجوس تھا۔ خیر میں نے بڑے دن اُس کی خدمت کی، خوش کیا۔ ایک دن میں نے کہا کہ سر یہ پراسٹیٹ کیسے نکالتے ہیں؟ اُس نے کہا: یہ تو کوئی بات بھی نہیں ہے! مثانے کے پاس سخت ہڈی ہے اُس میں آدمی انگلی ڈال کر پراسٹیٹ گلینڈ پر زور ڈالتا ہے تو پھٹ جاتا ہے، پھر انگلی کو گھماتا ہے جدا ہو جاتا ہے، پھر نکال لیتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا: یا اللہ! ایسے ہی تین مہینے آپ نے مجھے لٹکائے رکھا، یہ تو عملی طریقہ کی تفصیل سامنے پر اندازہ ہوا کہ کچھ مشکل نہیں۔

سناتن دھرم کی ناکامی کی وجہ

عملی شخصیت کی اہمیت پر ایک عجیب واقعہ آپ کو سناتا ہوں، حضرت سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ میں کیپ ٹاؤن سے ہندوستان کی طرف ایک بحری جہاز کا سفر کر رہا تھا مجھے پتہ چلا کہ اس جہاز میں رابندر ناتھ ٹیگور بھی سفر کر رہا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور بنگلہ دیش کا ایک ہندو شاعر ہے جس کو اپنی بنگلہ زبان کی نظم ''گیتا جلی'' پر نوبل پرائز ملا ہوا ہے۔ اب

File Adress:

نوبل پرائز لینے والا شاعر......اُس کی دانشوری کو آپ سوچیں کس درجے کی ہوگی ۔سید سلیمان ندویؒ کا شوق تھا کہ اس سے ملنا چاہئے ۔اُس سے جب ملے تو سوال کیا کہ آپ نے ہندومت کو Amendment کر کے اور تبدیلی کر کے سناتن دھرم کی جگہ برہموسماج کی شکل میں پیش کیا تھا اس کی کیا وجہ تھی؟ کیونکہ جب صنعتی انقلاب آ گیا اور جدید سائنس وجود میں آ گئی تو اُس وقت ہندوؤں کو خیال ہوا کہ ہمارا مذہب جس میں گائے کا پیشاب پینا اور گائے کے گوبر سے جگہ کو پاک کرنا ،گائے کا گوبر زمین پر ملوتا کہ زمین پوتر (پاک) ہو جائے یا گائے بوڑھی ہوجائے تو اس کو چھوڑ دو جس کھیت میں جائے اور کھائے ۔یا کوئی ہاسٹل بناؤ'' گاؤ شالہ'' گائیوں کا ہاسٹل، وہ گائیوں کے رہنے کی جگہ ہوتی ہے کیونکہ گائے بوڑھی ہوچکی ہے ۔یہاں کوئی خیرات کرتا ہے تو دیگ پکاتا ہے جب کہ ہندوستان کی خیرات ان بوڑھی گائیوں کو چارا ڈالنا ہے اور عورت کا خاوند مر جائے اُس کو ستی کرانا یعنی آگ میں جلانا وغیرہ وغیرہ یہ تو عملی باتیں نہیں ہیں، لہٰذا اِس مذہب میں اگر Amendment نہ کی گئی تو سائنسی دور کا مقابلہ نہیں کر سکے گا ۔تب انہوں نے اُس میں تبدیلی کی اور ترمیم کرنے کے بعد انہوں نے نیا مذہب برہموسماج بنایا۔

سید صاحبؒ نے رابندر ٹیگور سے کہا کہ تمہارا برہموسماج تو بڑا اعقلی منطقی (Logical) تھا۔ عقل اور سمجھ میں آنے والا تھا، قابل قبول تھا، وہ چلا کیوں نہیں؟ تو رابندر ناتھ ٹیگور نے واقعی دانشورانہ جواب دیا اُس نے کہا کہ برہموسماج مذہب کی کتاب تو تھی لیکن کتاب کے پیچھے کوئی عملی شخصیت نہیں تھی اور جس کتاب کے پیچھے عملی شخصیت نہ ہو وہ جاری نہیں ہوسکتی ہے اس لئے برہموسماج چالو نہیں ہوسکا۔

اقبالؒ نے کہا ہے:

ے تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو

File Adress:

کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

کتاب خواں یعنی کتاب پڑھ رہا ہے لیکن صاحب کتاب نہیں ہے ۔صاحب ِ کتاب کون ہوتا ہے، وہ ہوتا ہے کہ جو کتاب میں لکھا ہوا ہے وہ اس کی عملی زندگی میں ہو۔ یہ ایک زبردست جواب ٹیگور نے سید سلیمان ندویؒ کو دیا۔

'خطبات مدراس' کی جامعیت اور تاثیر

سید صاحب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بہت بڑی شخصیت ہیں ۔ ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' اُن کی دنیائے اسلام میں بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ سیرت کے بارے میں ان کی دوسری کتاب ''خطباتِ مدراس'' ہے۔ میں مشرق ومغرب میں پھرا ہوں، دنیائے عرب کو میں نے دیکھا ہے، خطباتِ مدراس کا جواب ساری دنیائے اسلام میں نہیں ہے۔ اس کتاب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا عملی پہلو لے کر اس کی جامعیت کو کئی پہلوؤں سے اس طرح واضح کیا ہے کہ آپ تمام انسانیت کے لیے ہر دور اور ہر زمانے میں ایک مکمل معیاری نمونے کے طور پر سامنے آتے ہیں، یہ انسانی بساط کی حد تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی جامعیت اور مکمل نمونہ ہونے کا سب سے اونچا اظہار ہے ۔اس کتاب کے متعلق میں آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سناؤں۔ ڈاکٹر مرتضیٰ ملک ٹیلی ویژن پر دینی پروگرام کیا کرتے تھے۔ ہمارے واقف اور دوست تھے، انھوں نے مجھے واقعہ سنایا۔ یہ مکہ مکرمہ کی یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ ان کے ساتھ انگریزی کے ایک انگریز پروفیسر تھے۔ انگریزی ادب میں پی۔ ایچ۔ ڈی تھے اس کی بیوی بھی پی۔ ایچ۔ ڈی تھی۔ مرتضیٰ ملک صاحب نے کہا کہ وہ پروفیسر صاحب اچھا آدمی تھا، میرا دل چاہا کہ میں اس کو اسلام کی دعوت دوں۔ اس بارے میں میں نے کافی سوچ بچار کی کہ اسے کیسے دعوت دوں۔ آخر میں نے خطبات مدراس کا ترجمہ

File Adress:

Muhammad The Ideal Prophet کتاب لی اور اس کے پاس گیا۔ میں نے کہا

"Look professor we have translated this book in english. we want this book to be corrected by you."

ہم نے اس کتاب کا ترجمہ انگریزی میں کیا ہے ۔آپ چونکہ انگریزی کے ماہر ہیں ۔آپ اس کو درست کر دیں، ہم آپ کو اچھا خاصہ معاوضہ دیں گیا۔ وہ کتاب لے کر گیا۔ یہ کل نوّے (۹۰) صفحات کی کتاب ہے اور آٹھ محاضرات lectures ہیں۔ تین محاضرات lectures اس نے پڑھے تو کتاب بغل میں دبائے ہوئے میرے پاس آیا اور کہا: Dr.Murtaza! Whats your programme? ڈاکٹر مرتضیٰ آپ کا کیا پروگرام ہے؟ میں نے کہا جی کیا بات ہے؟ کیا ہوگیا ہے؟ اس نے کہا:

You do not want this book to be corrected by me,rather you want to make me muslim.

آپ مجھ سے یہ کتاب نہیں ٹھیک کروانا چاہتے بلکہ آپ مجھے مسلمان بنانا چاہتے ہیں ۔ میں نے کہا: ہم تو آپ سے کتاب درست کرنا چاہتے ہیں، اب آپ کی مرضی ہے۔ اس نے کہا: نہیں آپ مجھے مسلمان کرنا چاہتے ہیں۔

Now You will have to read this book word by word with me and you will have to explain it to me.

اب آپ کو یہ کتاب حرب بہ حرف میرے ساتھ پڑھنی پڑے گی اور آپ کو میرے لئے اس کی تشریح کرنا پڑے گی ۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے۔ کہتے ہیں: ہم پڑھتے رہے جب آٹھ لیکچرز مکمل ہو گئے تو انھوں نے کہا کہ Dr,Murtaza, I am ready to

File Adress:

میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ accept Islam.

However the greatest hinderence in my way is my wife لیکن میرے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ میری بیوی ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ ہم آپ کے گھر آ جائیں گے، میری بیٹی انگریزی بولتی ہے ، وہ آپ کی بیوی سے بات کر لے گی۔ اس کو بھی دعوت دے دیں گے۔ اس نے بیوی سے کہا کہ مرتضیٰ ملک کو ہم کھانے پر مدعو کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا، I do not want this person in our house. میں نہیں چاہتی کہ یہ ہمارے گھر میں داخل ہو۔ میں نے کہا کہ خیر آپ کی دعوت ہمارے گھر میں ہوگی، یہاں آ جائیں، یہاں بات کریں گے۔ وہ پھر بیوی کے پاس گیا۔ اس کی بیوی نے کہا: We will never go to his house. اس کے گھر پر ہم کبھی نہیں جائیں گے۔ عورتیں قبول بھی دیر سے کرتی ہیں اور چھوڑتی بھی دیر سے ہیں۔ اس عورت کو بڑا ڈر رہوا۔ اس نے اپنے خاوند سے استعفیٰ دلوایا اور واپس چلے گئے۔ چار مہینے بعد اس انگریز پروفیسر صاحب کا خط آیا، لکھا تھا: Dr.Murtaza ,I have accepted Islam. ڈاکٹر مرتضیٰ! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، لیکن بہر حال مجھے ایک بڑی قربانی دینی پڑی۔ That was the separation of my wife۔ وہ میری بیوی کی علیحدگی تھی۔ لیکن بہر حال میں نے اپنے نظریے اور عقیدے پر ساری چیزوں کو قربان کر دیا اور اسلام کو قبول کر لیا۔ واقعی جو اسلام کا فروغ اور پھیلاؤ ہے، اس میں قرآن کی معجزانہ تاثیر اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی عملی تصویر کارفرما ہے۔

بہر حال زندگی کے اس سفر میں نظام معیشت کو برتنے کی جو ضرورت ہے اگر اس میں انسان کی رہنمائی علوم وحی سے نہ ہو تو یہ اپنے نفس کی خواہشات کے تحت چلے گا۔ دنیا

File Adress:

کے وسائل کو سمیٹنے کیلئے، ان کو جمع کرنے کیلئے اُن پر لڑے گا، مرے گا، فسادات کرے گا، پریشانیاں پیدا کرے گا، اپنی زندگی کو بھی جہنم بنائے گا اور دوسروں کی زندگیوں کو بھی جہنم بنائے گا۔ جب اس کو انبیاء کرام علیہم السلام کے بتلائی ہوئی ہدایات کے مطابق برتا جائے تو بندگی کے تقاضے پورے ہوتے ہیں اور انسان کامیابی، سکون، چین اور عافیت کے ساتھ دنیوی اور اخروی فوائد سمیٹتا ہے، خود بھی کامیاب ہوتا ہے اور دوسرے انسانوں کے لیے بھی راحت پیدا کرتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نظامِ ہدایت چلایا اور اس کیلئے انبیاء علیہم السلام جیسی معیاری شخصیات کو بھیجا، جنہوں نے اپنی پیش کردہ تعلیمات کا عملی نمونہ دکھایا اور اس کے سو فیصد نتائج حاصل کر کے دنیا کے سامنے رکھے۔ انسان کی دنیوی و اخروی کامیابی، آسودگی اور نجات اسی میں ہے کہ وہ نظام ہدایت کو تھام لے اور اسی کی روشنی میں اپنے نظام معیشت کو لے کر چلے۔

و آخر دعوانا الحمدللہ رب العالمین۔

File Adress:

اعجاز شریعت

فرمایا: اگر ساری دُنیا کے قانون دان، ماہرین معیشت، سائنسدان اور سیاست ومعاشرت کے ماہرین مل جائیں اور سو یونیورسٹیاں قائم کریں، پھر وہ سو سال تک کام کریں اور ہر سال بیسیوں تحقیقات منظر عام پر لائیں تو بھی اپنے متعلقہ شعبہ جات میں وہ نظام حیات نہیں دے سکتے ہیں جو شریعت نے دیا ہے۔ شریعت محمدی نے ہر شعبہ زندگی میں انسانی فرائض وحقوق کو جس بسط و تفصیل اور تدقیق وتحقیق سے بیان کیا ہے، وہ انسانی قدرت سے باہر ہے۔ انسان عاجز ہے کہ اصلاح اخلاق واعمال، خاندان ومعاشرت اور معیشت و سیاست سے متعلق وہ نظام تشکیل دے سکے جو شریعت نے دیا ہے اور جس کے کامیاب نتائج ایک ہزار سال تک دنیا کے ہر مذہب وملت نے سمیٹے ہیں۔ جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو اس کے مختلف حقائق سن کر انسانی دِل گواہی دیتا ہے کہ واقعی یہ آسمانی ہدایت ہے۔ جب قاری صاحب قرآن میں طلاق کے متعلق آیات پڑھتا ہے تو میرا دل اس وقت گواہی دیا کرتا ہے کہ واقعی یہ اللہ کی کتاب ہے۔ طلاق کے ایسے زبردست قوانین بیان کیے گئے ہیں اور ایسی جزئیات بتائی گئی ہیں اور معاشرے کو دُرست کرنے کی ایسی ترتیب بتائی ہوئی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ الغرض شریعت محمدیہ تمام انسانی ساختہ نظاموں کے لیے معجز ہے۔ اور تمام سابقہ آسمانی شرائع کے لیے ناسخ ہے۔

از: ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

File Adress:

نبوی سیاست

اور اس سے انحراف کے نتائج

File Adress:

سیاست کیا ہے؟ نبوی سیاست کا منہاج کیا ہے؟ مروجہ سیاست اور نبوی سیاست کے مابین بنیادی اور اقداری فرق کیا ہے؟ مروجہ سیاسی اسالیب میں حاملین سیاست نبویہ کے لیے درست اور نتیجہ خیز طریق کیا ہوسکتا ہے؟ مروجہ سیاسی نظام اور نبوی سیاست کے نتائج کا جوہری فرق کیا ہے؟ حاملین سیاست نبویہ کی مقبولیت کا راز کیا ہوتا ہے؟ مروجہ سیاست میں دینی سیاسی پارٹیوں کی ناکامی کی درست تشخیص اور اس کے سد باب کا لائحہ عمل اور اس جیسے کئی مہم عنوانات پر چار مواعظ کا نچوڑ اور خلاصہ

File Adress:

خطبہ ماثورہ!

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِنِّیْ ھُدیً فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلاَ ھُمْ یَحْزَنُوْن۔ (البقرہ:۳۸)

محترم بھائیو دوستو! اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آتی رہے گی، پھر جس کسی نے اس ہدایت کی پیروی کی تو اس کی زندگی ایسی کامیاب ہوگی کہ اس کو آخرت کے لحاظ سے، دنیا کے لحاظ سے غم اور خوف سے نجات مل جائے گی۔

انسانی گروہ بندی کی بنیادیں

پولیٹکل سائنس والوں کا کہنا ہے کہ انسان گروہ پسند حیوان ہے۔ Man is gregarious animal یہ گروہی زندگی، اِکٹھی زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ وہ خاندان کی شکل میں، قوم قبیلے کی شکل میں، گاؤں شہر کی شکل میں، علاقے مُلک کی شکل میں زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ اب اس کے اکھٹا ہونے کی بنیادیں ہیں۔ یہ گروہ کن بنیادوں پر بنتے ہیں؟ رنگ، نسل، زبان یا اس جیسا کوئی اور مفاد، انسان اسی بنیاد پر گروہ بندی کرتے ہیں ......انسان کے سامنے جو مسائل ہوں، اُن کی بنیاد پر بھی گروہ بنتے ہیں۔ کوئی نہ کوئی اِن میں اِکٹھا ہونے کی بنیادیں ہوتی ہیں۔ گروہ بندی کا ایک طریقہ کار تو یہ سامنے آیا کہ قومیت، علاقائیت، لسانیت پر گروہ تشکیل دیا جائے۔ گروہ بندی کی ایک بنیاد مفادات اور مختلف مسائل ہیں۔ مثلاً گروہ بن جانا بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے خلاف، یہ مسائل کی گروہ بندی ہے اور گروہ بندی کی ایک بنیاد ہے مذاہب۔ اِس وقت دنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیں تو دنیا کی چھ

File Adress:

ارب آبادی میں سے ایک تہائی مسلمان ہیں، ایک تہائی عیسائی، یہود اور دیگر افراد ہیں جو مذہب کا نام لیتے ہیں اور ایک تہائی لادِین ہیں روس، چین وغیرہ جو اِتھئیسٹ، سوشلسٹ، کمیونسٹ ہو گئے۔ ایک تہائی مسلمانوں کو لیں اور ایک تہائی دیگر مذاہب کو تو ابھی بھی دو تہائی انسانیت مذاہب کی بنیاد پر منظم ہے۔ انسانیت کی چھ ارب آبادی میں سے چار ارب آبادی مذاہب کی بنیاد پر منظم ہے۔ یہ انسان کی گروہ بندی کی بنیادیں ہیں۔

انسانی تمدن کی تشکیل

جس وقت اس سے گروہ وجود میں آ جاتا ہے تو وہ گروہ ایک گروہی زندگی کو لے کر آگے چلتا ہے۔ پھر گروہوں کا آپس میں ٹکراؤ آتا ہے پھر جو غالب ہوتا ہے وہ چھا جاتا ہے، اُسی کے ہاتھ میں سارے وسائل آتے ہیں۔ جو مغلوب ہوتا ہے اُس کو میدان چھوڑنا پڑتا ہے، ماتحت ہونا پڑتا ہے، ذلت اور عاجزی والی زندگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یہ اُن کے درمیان رہتے ہوئے جھاڑو دیتے ہوئے، اُن کی فصلیں کھیت کاشت کرتے ہوئے، اُن کے کپڑے دھوتے ہوئے، ان کے اور کام کرتے ہوئے زندگی گزارنے پر آ جاتا ہے، تو اِس کو وہ قبول کر لیتے ہیں۔

پھر ان گروہوں کو تمدنی زندگی گزارنے کے لیے ایک تہذیب، ایک ثقافت اور نظم و ضبط کی ضرورت ہوتی ہے، جو ان کے لیے اجتماعی وسائل کی تقسیم، مسائل کے پیش نظر وسائل کے استعمال کے لیے ترجیحات کی تعیین، ان کے اندرونی تنازعات کا تصفیہ اور ان کے بیرونی دشمنوں سے ان کی حفاظت کا پورا بندوبست کرے۔ اس کے لیے معاشروں میں قائد و پیشوا سامنے آتے ہیں، جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ معاشرے کے مسائل کو حل کرنے اور ان کے وسائل کو درست استعمال کر کے ان کی کامیابی کے لیے بخوبی کام کر سکتے ہیں، اس طرح قیادتیں سامنے آتی ہیں اور ان کے زیر قیادت منظم حکومتیں بنتی ہیں۔

File Adress:

سیاست کیا ہے؟

لوگوں کے دینی دنیوی مفاد کا خیال رکھ کر ان کو درست طریقے سے چلانے اور ان کے وسائل سے ان کے مسائل اور ضروریات کے حل کے لیے محنت وکوشش کا یہ سارا عمل 'سیاست' کہلاتا ہے۔

ایک دفعہ میں نے یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس اور پروفیسروں کے اجتماع میں سوال کیا کہ سیاست کسے کہتے ہیں؟ ایک لڑکا کھڑا ہوا کہ دھوکے، ٹرِک Trick اور جعلسازی سے کام نکالنا۔ میں نے کہا: ماشاء اللہ! واقعی لفظ کا وہی معنی ہوتا ہے جو چاروں طرف وجود میں ہوتا ہے Exist کر رہا ہوتا ہے، چاروں طرف سامنے ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ چونکہ جس ماحول میں ہیں تو آپ واقعی اُسی کو سمجھے ہوئے ہیں، آپ کے نزدیک دھوکہ بازی جعل سازی، Trick، یہ سیاست ہے۔ عموماً لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ سیاست کا معنی چالاکی ہے۔ یعنی عوام، مخالفین اور حکومت کو چکّر دے کر اور Dodge کر کے اپنا مطلب نکالنا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرنا۔ واقعی کسی لفظ کے لغوی اور اصلی معنی کچھ بھی ہوں معاشرے میں تو اس کے وہی معنی سمجھے جاتے ہیں اور متعارف ہوتے ہیں جس طرح اس لفظ کو عملی طور پر استعمال کیا جا رہا ہو۔

لفظ سیاست عربی لحاظ سے ثلاثی مجرّد کا مصدر ہے اور ثلاثی مجرّد کے باب 'فَعَلَ یَفْعُلُ' سے سَاسَ یَسُوْسُ، قَالَ یَقُوْلُ کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جس کا معنی ''چلانا، انتظام کرنا'' آتا ہے۔

لغوی اعتبار سے لفظ کا معنی چلانا ہے۔ یعنی انسانوں کو زندگی کی دوڑ میں اس طریقے سے چلانا کہ وہ دنیا و آخرت کے لحاظ سے پورے فوائد حاصل کر کے نقصانات سے بچ کر زندگی گذار لیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کانت بَنو اِسرآئیل تَسُوسُهُمُ الْاَنْبِیاء بنی

File Adress:

اسرآئیل کی سیاست اُن کے پیغمبر کیا کرتے تھے۔یعنی ان کو چلانے اوران کی دینی دنیوی نگہداشت کی مکمل ذمہ داری انبیاء کے سپرد تھی۔انبیاء ان کے بادشاہوں کو چلاتے اور بادشاہ قوموں کو چلاتے۔

مروجہ سیاسی نظام کی بنیادیں

اس چلانے کی ذمہ داریوں میں ایک ذمہ داری قیامِ حکومت بھی ہے۔اس سلسلے میں اہل سیاست کوعوام کی تائید کی ضرورت ہوتی ہے۔تائید حاصل کرنے کی ایک مروجہ ترتیب ہے جو دنیادار سیاست دان آزماتے رہتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے آکر ان کے مسائل حل کرنے کے بلند بانگ دعوے کرنا،کوئی سلگتا مسئلہ سامنے آجائے اس کے لئے جلسے جلوس کرنا۔مخالفین کی برائیوں پر مبالغہ کرکے تنقید کرنا۔جھوٹ،فریب،دھوکہ دہی کا بھرپور استعمال کرکے عوام کو الّو بنا کر ان کی رائے اپنی ہم نوا کرنا۔یہ سیاست دانوں کے نعرے(Slogans)ہوتے ہیں اور کارکردگی کی بنیادیں ہوتی ہیں۔مروجہ سیاست دان انہی بنیادوں پر لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں اوران کی تائید حاصل کرتے ہیں۔تائید کے نتیجے میں قوت حاصل ہوجاتی ہے تو یہ گروہ آگے بڑھ کر غالب ہوتا ہے۔جس طرح ہٹلر نے کہا:

Germans are the superior people. They have got the right to rule overwhole of the world.

کہ جرمن فوق الفطرت لوگ ہیں اِن کا حق بنتا ہے کہ ساری دنیا پر حکومت کریں۔تو اس کا سلوگن تھا نیشنلزم۔طریقہ کار کیا تھا؟ کہ عسکری قوت کو جمع کرکے،یلغار کرکے،کُشت و خون کرکے باقیوں کو زیر کرنا۔اُس وقت دنیا کی قیادت برطانیہ کررہا تھا۔برطانیہ کو اُس کے ساتھ ٹکرانا پڑا۔ٹکرانے کے لیے صرف اسلحہ اورآدمیوں کی تعداد کافی نہیں ہوتی بلکہ مورال (حوصلہ) کے لیے ان کے پاس کوئی پروگرام،کوئی سلوگن،کوئی منصوبہ اورکوئی نعرہ بھی ہو

File Adress:

جس سے اُن کا مورال اُبھرے۔تو اُنھوں نے اس کے مقابلے میں پیٹریاٹزم (حب الوطنی، وطن کی محبت) کا نعرہ لگایا۔ نیشنلزم کے ساتھ اُنھوں نے پیٹریاٹزم کوٹکرایا اورلڑایا۔

نبوی سیاست کی بنیادیں

انبیاء علیہم السلام کا بھی کورس ورک ہے اور سلوگن ہے۔ اُن کا کورس ورک اور سلوگن ایمان وتقوٰی، حیا، پرہیز گاری، انصاف، عدل، سچائی ، رحم وکرم کو وجود میں لا نا ہیں اور خدمت خلق کے ذریعے مخلوق خدا کو راحت وآسانی پہنچانی ہوتی ہے، اور یہ ایسی چیزیں ہوتی ہیں کہ بہت مشکل ہوتی ہیں۔ کئی دانشوروں اور فلاسفروں نے ان کو بیان تو ضرور کیا ہے لیکن ان کو وجود میں نہیں لا سکے۔ کیونکہ فلاسفر اور نبی میں اور دانشور اور نبی میں فرق یہی ہوتا ہے کہ دانشور اور فلاسفر صرف نظریہ سامنے لاتا ہے اور نبی اپنے عقیدے اور نظریے کو سامنے لا کر اور اُس پر خود چل کر اور اُس پر جان لگا کر اُس کو نافذ کر کے چھوڑتا ہے۔ ایک اکیلے حضور اقدس ﷺ ایک بات کو کہہ رہے ہیں اور اچھے لوگ، نیک لوگ کہتے ہیں کہ بات تو یہ ٹھیک کہہ رہا ہے لیکن یہ وجود میں آنے والی نہیں۔ کیونکہ یہ ایک اکیلا تنہا ہے جب کہ آگے ابوجہل ، عتبہ، شیبہ، ولید، سرداران قریش، اُن کی معاشی طاقت، اُن کے کاروبار، اُن کا پیسہ، اُن کی دولت، اُن کا معاشرہ، اُن کی معاشرت، یہ ترتیب چل رہی ہے۔ کیا اس کو یہ ایک اکیلا آدمی حق، سچ، انصاف کی بات سے توڑ دے گا؟

انبیاء علیہم السلام کی سیاست کی بنیادی محنت ایمان وتقوٰی کی دعوت، اس کا حصول اور معاشرے میں اس کو وجود میں لانا ہے اور خدمت خلق ہے۔ اِس کے نتیجے میں اُن کو تائید حاصل ہوتی ہے۔ نیشنلزم، پیٹریاٹزم، سیکولرزم، سوشلزم، کمیونزم، اِن میں سے کوئی اِزم بھی اتنی تائید نہیں دے سکتا جتنی تائید انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جدوجہد اُن کو دیتی ہے کہ پھر اُن کے سامنے ازم ٹھہر نہیں سکتے۔ ازم پھر بزن اور Run away ہو جاتے ہیں، اسی

File Adress:

لیے دنیائے اسلام میں ساری عمر وہ لوگ کامیاب ہوتے رہے ہیں کہ جو ایمان وتقوٰی کی محنت کر کے اور لوگوں میں اسی بنیاد پر کام کر کے اِس سے تائید حاصل کرتے رہے ہیں۔

تو مروجہ سیاسی نظاموں کے مقابلے انبیاء کرام علیہم السلام کی سیاسی ترتیب بالکل جدا ہے۔ وہ انسانوں میں اصلاح کا کام کرتے ہیں اور اس سلسلے میں دعوت الیٰ اللہ کے ذریعے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔دعوت کو قبول کرنے والوں کی تعلیم کے ذریعے سے تربیت کرتے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے دو بنیادی ہتھیار ہوتے ہیں۔تیسرا کام جو انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں وہ خدمت خلق ہے۔ یہ ہستیاں اخلاص کے ساتھ ایسی خدمتِ خلق کرتی ہیں، کہ اس کے نتیجے میں عوام کے دل ان کی طرف جھک جاتے ہیں۔اللہ کے ذکر وعبادت میں ایسے منہمک ہو کر لگتے ہیں اور ایسے گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگتے ہیں کہ اس کے ذریعے اللہ پاک کی تائید ونصرت (امداد) ان کا ساتھی اور ان کی ہم نوا بن جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ان کا خیال اس چیز سے کوئی دنیا کا مفاد نہیں ہوتا۔ یہ چیز ان کو عوام میں ایک زبردست تائید دلواتی ہے۔جس کے نتیجے میں ان کو قیادت اور سیادت (Leadership)، رضائے الٰہی کے ساتھ کام کرتے ہوئے ایک اضافی چیز (Biproduct) کے طور پر مل جاتی ہے۔جس کے نتیجے میں ان کو اللہ تعالیٰ معاشرے میں زبردست سیاسی غلبہ نصیب فرماتے ہیں۔

جب غار حرا میں پہلی وحی اتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار نبوت کے اٹھانے کی فکر نے بے چین کر دیا اور اس حالت میں آپ گھر تشریف لائے، اپنی پریشانی کا اظہار اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی خاطر کے لیے جو جملے ارشاد فرمائے اور آپ کی جن صفات کا تذکرہ کیا وہ ساری کی ساری صفات خدمت خلق سے متعلق تھیں کہ آپ تہی دستوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بیواؤں کی خبر گیری

File Adress:

کرتے ہیں۔ یتیموں کی کفالت کرتے ہیں، مریضوں کی فکر رکھتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا اس سے معلوم ہوا کہ خدمت خلق ایسا وصف ہے کہ اس سے کافر معاشرے میں بھی نتائج نکلتے ہیں اور کفار کی بھی تائید دلواتا ہے۔ جب اسے مسلمان معاشرے میں برتا جائے تو اس کے نتائج کس قدر ہوں گے۔

نبوی سیاست کے حاملین کی مقبولیت کا راز

دنیائے اسلام کی ساڑھے چودہ سو سالہ تاریخ ان مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کو تائید نیز سیادت وقیادت اُن کی دینی قربانیوں کے نتیجے میں حاصل ہوئی۔ جس کی وجہ سے انھوں نے انتہائی کامیاب منتظمین اور فرمانرواوں کا کردار ادا کیا۔

بنی امیہ جن کی حکومت چالو حالات کی بنیاد پر محض ایک اسلامی بادشاہت تھی خلافتِ راشدہ نہیں تھی، ان میں بھی جس شخصیت کو مثالی حکمران مانا گیا ہے اور پانچواں خلیفہ راشد تسلیم کیا گیا ہے وہ عمر بن عبدالعزیزؒ ہیں۔ ان کی تائید بھی نام نہاد بادشاہوں کی طرح تائید نہیں تھی بلکہ ان کے تقویٰ اور نبوی ترتیب کے مطابق خلفائے راشدین جیسی تائید تھی۔

بنوعباس کی خلافت جو اسی لاکھ مربع میل پر تھی اور مامون الرشید جو بالکل ساری دنیائے اسلام پر چھایا ہوا بادشاہ تھا جب اس نے دینی نظریات میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی اور معتزلہ کا ہم نوا بن بیٹھا تو اس کے مقابلے میں امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوحؒ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف انتہائی دبدبے والی عسکری قوت ہے اور دوسری طرف نبوی ہتھیاروں سے لیس صرف دو بندے ہیں، جنہوں نے بادشاہ کی انتہائی سختیاں اور کوڑے سہے لیکن بالآخر ان کے نبوی ہتھیار قوت دعا نے اپنی کارکردگی دکھائی اور بادشاہ انتہائی جوانی اور صحت کے ہوتے ہوئے بیمار ہو کر موت سے ہمکنار ہوا، میدان صاف ہوا، نبوی ترتیب کے

File Adress:

چوتھے ہتھیار قوت دعانے کارکردگی دکھائی اور پھر جلد ہی ان فقرا کا کلمہ حق ایوانوں میں تسلیم کیا گیا اور معتزلہ پوری سیاسی پشت پناہی کے باوجود کامیاب نہ ہوسکے۔

ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاری یلغار کر کے بغداد کو الٹ کر دنیائے اسلام پر چھا گئے اور مسلمانوں کی فوجیں اور حکومتیں ان کے سامنے مغلوب ہوگئیں اس وقت امیر توزونؒ اور مولانا جلال الدین صاحبؒ نے اس وحشی قوم پر دعوت کا نبوی ہتھیار آزمایا اور پوری قوم کی کایا پلٹ کرا سے اسلام میں داخل کر دیا۔اس موقعے پر پروفیسر پی کے ہیٹی نے اپنی مشہور تاریخ میں ایک تاریخی اقتباس (Paragraph) لکھا ہے:

''یہ وہ موقع ہے کہ جس موقع پر مسلمانوں نے اسلام کو نہیں بچایا بلکہ اسلام نے مسلمانوں کو بچایا ہے۔ چنانچہ وہ وحشی تاتاری جو مسلمانوں کی فوجوں اور حکومتوں پر غالب آگئے، مسلمانوں کے علماء کی دعوت کے نتیجے میں پچاس سال نہیں گزرے تھے کہ اسلام میں داخل ہوکر اسلام کے خادم بن گئے''۔

اسی موقع کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

ہے عیاں یہ خبر تا تار کے فسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

اکبر بادشاہ نے دین میں اپنی مرضی کی تبدیلیاں لا کر ایک نیا دین ''دین الٰہی'' کے نام سے شروع کر دیا۔ پورے ہندوستان کی فوجی و مالی طاقت اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس کے مقابلے میں حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (مجدد الف ثانیؒ) نے عوام میں کام شروع کیا۔نبوی ہتھیار، دعوت وتبلیغ، تعلیم وتعلّم اور دعا کے ذریعے اللہ کی رضا کی خاطر کام کیا۔اکبر کے بعد جب اس کا بیٹا جہانگیر بادشاہ بنا تو اس نے حضرت کو گوالیار کی جیل میں ڈال دیا۔لیکن حضرت کی عوام وخواص میں اتنی مقبولیت ہوگئی کہ جہانگیر کے گورنر اور جرنیل اُن سے متاثر

File Adress:

ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پنجاب، سرحد، کشمیر اور افغانستان کے گورنر مہابت خان نے جو حضرت کے مریدین میں تھا، حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ جہانگیر بادشاہ گرمیاں گزارنے کے لئے کشمیر جاتے ہوئے میری عملداری سے گزرے گا۔ اگر حضرت حکم فرمائیں تو میں اس کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دوں گا۔ حضرت نے اس کی اجازت نہ دی اور نبوی ترتیب کے آخری ہتھیار دعا کو ترجیح دی۔ چنانچہ جب جہانگیر کشمیر پہنچا تو خود اس کو یا اس کے خاندان میں کسی کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی جس میں جہانگیر کو آگاہ کیا گیا کہ شیخ احمد سرہندیؒ اللہ تعالیٰ کے خاص برگزیدہ بندے ہیں۔ چنانچہ جہانگیر نے واپس آتے ہی حضرت شیخ کو جیل سے نکالا، معافی مانگی اور توبہ تائب ہو کر بیعت ہو گیا۔

ماضی قریب میں جب ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کی علیحدہ حکومت کی آواز اٹھی تو مسلم لیگ بنا کر اس کی قیادت سر آغا خان کو دے دی گئی جو سرے سے مسلمان ہی نہیں تھا۔ اس سے نہ بن پڑی تو انگریزوں کے زیر اثر نوابوں کو اس کی قیادت دے دی گئی۔ علامہ اقبال مرحوم نے اپنی بصیرت سے قائداعظم محمد علی جناح اور نواب لیاقت علی خان اور اکسفورڈ و کیمبرج کے نیز علی گڑھ کے فارغ طلباء کی ایک جماعت (Team) کو میدان میں اتارا۔ انگریز خوش تھا کہ اپنے ہی لوگ میدان میں آ گئے۔ یہ مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اور ان کے مریدین کا کمال تھا کہ انھوں نے اپنی بصیرت سے اس بات کو بھانپ لیا کہ یہ نوجوانان انگریزی تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود مخلص مسلمان ہیں۔ صرف اسلامی تعلیمات کی تفصیلات سے ان کو آگاہ ہونے کا موقع نہیں ملا۔ چنانچہ دو تین بار حضرت تھانویؒ کے خلفاء کے ساتھ مذاکرات کے نتیجے میں پوری جماعت اتنی متاثر ہوئی کہ اسلامی رنگ میں رنگ گئی۔ چنانچہ جب پاکستان بنا تو اس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔ یہ حضرت تھانویؒ کے دعوت کے نبوی ہتھیار کا کمال تھا۔

File Adress:

پاکستان بننے کے بعد پاکستان کے علماء،شبیر احمد عثمانیؒ ،مفتی شفیع صاحبؒ ،مولانا احمد علی لاہوریؒ،مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ کی قیادت میں منظم ہو گئے۔کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد مفتی محمود صاحبؒ ،مولانا عبدالحق صاحبؒ بھی شامل ہوئے۔ چنانچہ وہ علمائے کرام جنہوں نے وعظ وتبلیغ ،درس وتدریس اور بیعت وتلقین کے نبوی ہتھیاروں سے معاشرے میں ایک مقام پیدا کیا ہوا تھا، مروجہ جمہوری سیاست کے میدان میں آئے۔بندہ کو یاد ہے کہ اس وقت یہ نعرہ تھا''ہم آئین اور قانون پر اثر انداز ہونے کی خاطر قوم سے درخواست (Appeal) کرتے ہیں کہ قومی اسمبلی کا ووٹ ہمیں دیں''۔ اگرچہ صوبائی اسمبلیوں میں آدمی کھڑے کئے گئے تھے۔لیکن کئی جگہوں پر مقامی خوانین کے ساتھ یہ بات طے ہوئی تھی کہ قومی اسمبلی کا ووٹ اگر ہمیں دیں تو ہم صوبائی ممبری میں جو عموماً وزارتوں کے حصول کے لئے ہوتی ہیں آپ سے مقابلہ نہیں کریں گے۔الیکشن کے نتائج جب سامنے آئے تو قومی اسمبلی میں نمائندگی ملنے کے علاوہ دوصوبوں کی مخلوط صوبائی حکومتیں بھی ملیں۔جتنے لوگ منتخب ہوئے تھے، مدارس کے علماء یا سلاسل کے مشائخ تھے۔ جو سارا سال چار نبوی ہتھیاروں کو لے کر کام کر رہے ہوتے تھے۔الیکشن کے دوران ایک مختصر پھیرا سیاسی بھی کر لیتے تھے۔عوام اس ایک پھیرے کو ہی تسلیم کر لیتے تھے۔اس پھیرے میں مروجہ سیاسیوں کی طرح لعن طعن،غیبت،عیب جوئی کے قریب بھی نہیں جاتے تھے۔حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ کے بارے میں تو بندہ کو یاد ہے کہ اپنی سیاسی جلسوں میں وعظ ونصیحت اور دعا کے علاوہ کچھ بولتے ہی نہیں تھے۔اس کے باوجود مفتی محمود صاحبؒ نے بھٹو جیسے لیڈر کو شکست دی جبکہ مولانا عبدالحق صاحبؒ نے صوبے کے وزیر اعلیٰ کو پیٹھ کے بل گرایا۔ یہ صوبائی حکومتیں مرکز میں پیپلز پارٹی کی سازشوں اور بلوچستان میں نیشنل عوامی پارٹی کی زیادتیوں نے چلنے نہ دیں۔یہ حکومتیں جب ختم ہوئیں تو بعض با اعتماد

File Adress:

ساتھیوں نے بتایا کہ بھٹو نے مولانا غلام غوث ہزارویؒ صاحب کے ساتھ رابطہ کیا کہ نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ تو آپ کا معاہدہ پورا ہو چکا۔ سیاست میں کوئی بات حرفِ آخر نہیں ہوتی جتنا عرصہ آپ نیشنل عوامی پارٹی کے ساتھ مل کر حکومت کرتے رہے ہم نے ایسے حالات رکھے ہیں کہ آپ کو حکومت کرنے کب دی۔ اب پیپلز پارٹی کے ساتھ مل کر حکومت بنا لو۔ بہت اچھا موقعہ تھا پھر حکومت اور وزارتیں مل رہی تھیں لیکن اکابرین نے سوچا کہ اس طرح پارٹی کے بارے میں یہ تاثر پھیلے گا کہ یہ اقتدار کے بھوکے ہیں اور وزارتوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔ اس کا پھر یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۹۷۶ء کے انتخابات کے بعد بھٹو کے دھاندلی کے خلاف جب قومی اتحاد بنا تو سب نے مفتی محمود صاحبؒ کو اپنا قائد اور سربراہ تسلیم کیا۔ اس اعزاز کے مقابلے میں وزارتوں اور حکومت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

پنجاب کے ہمارے حضرت مولانا منظور چینوٹی صاحب ٹھیٹھ مدرس عالم، ختم نبوت کے کارکن، شب بیدار عابد اور صاحبِ دعا بندے پنجاب جیسے صوبے میں جہاں مولوی اور عالم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں، نبوی ہتھیاروں کی ترتیب سے اتنی مقبولیت حاصل کئے ہوئے تھے کہ مقامی چودھریوں کو الیکشن میں اس فقیر کے سامنے سرنگوں ہونا پڑتا تھا۔ بندہ کے محبوب، مرشد اور محسن مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ تو بندہ کے حلقہ انتخاب کی شخصیت تھے۔ جن کے انفرادی، خاندانی پورے حالات بندہ کے سامنے تھے۔ دو کمروں کے کچے مکان کا رہائشی، جس کے جیب میں کرائے کے پیسے نہیں ہوتے تھے جو کہ نبوی چار ہتھیاروں سے لیس رہتے تھے اور دین کی خاطر جان کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ہمارے حلقے میں اتنے مقبول اور محبوب تھے کہ بڑے بڑے خوانین ان کے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتے تھے۔

File Adress:

ضرورت ہے کہ اس نہج اور طرز پر کام کرتے ہوئے ایسی شخصیات کو سامنے لایا جائے جنہوں نے پہلے بھی میدان مارا ہے اور اب بھی نتائج نکال کر دکھا دیں گے۔

آج جدید دینی سیاست میں 'ساری دنیائے اسلام کی میں بات کر رہا ہوں، یہ نہیں کہ کسی ایک ملک یا پارٹی پر تنقید کر رہا ہوں اور Criticise کر رہا ہوں' وہی کچھ ہو رہا ہے جو چالُو سیاست ہے یعنی Trick دھوکہ بازی، جلسہ جلوس، دھرنیں، مارچیں وغیرہ کو کر، برت کر لوگوں کو اپنے ساتھ کرنا، ایسے لوگوں کو ساتھ ملانا جو مالی وسائل والے ہوں، غنڈہ گردی سے عوام میں شر والا دبدبہ (nuisance value) رکھتے ہوں، اور اس کی وجہ سے ان کے چھانے کے حالات بن رہے ہوں۔ ان باتوں کے ذریعے سے سیاست میں آگے بڑھنا، ساری دنیا میں اسلامی پارٹیوں کی ناکامیابی کی وجہ یہ ہے کیونکہ اسلامی سیاست تو اپنا ایک خاص طرز (Pattern) رکھتی ہے، اسی پر وہ کامیاب ہوا کرتی ہے۔ ہمیں اس پر غور کرنا ہوگا اور اپنا احتساب کرنا ہوگا کیونکہ سیاست کا اسلامی طرز یہ ہے کہ پہلے جو کرنے والا آدمی ہے وہ خود اُس کا عملی نمونہ ہو کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ نے فلاں جگہ اتنی رشوت لی، فلاں وزارت میں مجھے اتنے پیسے دینے پڑے، آپ کے فلاں وزیر نے یہ چیزیں مانگیں، آپ کے فلاں افسر کو مجھے اتنے دینے پڑے، آپ کی حکومت میں فلاں جگہ میرا یہ حال کیا گیا۔

جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں فاطمہ مخزومیہؓ کے ہاتھ کاٹنے کے موقع پر سفارش لائی گئی کہ بڑے اونچے خاندان کی ہے۔ تو فرمایا کہ اگر اس کی جگہ فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتی تو اُس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔

ایک دفعہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ مالی مدد، ملازم

File Adress:

مانگنے کے لیے آئیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اِس حال میں آپ کو یہ چیزیں نہیں دے سکتا جبکہ بدر کے شہداء کے بچوں کے پیٹ پیٹھ کے ساتھ لگ رہے ہیں یعنی اتنی بھوک ہے ان پر۔ میں پہلے سارے مال سے اُن لوگوں کے کاموں کو مکمل کروں گا، اُن سے فارغ ہو کر کچھ بچا پھر آپ کو دوں گا۔

میرے بھائیو! ایمان وتقوٰی کا نمونہ بننا پڑتا ہے۔نبوی سیاست کرنے والا جب ایمان وتقوٰی کی محنت کرتا ہے اور اس بنیاد پر اسے لوگوں میں تائید حاصل ہوتی ہے تو اِس آدمی کو سیاسی جلسے جلوسوں کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ جلسے کرائے، نعرہ بازی کرائے، ہلڑ بازی کرائے، دھرنے کرائے اور سیاست کے چالو طرز کو اختیار کرے، اس کی ضرورت اسے نہیں ہوتی کیونکہ اس نے اپنی ایمان وتقوٰی کی محنت کے نتیجے میں لوگوں کے دلوں میں گھر کیا ہوا ہوتا ہے اور اپنی عملی زندگی سے لوگوں کو مسخر کیا ہوا ہوتا ہے۔لہٰذا یہ فالتو کام کرنے کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی کہ یہاں پر طاقت کا مظاہرہ کیا جائے، وہاں پر طاقت کا مظاہرہ کیا جائے۔تُو اپنی تقوٰی کی طاقت کا مظاہرہ کر! پھر دیکھ کہ آگے کیا اثر آتا ہے،تُو پرہیز گاری کی طاقت کا مظاہرہ کر! پھر دیکھ کہ آگے کیا اثر آتا ہے،تُو اپنے انصاف کے طاقت کو آزما کر دیکھ! پھر دیکھ کہ آگے کیا اثر آتا ہے!!!!

ہائے افسوس! جب قدریں بدلتی ہیں، جب سوچیں بدلتی ہیں تو آدمی کی سمجھ پھر کام نہیں کرتی۔ پھر جو چیز چالُو ہوتی ہے اُس کے پیچھے دوڑ رہے ہوتے ہیں اور ہر چالُو چیز کامیاب نہیں ہوتی، ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔

تو میرے بھائی! زندگی میں اِس بات کو یاد رکھ کہ ایک اپنے آپ کو نمونہ بنا۔ یہ قانون، یہ آئین، یہ دین، یہ عمل، یہ ایمان، یہ تقوٰی کوئی کرتا ہے کرے، نہیں کرتا نہ کرے، میں نے ضرور کرنا ہے۔اس کو میں نے اکیلے کرنا ہے۔

File Adress:

نائجیریا میں کچھ لوگ عیسائی سے مسلمان ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد وہاں تبلیغ کا کام کرنے والے ساتھیوں کے پاس آئے اور کہا کہ ہم مسلمان ہوئے لیکن ہم پھر عیسائی بننا چاہتے ہیں، بس آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ ساتھیوں نے پوچھا: کیوں؟ اِس پر اُنھوں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ اِسلام کے بارے میں پڑھا سُنا تھا، وہ آپ لوگوں میں عملی طور پر نہیں دیکھا لہٰذا ہم واپس جا رہے ہیں۔ ایک سمجھدار ساتھی نے کہا کہ دیکھیں! ہمارا بڑا مرکز دہلی میں ہے، ہمارے دہلی کے بزرگ آنے والے ہیں، وہ جب آ جائیں، آپ ان سے ایک ملاقات کر لیں، اس کے بعد جو فیصلہ آپ کا ہو آپ کی مرضی ہے۔ دہلی والے حضرات وہاں پہنچے، اِن لوگوں کو مِلایا گیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے جو کچھ اِسلام کے بارے میں پڑھا سُنا تھا، وہ عملی طور پر نہیں دیکھا لہٰذا ہم واپس عیسائی ہو رہے ہیں۔ حضرات اکابر کو اللہ تعالیٰ نے فہم اور بصیرت دی ہوتی ہے۔ اس وقت کے عالمی امیر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے اُن سے فرمایا کہ ہم آپ سے ایک بات کہتے ہیں: جو کچھ اسلام کے بارے میں آپ نے سنا ہے، اگر یہ ساری دنیا میں وجود میں آ جائے تب بھی آپ کو تسلی نہیں ہوگی لیکن اگر آپ اپنی زندگی میں اس کو وجود میں لے آئیں کہ آپ کی اپنی زندگی اس کا نمونہ ہو جائے تو آپ کو مکمل تسلی ہو جائے گی، چاہے باقی کسی میں نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ بس یہ بات ہمیں سمجھ میں آ گئی، ہم واپس عیسائی نہیں ہو رہے۔ ہم کوشش کر کے ایمان اور اعمال کو سیکھیں گے اور اپنی زندگیوں میں لائیں گے۔

نبوی اور طاغوتی سیاست کے نتائج کا فرق

نبوی سیاست کے نتائج ہمیشہ لوگوں کے لیے سکھ، چین اور راحت کی شکل میں سامنے آئے ہیں جب کہ مروجہ سیاسی ہتھکنڈوں سے عالمی سیاسی طاقتوں نے دنیا کا استحصال کیا ہے، ان کے وسائل لوٹے ہے، نسل کشی ہے، ان کی تہذیب وثقافت اور زبانوں کو ختم

File Adress:

کیا ہے، کشت وخون کر کے بے گناہوں کو مارا گیا ہے اور لوگوں کا جینا حرام کیا ہے۔ یہ اس طاغوتی سیاست میں غلبہ کے لازمی اجزاء ہیں اور اس شیطانی ترتیب سے ہی غلبہ حاصل کیا جاتا ہے۔

امریکہ میں ایک کروڑ سے زیادہ مقامی ریڈ انڈینز کو قتل کیا گیا۔ کیونکہ امریکیوں کے پاس آتشین اسلحہ تھا، وہاں گئے اور امریکیوں نے اِن ریڈ انڈینز کو مکھی مچھر کی طرح مارا۔ یہ صرف آج ہی نہیں کہ افغانستان میں بمباری کر رہے ہیں، پاکستان میں ڈرون حملے کر رہے ہیں، ان کی تو بنیاد ہی اس پر ہے، ایک کروڑ چالیس لاکھ ریڈ انڈینز قتل کئے، اسی طرح کئی لاکھ آدمی آسٹریلیا میں قتل کئے، کئی لاکھ آدمی جنوبی افریقہ میں قتل کیے ہیں اور اُن کی لاشوں پر اپنے اسلحے کے زور سے انھوں نے حکومتں قائم کیں۔

جب کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ انقلاب جس نے ایک ہزار سال تک دنیا کو امن وامان کا نظام دیا ہے، ایک ہزار سال تک مسلمان سُپر پاور رہے ہیں، اُس کے بعد اگر عالمی طاقت نہیں بھی رہے پھر بھی علاقائی طاقت ضرور رہے۔ ۱۹۰۰ء کے قریب سلطان عبدالمجید نے فرانس کے بادشاہ کو خط لکھا کہ میں نے سُنا ہے کہ تمہارے مُلک میں لڑکے اور لڑکیوں نے ہاتھ مِلا کر اِکھٹا ڈانس کیا ہے۔ بحیرۂ روم کی سپر پاور ہونے کے ناطے میں تمہیں اس بات کا حکم کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے ملک میں یہ نہیں ہوگا، اس کے خراب اثرات میرے ملک میں آئیں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سارے انقلاب نے ساری دنیا کو متاثر کیا اور ابھی تک اس کے اثرات باقی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے جہادوں میں کفار، مسلمان سب کو ملا کر ۱۰۳۰ لوگوں کی جانیں گئی ہیں، جن میں سات سو سے کچھ اوپر کفار ہیں اور دوسو اٹھاون یا اس سے کم وبیش مسلمان شہداء ہیں۔

چونکہ بنیادی مقصد مرنا مارنا، وسائل پر قبضہ کرنا، انسانوں کو ختم کرنا نہیں تھا بلکہ

File Adress:

بنیادی مقصد اصلاح تھا۔اصلاح کے راستے میں کوئی رکاوٹ ڈالے تو صرف اُس سے ہی لڑنا تھا، کیونکہ اسلام کا بنیادی مقصد لڑنا،مرنا، مارنا،کُشت وخون نہیں بلکہ افہام تفہیم،صلح آشتی ہے۔ جب اس پروگرام کے خلاف باطل اُٹھتا ہے کہ میں آپ کے اس امن و امان ، صلح ،آشتی،عدل و انصاف،حق وصداقت کوزور سے روکوں گا اورنہیں چلنے دوں گا تو پھر ہم نے نہیں رُکنا بلکہ اس جگہ مقابلہ کرنا ہوتا ہے وَ اَعِدُّو لَھُم مَااستَطَعتُم جتنا تمہارے پاس اسلحہ ہے اُسے لے کر اللہ کے نام پر کھڑے ہوجاؤ۔مُلاّ عمر کو پاکستانی علماء نے سمجھایا کہ پیچھے ہٹ جاؤتو اُس نے جواب دیا کہ وَ اعِدُّو لَھُم مَااستَطَعتُم کو میں یہ سمجھتا ہوں کہ جتنا میرے پاس ہے۔میرے پاس ایک کلاشنکوف بھی ہے اور سوکھی روٹی بھی ہے لہٰذا اس کے ہوتے ہوئے میں ہتھیار نہیں ڈالتا۔میں اپنے آدمیوں کو حوالے نہیں کرتا، میں لڑوں گا کیونکہ میں اللہ کا حکم پورا کرتے ہوئے سمجھ رہا ہوں اَعِدُّو لَھُم مَا استَطَعتُم تیاری کرو جتنا تمہارا بس ہے۔بس باقی اللہ کے نام پر توکل کر کے آگے بڑھ رہا ہوں۔

امریکیوں نے جو ایک کروڑ چالیس لاکھ ریڈ انڈینز مارے، یہ لوگ تو بغیر نظریے کے تھے،بغیرعقیدے کے تھے،اُن کی کوئی بنیاد ہی نہیں تھی لہٰذا اسلحے کا اسلحے سے مقابلہ تھا اور اسلحے کے مقابلے میں وہ نہ ٹھہر سکے۔جبکہ یہاں اسلحے کا مقابلہ نظریے سے تھا نظریہ تو بہت جاندار چیز ہوتی ہے۔اسلحہ جب نظریے کے ساتھ ٹکراتا ہے تو افغانستان جیسے حالات سامنے لاتا ہے جہاں تیرہ سال سے اسلحہ نظریے کو کچل نہ سکا۔نبوی سیاست کی بنیاد اسلحہ، مادی طاقت اور دنیاوی کروفر پر نہیں بلکہ دینی احکام ونظریات کو مضبوطی سے تھامنے پر ہے۔

برطانیہ کا میرا ایک دورہ تھا۔انہی دنوں برطانیہ میں کنگ کراس ریلوے اسٹیشن کا دھماکہ ہوا تھا۔مسجدوں میں سی آئی ڈی بیٹھی ہوئی ہوتی تھی۔ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب! بیان میں بہت احتیاط کرنا اور خاص طور سے جہاد کو بیان نہ کرنا۔میں نے

File Adress:

پہلا بیان ہی جہاد پر کیا۔ میں نے کہا کہ ہمارا جہاد جدوجہد ہے حق ، انصاف ، نیکی ، سچائی ، ہمدردی ، خیر خواہی ، خدمتِ خلق ، امن و امان کو نافذ کرنے کی۔ اور یہ کام ہم افہام تفہیم ، دلائل ، مواعظ اور صلح وآشتی کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ اب کوئی آدمی کھڑا ہو جائے کہ یہ جس چیز کو تُو کرنا چاہتا ہے ، میں اسے نہیں کرنے دوں گا بلکہ میں اسے اسلحے کے زور سے روکوں گا تو آپ بتائیں میں اس کے آگے ہتھیار ڈال کر چُپ ہو جاؤں ؟ یا میں کہوں کہ تو اپنے باطل کو اسلحے کے زور سے چلانا چاہتا ہے تو میں حق کو کیوں نہ چلاؤں ؟ اب کیا اس پر کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ میں غلط بات کہہ رہا ہوں ؟ اللہ کا احسان اس سوال کے جواب میں کوئی نہیں کہہ سکا کہ ایسا جہاد غلط ہے۔ کسی سی آئی ڈی کی رپورٹ نے یہ نہیں کہا کہ یہ آدمی جہاد کو بیان کر رہا ہے یا غلط بات کہہ رہا ہے۔ میں نے مسلمانوں سے کہا کہ آپ اگر اسلام کا نمونہ بن جائیں اور آپ اتنے ہنرمند بنیں کہ اس ملک کے لیے ناگزیر ہوں ، اتنے دیانتدار اور اتنے محنتی ہوں کہ یہ اپنا نظام آپ کے بغیر نہ چلا سکیں تو

You will be loved by each and every peron of “ this country.This is the jihad for which I want to ”prepare and train you people.

ترجمہ: اس ملک کا ہر ایک آدمی آپ سے محبت کرے گا۔ یہ وہ جہاد ہے جس کے لئے میں آپ لوگوں کو تیار کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی تربیت چاہتا ہوں۔

چند دنوں کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان کے جو سمجھدار انگریز ہیں وہ انتہائی قدر کا رویہ کر رہے ہیں۔ واقعی حق وہ چیز ہے جسے آپ ہر جگہ بیان کر سکتے ہیں اور باطل وہ چیز ہے جسے بیان کرنے کے لیے آپ کو بودی دلیلوں اور ہیرا پھیری کی ضرورت پڑے گی۔ جس کی حق کو ضرورت نہیں ہوتی۔ حق جہاں بھی بیان ہوا اُس کو قبول کرنے کے لیے ہر ایک آدمی کھڑا

File Adress:

ہوگا اور جو قبول کرنے کے لیے کھڑا نہیں ہوگا وہ بھی کہے گا کہ بات تو یہ ٹھیک ہے لیکن اب میرے مفاد کے خلاف جا رہی ہے، اس لیے مقابلہ کرنے کے لیے کھڑا ہو رہا ہوں۔ یہی کھڑے ہونے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے ختم ہونا ہوتا ہے اور جنہوں نے ٹوٹ جانا ہوتا ہے۔

اہل سیاست وحکومت کے لئے لازمی صفات

نبوی سیاست کے لیے کچھ ضروری اوصاف ہیں، جب تک وہ اوصاف اپنے اندر پیدا نہ کر لئے جائیں، اس لائن میں بندہ کامیابی کے ساتھ بالکل نہیں چل سکتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُوْنَ۔

(الانبیاء:۱۰۵)

اور تحقیق ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھا کہ بے شک زمین کا اقتدار اللہ اپنے نیک بندوں کو دیتا ہے۔

اللہ پاک کا وعدہ ہے یہ پہلے کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ زمین کا اقتدار نیک لوگوں کو دے گا جب نیک لوگ نہیں ہوں گے تو زمین کو تو اللہ نے سنبھالنا ہے۔ لہٰذا اقتدار کسی نہ کسی کو تو دیا جائے گا جو اپنی من مانی ترتیب سے بدترین نتائج سامنے لائے گا۔ لہٰذا دینی سیاست کرنے والے جب تک نیکی کا وہ معیار اور صفات اپنے اندر پیدا نہ کر لیں، جس پر اقتدار کا وعدہ ہے، وہ جتنی بھی کوشش کر لیں۔ اقتدار حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر حاصل کر بھی لیں تو وہ نتائج حاصل نہیں کر سکیں گے جو نبوی سیاست کا طرہ امتیاز ہیں۔

نیکی کے لیے ایک تعبدی اعمال ہیں، نماز، روزہ، حج، عمرہ۔ آدمی عمرے پر جاتا ہے حج پر جاتا ہے۔ الیکشن میں کھڑا ہوتا ہے ساتھ لکھا ہوتا ہے الحاج فلانا، یہ اس کے ذاتی اعمال

File Adress:

ہیں، یہ بھی ضروری ہیں اس لیے کہ جس آدمی کی باجماعت نماز کی گواہی نہ ہوتو اسلامی نظام میں ایسا شخص قطعاً امیدوار نہیں بن سکتا۔ آئین کی ۶۲ اور ۶۳ شق پر اگر عمل درآمد ہو اور کوئی آدمی ہمت کر کے اسے کورٹ میں پلیڈ plead کرے اور اسے لے کر آگے جائے تو یہ بہت مضبوط شق ہے۔ جس آدمی کی جماعت کی نماز کی حاضری نہیں ہے تو اس آدمی کے پاس candidature کا basic criteria نہیں، یعنی امیدوار ہونے کی بنیادی اہلیت ہی نہیں۔

پھر اس کے بعد اہل حکومت وسیاست کے لیے چار مزید صفات کی ضرورت ہوتی ہے: دیانت، امانت، شجاعت، وکالت۔ آدمی دیانتدار ہو، آدمی امانتدار ہو۔ بزدلی نہ دکھائے، دینی مؤقف کی درست وکالت کر سکتا ہو، تبھی وہ سیاست کا اہل ہوتا ہے۔ اگر آدمی نماز تو پڑھتا ہے، حاجی صاحب حج عمرے پر بھی جاتا ہے، اُس نے پگڑی بھی بڑی باندھ دی، لیکن جب وزارت پر بیٹھتا ہے تو رشوت لیتا ہے تو اس کے ذاتی اعمال تو ٹھیک ہیں لیکن دیانت، امانت اس کے پاس نہیں جب کہ دیانت وامانت وہ صفات ہیں جن پر حکومتی سطح پر کوئی سمجھوتہ (compromise) نہیں ہو سکتا۔ دیانت، امانت بہر صورت اسے برتنی ہو گی۔ غبن، دھوکہ دہی، فریب، جھوٹ، ظلم اور خیانت سے قومی وسائل ہتھیانا غلامانہ ذہن، فکری طور پر پسماندہ یعنی احمق و بے وقوف، کم ہمت، اور قومی وملی اہداف سے ناآشنا نااہل لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اجتماعی زندگی میں قطعاً کسی منصب کے اہل نہیں ہوتے، ایسے لوگوں کا تسلط خدائی عذاب ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو قیادت تک پہنچانے والے اجتماعی گناہ کبیرہ کے مرتکب اور ملت وقوم کے خائن ہوتے ہیں۔

اجتماعی اموال اور قومی خزانے پر دیانت وامانت سے تہی دست لوگوں کا تسلط بالآخر قوموں کو دوسروں کی غلامی میں دھکیل دیتا ہے، وہ قرضے لے لے کر اور عیاشیاں

File Adress:

کر کر کے عوام کو غیروں کی غلامی میں جکڑتے ہیں، عوامی ضروریات کبھی اس نوعیت کی نہیں ہوتیں کہ ان کے لیے قرضہ لیا جائے۔ یہ قرض اپنی تجوریاں بھرنے کے لیے لیتے ہیں، ایک طرف سے قرض لیتے ہیں دوسری طرف سے عوام کے خون پسینے کی کمائی لوٹ کر ملک سے باہر پہنچاتے ہیں۔ ہمارے لوگ الحمدللہ ایک سوکھی روٹی اور پانی کے معیار زندگی پر آ سکتے ہیں، اگر نہیں آ سکتا تو یہ اہل سیاست اور حکمران نہیں آ سکتا، مجھے کوئی ضرورت نہیں آئی ایم ایف کے آگے جھولی پھیلانے کی۔ ضرورت اس کو ہے کیونکہ اس نے عیاشیاں کرنی ہے اور قوم کا پیسہ لوٹنا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَاایْمَانَ لِمَنْ لَااَمَانَةَ لَه۔ (مشکوٰۃ)

اس شخص کا ایمان معتبر نہیں جس میں امانت نہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

لَادِیْنَ لِمَنْ عَهْدَ لَه۔ (مشکوٰۃ)

اس شخص کا دین معتبر نہیں جس میں وعدہ کی پاسداری نہیں۔

یاد رکھیں! دیانت وامانت ایمان کے اجزاء ہیں، ان میں کوتاہی ایمانی گناہ ہے، اور ایمانی گناہوں کے ہوتے ہوئے کوئی فرض وواجب قبول نہیں ہوتا، کیونکہ یہ دل کے قصد وارادے سے کیے جاتے ہیں۔

اس کے بعد شجاعت ہے، اہل سیاست شجاعت سے محروم ہوں، بزدل ہوں تو وہ کبھی اپنی بات اور مؤقف کو جرأت سے پیش نہیں کر سکتے، ان کی نظر ہمیشہ مادی قوت پر رہتی ہے اور موقع آنے پر میدان چھوڑ کر بزدلوں کی طرح بھاگتے ہیں، ایسے لوگ اس اہل نہیں ہوتے کہ انہیں اقتدار کی کرسی تک پہنچایا جائے ورنہ یہ بزدل عوام کا سودا کر کے انہیں معمولی

File Adress:

مفاد کی خاطر بیچ دیتے ہیں، کافر ان پر چڑھ دوڑتا ہے اور یہ مصلحت مصلحت کی رٹ لگاتے ہیں۔کتنا کمزور حاکم ہوتا ہے کہ رعایا کے آگے جھوٹ بول رہا ہے۔کافر ذرا دھمکاتا ہے یہ آگے سے ہتھیار ڈالتا ہے جس طرح پرویز مشرف(ایک فاسق فاجر جرنیل جس نے افغانستان پر حملہ کرنے میں امریکہ کی حمایت کی اور پاکستان کی سرزمین استعمال کرنے کی اجازت دی) نے امریکی سفیر کے ایک ٹیلیفون پر ہتھیار ڈال دیے۔کمانڈو جرنیل تھا جی! عام جرنیل بھی نہیں، لیکن کمانڈو تھا بدن کا...... دل کو چاہیے ایمان......دل کو چاہیے صداقت، امانت، شجاعت......اقبال نے کہا ہے نا

؎ سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اگر تیرے سیاست دان کے پاس دیانت، امانت، شجاعت نہیں ہے، کمزور ہے، بزدل ہے تو یہ کسی قابل نہیں۔

بنی اسرآئیل نے شموئیل علیہ السلام سے کہا کہ اے اللہ کے پیغمبر! ہم اللہ پاک سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک بادشاہ مقرر کر لے۔کیونکہ ہمیں اِن کافروں نے وطن سے نکالا، کچھ کو گرفتار کر لیا، ہماری عورتوں کو پکڑ لیا، ہماری عورتیں اِن کے قبضے میں آ گئیں، ہمارا دل بڑا جلا ہوا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری منظم حکومت ہو، ہمارا بادشاہ ہو اور ہم اِن کے خلاف لڑیں۔حضرت شموئیل علیہ السلام نے اللہ پاک سے دعا مانگی۔اللہ پاک نے دو علامتیں دِیں کہ ایک تیل کا پیالہ تمہیں دیتے ہیں اور ایک عصا (ڈنڈا) دیتے ہیں۔وہ لوگ جو خلافت لینا چاہتے ہیں، بادشاہ بننا چاہتے ہیں، وہ تیرے پاس آئیں۔تو اللہ کا منتخب کیا ہوا بندہ جب آئے گا تو اُس کے آنے سے تیل کھولنا شروع ہو جائے گا۔یہ پہلی علامت ہوگی۔جب تیل کھول جائے تو اِس عصا کو اُس شخص کے بدن

File Adress:

کے ساتھ ناپ لینا، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بندے کا قد اِس کے برابر ہوگا۔ بڑے بڑے خان،خوانین، بڑے بڑے چودھری آ رہے تھے، جا رہے تھے۔ اتنے میں ایک سقہ (پانی بھرنے والا) آ گیا۔ وہ جوں ہی اندر داخل ہوا شموئیل علیہ السلام کا تیل کا پیالہ کھولنے لگ گیا۔ اُنھوں نے عصا لے کر اس کا قد ناپا، بالکل ٹھیک تھا، اُنھوں نے کہا کہ یہ تمہارا بادشاہ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اوہو!!! ہم خاندانی لوگ، بڑے بڑے مالدار لوگ، بڑی بڑی حیثیت والے لوگ، ہم میں سے بادشاہ نہیں بنا اور سقے کو بادشاہ بنا دیا۔ قرآن پاک کی آیت ہے جس میں ان کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ زَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وہ علمی استعداد اور جسمانی استعداد کے لحاظ سے تم میں سب سے برتر اور بڑھا ہوا ہے۔ لوگوں کو پھر بھی تسلی نہیں ہو رہی تھی کہ اور کوئی علامت ہو۔ ان سے کہا گیا کہ ان کا تابوت سکینہ ان کے پاس واپس آ جائے گا۔ تابوتِ سکینہ، بنی اسرآئیل کا ایک صندوق ہوتا تھا جس میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا، چغہ، ہارون علیہ السلام کے تبرکات، تورات کی تختیاں ہوتی تھیں، جب بھی ان کی جنگ ہوتی تھی تو سب سے آگے تابوتِ سکینہ کو رکھتے تھے، اُس کے آگے ان کے چار جرنیل کھڑے ہوتے تھے جو اِس بات کی نیت کر کے آتے تھے کہ ہم اِس میدان کو بہر صورت فتح کریں گے، فتح نہ ہوا تو ہماری جان یہاں لگے گی، وہ شہادت کی مکمل نیت کر کے کھڑے ہوتے تھے اور اِن کو فتح ہو جاتی۔ انہی دنوں ایک بادشاہ نے اِن سے تابوت ِ سکینہ چھین لیا تھا، وہ اسے لے کر جس بستی میں جاتا وہاں وبا آ جاتی، جس گھر میں لے کر جاتا وہاں مصیبت آ جاتی۔ اُس نے کہا کہ اِس صندوق سے جان چھڑاتے ہیں۔ اُس نے ایک بیل گاڑی میں صندوق کو رکھا اور باہر نکال دیا۔ وہ بیل چلتے چلتے سیدھے طالوت رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں بادشاہ بنایا گیا تھا) کے گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ بنی اسرآئیل کو تسلی ہو گئی کہ واقعی! تابوتِ سکینہ بھی اس کے گھر پر آ گیا، شموئیل علیہ السلام کی بھی تائید ہے۔ تب

File Adress:

انہوں نے بادشاہ تسلیم کیا۔

طالوت رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے استعداد دی ہوئی تھی۔ بدنی برداشت دی تھی۔ انہوں نے لوگوں کو منظم کیا اور جالوت بادشاہ سے لڑنے لے کر گئے۔ یہ تین ہزار آدمی تھے۔ طالوت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ آگے نہر آرہی ہے اِس کا پانی نہیں پیو گے اگر چہ پیاس بھی ہے، تھکاوٹ بھی ہے اگر کسی کو بہت بھی تکلیف ہو رہی ہے تو وہ صرف ایک چُلّو یعنی ہاتھ کی ایک لپ بھر کر پی لے۔ اس سے زیادہ نہیں پینا۔ آگے جب گئے تو تین سوتیرہ افراد نے حکم مانا اور باقیوں نے حکم نہیں مانا۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا، پھر جب اُٹھے تو چل نہیں سکتے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ لَاطَاقَةَلَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْت آج کے دن ہم میں تو جالوت سے لڑنے کا دَم ہی نہیں۔ بس تین سوتیرہ کو لے کر طالوت رحمۃ اللہ علیہ آگے بڑھے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے: كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍغَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِاذنِ اللهِ۔ بعض اوقات چھوٹے گروہوں کو اللہ بڑے گروہوں پر غالب کر دیتا ہے۔ یہ تین سوتیرہ جن کا باطن ایمان سے سجا ہوا تھا، جن کے اندر جرأتِ ایمانی تھی، جن کے پاس شجاعتِ ایمانی تھی اور امیر کے حکم کی اطاعت کی، آگے بڑھے، بس میدان مار لیا اور فتح کر لیا۔

اس بات کو یاد رکھنا کہ جن لوگوں سے بد دیانتی ہوئی، جن لوگوں سے بزدلی ہوئی، اس بد دیانتی اور بزدلی والوں پر کبھی اعتبار نہ کرنا۔ یہ تمہارے سارے وزیر وزراء پرویز مشرف کو جامعہ حفصہ ؓ کی بچیوں کو قتل کرتا ہوا دیکھ رہے تھے اور یہ بزدل بولے نہیں، اس وقت ان کے پاس اسمبلیوں کی سیٹیں تھیں تب اِن بزدلوں کے ہوتے ہوئے یہ کشت وخون ہوا، ان کو ضرور یاد رکھنا، جو جو پیسے کماتے رہے، پیسے لُوٹتے رہے، وہ آپ کے اور ہمارے سامنے ہیں، جنہوں نے اسمبلی میں ہوتے ہوئے غیر اسلامی قوانین کو اپنے دستخطوں سے پاس کیا، ان کی حمایت کی، یا ان پر خاموشی اختیار کی، یہ سب بے اعتبار ہے۔ ان کی حکومتوں

File Adress:

میں آپ کے چچا، آپ کے ماموں، آپ کے بھائی نے ملازمت کی پوسٹ لینے پر رشوت کے پیسے دیے ہوں گے، ٹرانسفر پر پیسے دیے ہوں گے، ٹھیکے پر پیسے دیے ہوں گے، یہ سارا ریکارڈ آپ کے پاس ہے، اسے محفوظ رکھنا اور اِن لوگوں کو کبھی معاف نہ کرنا۔

چوتھی چیز وکالت ہے، وکالت کسے کہتے ہیں؟ یعنی کہ آپ کے مسائل کو آگے پلیڈ plead کر سکتا ہو، اسمبلی میں بیان کر سکتا ہو، انٹرنیشنل فورم پر بیان کر سکتا ہو، یونائیٹڈ نیشن میں بیان کر سکتا ہو، ہر جگہ آپ کے حق کے لیے بولتا ہو اور پھر اُسے لے کر چھوڑتا ہو۔ یہ نہ ہو کہ وہ مسائل کا فہم ہی نہ رکھے، اسے ادراک ہی نہ ہو کہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے، مجھے کیسے اپنا مؤقف پیش کرنا ہے، دشمن کن کن راستوں سے حملہ آور ہے اور میں نے دلائل کے میدان میں اسے کیسے پچھاڑنا ہے، اس کے داؤ اور گر کیا ہیں، اس کی فہم وفراست ایسی ہو کہ تمام قومی اور عالمی مسائل پر اپنے طبقے کا درست مؤقف بھرپور وزنی انداز میں سامنے لائے اور اس کے سامنے دنیا کو لاجواب کرے۔ امانت، دیانت، شجاعت اور وکالت یہ چار خصوصیات ہونی چاہئیں۔ تب اہل سیاست وحکومت نبوی طریق کو برت سکتے ہیں اور اس کے نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔

حکام، اہل ثروت اور اہل علم کا بگاڑ: قومی تباہی

جب بھی قومی اور ملکی بگاڑ پیدا ہوتا ہے، بحران آتے ہیں، دشمن اور جنگ مسلط ہوتے ہیں، تباہی آتی ہے اور معاشرے ختم ہوتے ہیں، اس کا سبب اہل سیاست، اہل مال اور اہل علم کا اجتماعی بگاڑ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ قوموں کی تباہی اور زوال کی نشان دہی کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ (بنی اسرائیل:۱۶)

File Adress:

''کہ جب ہم نے کسی بستی کو غارت کرنے کا، تباہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے آسودہ لوگوں کو فسق و فجور میں مبتلا کیا کہ اس کے آسودہ لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہوئے اور اتنے آگے بڑھے کہ اُن پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ اُن کو جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیا گیا۔''

تو یہ آسودہ لوگ کون ہوتے ہیں؟ یہ تین طبقات ہیں: حکام یعنی اہل سیاست، اہل مال اور اہل علم۔ یہی تین طبقے ہیں جو معاشرے کے آگے ہوتے ہیں اور معاشرہ اِن کے پیچھے چلتا ہے۔ اِن تینوں کی غلطیاں جب حد سے بڑھ جاتی ہیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا ایسا عذاب آتا ہے کہ نیست و نابود کر دیئے جاتے ہیں۔

اہل سیاست اور حکام ظلم اور رشوت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں اقتدار ہے، وہ جو کریں کوئی بول نہیں سکتا۔ پولیس، فوج، اسلحہ، طاقت ان کے پاس ہے۔ لہٰذا اُن سے ظلم ہوتا ہے، ظلم کرتے ہیں، بددیانتی کرتے ہیں، مال چھیننے کا ظلم، عورتوں پر ہاتھ ڈالنے کا ظلم۔

File Adress:

Corruption of sex, corruption of money.

ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میں ایم۔فل کے سلسلے میں کراچی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں پر میں نے عید کی قربانی کی، جب بکرے کی کھال اتاری تو آدمی آ گئے کہ کھال دو۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ اُس نے کہا کہ میں ایم کیو ایم کا آدمی ہوں۔ میں نے بتایا کہ ہم تو کھال دینی مدرسے کو یا کسی غریب مسکین کو دیتے ہیں۔ وہ بولا کہ اپنی کھال دیتے ہو یا یہ؟ (یعنی اِس حد تک غنڈہ گردی ہے) میں نے سوچا کہ یا اللہ! اگرچہ پٹھان آدمی ہوں، ایسے تو ہم شکست نہیں کھایا کرتے لیکن اب مسافر ہوں اور اِن کے ساتھ اب کُشتی کے حالات نہیں ہو سکتے۔ تو اس نے جبری کھال لے لی۔ ظلم یہاں تک بڑھ جاتا ہے اور بد

دیانتی بڑھ جاتی ہے۔

اہل علم کا کیا ہوتا ہے؟ یہ اپنے علم کو چھپاتے ہیں، اقتدار کا ساتھ دیتے ہیں، اور لوگوں کو خوش کرنے کیلئے علم کی ایسی تعبیریں اور تشریحات کرتے ہیں تاکہ یہ مقبول ہوں اور اِن کی اقتدار تک رسائی ہو اور مالدار کیا کرتے ہیں؟ ان کا مال ظلم وستم کیلئے استعمال ہوتا ہے، فسق و فجور کیلئے استعمال ہوتا ہے، گناہوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، ناچ گانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا تو کتا بھی موٹر میں بیٹھا ہوا ہے، مکھن اور ٹوسٹ کھا رہا ہے، جبکہ غریب کا بچہ بلک رہا ہے اور چیخیں مار رہا ہے اور اسے کھانا دینے والا کوئی نہیں۔ خیبر میڈیکل کالج کو آپ دیکھتے ہیں ناں، اس کی دوسری بار رینوویشن (نئے سرے سے تبدیلی لانا) ہو رہی ہے۔ جب پہلی مرتبہ ہوئی تو ۷۵ لاکھ روپے دیے گئے تھے۔ اب دوبارہ صحیح سالم کالج کی عمارت کی رینوویشن ہو رہی ہے اور یہ اُس صوبے میں ہو رہا ہے جہاں ہسپتال میں مریض اور بچے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اُن کے لئے دوائی نہیں ہے۔

جب میں شعبہ اناٹومی کا ہیڈ ہوتا تھا تو ایک دفعہ میں نے طلبہ کو پڑھانے کیلئے Teaching Aid تعلیم کے لئے استعمال ہونے والی چند چیزوں کا پرنسپل سے مطالبہ کیا تو اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میرا خیال ہوا کہ آدمی نیک ہے، نمازی ہے، حج عمرہ بھی کیا کرتا ہے، تو ہوسکتا ہے کہ پیسے نہ ہوں اس لیے اب میں دوبارہ کیا کہوں، بُری بات ہے۔ پھر میں ایک دوسرے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے پاس چلا گیا تو دیکھا کہ اُس کے دفتر کی Renovation ہو رہی تھی، ایک دفتر کی پانچ لاکھ پر رینوویشن ہو رہی تھی۔ اِس کے بعد جب تیسرے ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کے پاس گیا تو پانچ لاکھ پر اُس کے دفتر کی بھی رینوویشن ہو رہی تھی اور یہ کیوں ہو رہا تھا؟ پرنسپل صاحب کا بیٹا اِن دونوں کی کلاس میں چلا گیا تھا اور وہ ایسا نتھو خیرا تھا کہ اُس کے لیے یہی کچھ کر کے اُسے آگے دھکیلا جا سکتا تھا۔ تو

File Adress:

مجھے خیال ہوا کہ پیسوں کی کمی نہیں ہے بلکہ ترجیحات، سوچ، Priorities جدا ہیں۔ اُس کی ترجیح اپنے بیٹے کو پاس کروانے کے لیے ان کو خوش کرنا ہے اور میری ترجیح یہ تھی کہ مجھے چیزیں ملیں تاکہ میں لوگوں کو پڑھاؤں، انہیں صحیح علم حاصل ہو اور وہ مستقبل کے صحیح ڈاکٹر بن سکیں۔ دوسرے پرنسپل صاحب آئے، سب سے پہلے میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا دفتر رینوویٹ نہیں ہوا، میں اسے رینوویٹ کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ جب تک میں بیٹھا ہوا ہوں میں اسے رینوویٹ نہیں کراؤں گا، میرے بعد اگر آپ لوگ کرتے ہیں تو کریں لیکن میں نہیں کراؤں گا، میں اس میں بالکل بھی بُرا نہیں لگتا، کیونکہ میرے سامنے اس ملک کے وہ عوام ہیں جنھیں کھانے کو نہیں مل رہا، جنھیں علاج کو نہیں مل رہا اور سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے۔

میرے بھائی! یہ تیرے پاس جو پیسہ ہے یہ ابھی بھی کم نہیں۔ یعنی امریکہ کا سودی قرضہ آنے کے بعد، جس کا آدھا اہل حکومت لُوٹتے ہیں، باقی میں سے بیوروکریٹ لوٹتے ہیں، پھر اس کے بعد استعمال کے لیے ایک چوتھائی آگے آتا ہے (یہ جو انجینیر کام کرتے ہیں انہیں سارا پتہ ہوتا ہے) تو وہ جو آیا ہوتا ہے وہ بھی کم نہیں، ملکی اور عوامی اشد ضروریات کے لئے وہ بھی کم نہیں لیکن اس کا بھی یہ حشر ہوتا ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں تو معاشروں میں حکام، مالدار طبقہ اور اہلِ علم کا یہ حال ہوتا ہے۔ اہلِ علم بھی ان حکومتوں کے وسائل، بنگلوں، موٹروں کو لینے کے لیے انہیں خوش کرتے ہیں۔

جس وقت ابن علقمی (شیعہ) نے بغداد کی خلافت کے خلاف ہلاکُو کو حملہ کرنے کی دعوت دی تو اُس نے جواب دیا کہ حملہ تو میں کرلوں گا لیکن یہ مسلمانوں کا مرکز ہے، اس میں اِن کے اتنے علماء ہیں، اہل حکومت اور فوج کے پیچھے ہٹنے کی صورت میں بھی اگر اِن علماء نے جہاد کا نعرہ لگایا تو سارے عوام کو ہمارے خلاف کر دیں گے۔ ابنِ علقمی نے کہا کہ اِس کا

File Adress:

میں نے بندوبست کرلیا ہے۔ ابنِ علقمی سارے علماء کے پاس گیا اور اُن سے کہا کہ میں نے تمہاری جان بخشی ہلاکو سے کرا لی ہے، تم میرے ساتھ جا کر اُس سے مذاکرات کرو۔ اُن علماء کا علمی حال یہ تھا کہ وہ ابنِ علقمی شیعہ (جو اس وقت وزیر اعظم تھا) کی قیادت میں اپنی حکومت کے خلاف یعنی اسلامی حکومت کے خلاف مذاکرات کرنے کے لیے کافر کے پاس گئے! اور جب مذاکرات کے لئے گئے تو اُس آدمی (ہلاکو) نے مسئلے کو فوری حل کرلیا۔ اُس نے سب کی گردنیں ماردیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جارہے تھے۔ بارش تھی، کیچڑ تھا، آگے سے ایک بچہ دوڑتا ہوا آرہا تھا۔ اُنھوں نے سوچا کہ اسے کہیں کہ ذرا یہ دوڑنا بند کرے کیونکہ چھینٹے اُٹھتے ہیں، کپڑے خراب ہوتے ہیں، ناپاک ہوجائیں گے، اُسے اِس خوبصورتی سے کہا جائے کہ خفا بھی نہ ہو اور دل بھی نہ دُکھے۔ اللہ والوں کی ایک ایک بات سونے میں تولنے کی ہوتی ہے۔ تو اُنھوں نے کہا کہ بیٹا اتنا تیز نہ دوڑو، کہیں پھسل کر گِر نہ جاؤ۔ اُس نے کہا: امام صاحب! میں پھسل کر گِر گیا تو کپڑے ہی خراب ہوجائیں گے اور اگر آپ پھسل گئے تو ساری دنیا پھسل جائے گی۔ بچے کی زبان سے معرفت کا یہ جملہ ادا ہوا۔ وہ بچے کی یہ بات سن کر ہکّے بکّے اور حیران رہ گئے۔

تو یہ اہلِ علم کی غلطیاں ہوتی ہیں کہ یہ اقتدار تک پہنچنے کے لیے شہرت حاصل کرنے کے لیے اور لوگوں میں مقبول ہونے کے لیے اپنے علم کو چھپاتے ہیں، اُس کی غلط تعبیر کرتے ہیں اور اُس سے انھیں کچھ دولت، کچھ شہرت اور عورت حاصل ہوجاتی ہیں لیکن اللہ پاک کا یہ فیصلہ ہوتا ہے:

اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ (بنی اسرآئیل۔۱۶)

”یہاں تک کہ انہیں جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں، ان کی نسلوں کو نیست و نابود کر دیا جاتا ہے، ان پر ذلت کا نشان لگ جاتا ہے اور ساری عمر ذلت کے ساتھ یاد ہوتے ہیں۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس وقت ایک تاتاری بادشاہ (جو مسلمان بھی ہو گیا تھا مگر پھر بھی) اسلامی حکومت پر حملہ کرنے کے لیے آ گیا تو فیصلہ یہ ہوا کہ مسلمان علماء اُس کے پاس جا کر مذاکرات کریں، بات کریں اور اسے حملے سے باز رکھیں۔ جب علماء کے ایک گروہ کے ساتھ میں گیا تو وہاں پر بات کرنے کے لیے مجھے کہا گیا۔ میں نے اُس کے ظلم وستم کو، اُس کی کوتاہی کو، اُس کے کُشت وخون کو بیان کیا اور اس کا آخرت میں انجام بیان کیا، جہنم کی ہولناکیاں بیان کیں اور اتنی زوردار اور ڈانٹ ڈپٹ کی باتیں کیں کہ اُسے ہِلا کے رکھ دیا۔ یہ باتیں تاریخ میں لکھی ہوئی ہیں۔ یہ سارے علماء جو اُن کے ساتھ گئے ہوئے تھے، تھر تھر کانپ رہے تھے کہ یہ کیا کر رہا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اُس حاکم کو اللہ نے میرے سامنے توبہ تائب کیا۔ پھر جب ہم واپس آنے لگے تو اُن سب علماء نے کہا کہ تُو تو آج ہماری جان ہی ختم کر رہا تھا، تُو ایسی باتیں کر رہا تھا کہ سب کے قتل کا فیصلہ کرا رہا تھا اس لیے ہم تمہارے ساتھ واپس نہیں جائیں گے۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر سارے علیحدہ ہوئے، راستے میں جاتے ہوئے اُن پر ڈاکو پیش آئے اور سوائے شلواروں کے باقی سب کچھ اُن سے لے لیا، اُن کے کُرتے بھی اُتار دیے، اور وہ ایک ایک شلوار پہنے ہوئے بغداد میں داخل ہوئے اور کہتے ہیں کہ میں جب اکیلا داخل ہوا تو بغداد کے گلی کوچوں میں، چھتوں پر، کیا مرد، کیا عورتیں، کیا بچے، ساری مخلوق استقبال کے لیے نکلی ہوئی تھی۔ کہا گیا کہ آج وہ آدمی شہر میں داخل ہو رہا ہے جو حق بات کہہ کر آیا ہے۔

تو میرے بھائی! دنیا، دنیادار کے پیچھے اعزاز اور وفا کے لیے نہ بڑھنا! یہ ایک فانی

File Adress:

عارضی دھوکا ہے۔ جیسے صحرا دور سے پانی کا تالاب نظر آتا ہے اور جوں قریب جاؤ تو وہ اور دور ہوتا جاتا ہے، آگے ریت ہی ریت ہوتی ہے، یہ دھوکا ہوتا ہے، اِسے سراب کہتے ہیں۔ یہ دنیا سراب ہے، اور جو یہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کو چھوڑ کر غیر اللہ سے کچھ حاصل کرنے کی، اور وہاں سے ترقی و کامیابی کی امیدیں وابستہ کیے ہوئے آگے بڑھے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو توڑے، حضور اکرم ﷺ کے طریقے کو چھوڑے، نفس کی چاہت اور مزوں کے پیچھے جائے اور لوگوں کو خوش کرنے کے لیے احکامات کو توڑے تو یہ تھوڑا عرصہ سراب کے پیچھے چل رہا ہے، اس کو ظاہری کچھ نہ کچھ مل جائے گا۔ کیونکہ مَن طَلبَ وَ جَدَّ فَقدوَ جَدَ آپ جس چیز کے لئے جدوجہد کریں گے اُس کے نتیجے میں آپ کو کچھ نہ کچھ ملے گا۔ اگر وہ جدوجہد درست ہے تو دائمی، ابدی اور پائیدار ملنا ہوگا اور اگر جدوجہد ناجائز ہے تو وہ عارضی اور ناپائیدار ہوگا، اُس کے نتائج سامنے آجائیں گے۔ زندگی بہت مختصر ہے، اس لیے جب بھی زندگی میں کسی چیز کے لیے قدم اٹھاؤ تو آخرت کی بنیاد پر اُٹھاؤ! اس بات کو سامنے رکھ کہ آخرت میں اس کا کیا انجام ہونے والا ہے اور اگر تیری یہ بات درست ہوگئی، اِس پر تُو چلنے لگ گیا تو جس دنیا سے گھبرا رہا ہے، ڈر رہا ہے اُس کو اللہ پاک درست کر کے تجھے دے گا۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں کہ اے دنیا جو تجھ سے بھاگے فَاخْدِمِی اُس کی تو خدمت کر اور جو تیرے پیچھے بھاگ رہا ہو فَاستَخْدِمِی اُس کو تُو اپنا خادم اور نوکر بنا کر چھوڑ۔ جو تجھ سے بھاگے اُس کی تو نوکر ہو جا اور جو تیرے پیچھے پڑے اُس کو تو اپنا نوکر بنا دے۔ تاریخ گواہ ہے ساری باتیں ثابت شدہ اور لکھی ہوئی ہیں کہ یہ انجام پہلے لوگوں کا ہوا ہے۔

اس لیے، خاص طور سے، الیکشن کے دنوں میں جو اہل سیاست آپ کے سامنے آئیں، اُن کو ہمارا یہ پیغام ضرور سُنائیں کہ جس خیانت، دینی احکامات کی پامالی، آئین سے اسلامی قوانین کے خاتمہ، لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ستم کی طرف تم آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے

File Adress:

ہوا اُس کا انجام اِس تھوڑی سی ساٹھ سالہ پاکستان کی تاریخ میں دیکھ لو کہ کیا ہوا۔

سکندر مرزا پاکستانی حکومت کا ایک بیوروکریٹ تھا۔ مسلسل سازشوں سے صدر بن گیا تھا۔ اُس نے تقریر کی کہ میرا دل چاہتا ہے کہ ان مولویوں کو سونے کی کشتی میں بٹھا کر کراچی کے سمندر میں لے جا کر ڈبو دوں۔ مجھے حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب رحمہ اللہ ابھی بھی یاد ہیں، اُس اللہ والے نے کہا کہ ان شاء اللہ اِس کو چاندی کی کشتی میں بٹھا کر ملک بدر کریں گے اور مجھے وہ دن یاد ہے جب وہ ملک بدر ہو رہا تھا۔ اخبار والے تو ہر کسی کو معاف نہیں کرتے، اُن دنوں نسیم حجازی کا کوہستان اخبار ہوتا تھا، ہم پڑھا کرتے تھے۔ کوہستان اخبار والوں نے جاتے ہوئے (اِس کی اور اِس کی بیگم کی) پیچھے سے تصویر لی ہوئی تھی کہ سکندر مرزا ملک چھوڑ کر جا رہا ہے۔ پھر لندن میں اِس نے کوکا کولا کی دُکان پر ویٹر بوائے کا کام کیا ہے، جا کر لوگوں کے آگے میزوں پر بوتلیں رکھتا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا انجام دِکھایا ہے۔

تو یہ سارے انجام ہمارے سامنے ہیں۔ انہیں سامنے رکھ کر غور کرنا چاہئے، فکر کرنی چاہئے۔ سب سے زیادہ محکم بنیاد یہ سوچ ہے کہ میں جو قدم بھی اُٹھاتا ہوں، جو عمل بھی کرتا ہوں، اِس کا آخرت میں انجام کیا ہوگا؟ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

File Adress:

حال اور مقام

فرمایا کہ ایک چیز ہوتی ہے حال اور ایک چیز ہوتی ہے مقام۔ تصوف میں اصل مقصود ''مقامات'' کا حصول ہے، مقام کہتے ہیں قلبی اعمال کے حاصل کر لینے کو۔ اگر تو تھوڑی دیر کے لیے کوئی حالت حاصل ہوگئی اور آدمی ذِکر میں منہمک ہوگیا، دُنیا کا خیال جاتا رہا اور ساری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگئی تو اس کو ''حال'' کہتے ہیں۔ کیونکہ ذرا آدمی اِدھر اُدھر ہوا کوئی نئی بات پیش آئی تو حال والا آدمی پچھلی حالت پر واپس آجاتا ہے۔ اور جب یہی حالت پکی ہوجائے اور ہر وقت اور بلاتکلف حاصل ہوجائے تو اس کو مقام کہتے ہیں۔ مثلاً کسی نے تواضع کے فضائل سنے تو اس پر کچھ دیر کے لیے مکمل تواضع کی حالت طاری ہوگئی تو کہیں گے کہ اس پر تواضع کا حال طاری ہوا، اور اگر یہ بات بار بار کی مشق اور شیخ کی صحبت سے دل میں پکی ہوجائے اور کیا بڑا کیا چھوٹا، کیا امیر کیا غریب، کیا شیخ اور کیا عام آدمی ہر ایک کے ساتھ یہ مُرید تواضع کا برتاؤ کرنے لگے اور اس میں ایسا بے تکلف ہوجائے اور تواضع اختیار کرنے میں ایسی سہولت ہوجائے کہ اب اس کا احساس بھی باقی نہ رہے کہ میں تواضع کر رہا ہوں تو اس کو تواضع کا مقام کہتے ہیں۔ لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ تواضع کا مقام حاصل ہوگیا یا نہیں صرف شیخ کا کام ہے خود مُرید اپنے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرے۔

از: ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

File Adress:

مذہب اور سائنس کا ٹکراؤ

واہمہ یا حقیقت؟

File Adress:

کلیسا کی غلطی یہ تھی کہ اس نے مذہب کو سہارا فراہم کرنے کے لیے اور مذہبی باتیں عقلی طور پر ثابت کرنے کے لیے غیر اٹل چیز (یونانی سائنس) کو دلیل بنایا جو خود اعلان کرتی ہے کہ میں حتمی اور اٹل نہیں بلکہ ہر لمحہ تبدیل ہونے والی ہوں، لہٰذا جب وہ فلسفہ اور سائنس مسترد ہونے لگا تو نتیجہ میں ان کا عیسائی مذہب بھی مسترد ہونے لگا۔ اگر عیسائیت اپنی اصلی شکل میں ہوتی تو کبھی اس کا تصادم جدید سائنس سے پیدا نہ ہوتا۔ مسلمانوں میں جب بھی کسی نے یہ غلطی کرنے کی کوشش کی ہے تو اس وقت کے اہل حق علماء نے اس بات کا راستہ روکا ہے کہ دینی حقائق کا ثبوت سائنس اور فلسفہ سے فراہم ہو۔ جب معتزلہ کا گروہ یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات کو یونانی علوم کی بنیاد پر ریشنالائز (عقلی طور پر ثابت) کرنے لگا اور اس کے اثرات عقائد کو متاثر کرنے لگے، حدیث کا انکار ہونے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے امام غزالیؒ کو پیدا کیا جس نے یونانی فلسفے پر ایسے وار کیے کہ اس کے در و بام ہلا کر رکھ دیئے اور اسلامی تعلیمات کو اس کے گرداب کی نذر ہونے نہ دیا۔

File Adress:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم:

محترم اساتذۂ کرام اور عزیز طلباء! آج کی اس مجلس کا موضوع ہے: "Conflict of Science and Religions" ''مذاہب اور سائنس کا آپس میں تصادم۔''

موجودات اور ان کے افعال کا خالق اللہ ہے

ہم اور آپ نظر اُٹھا کر اپنے گرد و پیش کو دیکھیں تو دو چیزیں ہمارے سامنے آتی ہیں: ایک تخلیق اور ایک عمل۔ عالم موجودات ان دو چیزوں کا نام ہے۔ تخلیق یعنی گرد و پیش میں جو چیزیں بنی ہوئی نظر آ رہی ہیں اور دوسری بات کہ وہ کیا کر رہی ہیں یعنی اُن کا عمل۔ سورج ہے اُس کا ایک جسم ہے، جو نظر آتا ہے اور ایک اُس کی حرکت ہے جو کہ اس کا عمل ہے۔

اب ایک اُصول ہے جو انسان کی معلوم تاریخ میں ہمیشہ مسلم رہا ہے، آج تک وہ اُصول مسلم ہے۔ سارے فلسفے، سارے مذاہب اور ساری تہذیبوں میں ہر جگہ چلا ہے اور اُسے سو فیصد انسانوں نے مانا ہے، وہ اُصول یہ ہے کہ ہر تخلیق کا خالق ہے اور ہر فعل کا فاعل ہے۔ اس بات کو کسی جگہ contradict اور کسی جگہ رد نہیں کیا گیا۔ لہٰذا انسان کو یہ بات ماننی پڑے گی کہ اتنی بڑی مخلوقات جو گرد و پیش میں ہیں اور اتنے عظیم افعال اور کام جو وجود میں آ رہے ہیں ان سب کا کوئی خالق ضرور ہے، جو اس کا انتظام کر رہا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایسا دور آئے گا کہ لوگ کہیں گے کہ اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے، بعد میں حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے کسی آدمی نے یہ سوال کیا تو اُنہوں نے اسے ہاتھ سے پکڑا

File Adress:

اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا یہ وہ پہلا آدمی ہے جس نے یہ سوال کر دیا۔

اب آپ بیٹھ جائیں ایک بڑی تسبیح لے کر......زمین کا محیط جو کہ ۲۴ ہزار میل ہے ۲۴ ہزار میل لمبی تسبیح لے کر بیٹھ جائیں اور اُس پر گِنیں کہ فلاں شے کا خالق فلاں......پھر اُس فلاں کا خالق فلاں......پھر اُس کا تیسرا......پھر اس تیسرے کا خالق چوتھا......پھر اس چوتھے کا خالق پانچواں، ایک آدمی مر جائے تو دوسرا بیٹھ جائے یہاں تک کہ انسانوں کا یہ سلسلہ چلے اور ۲۴ ہزار میل تسبیح کو پورا کر لے،تو آخر کسی جگہ تو رُکنا پڑے گا ناں۔ یا تو سارے انسان اس بات کی تلاش میں مر جائیں یا یہ کہ اس کی ایک انتہا مانیں۔اس لیے اوّل آخر،ظاہر باطن یہ چار خط ہیں جن کے درمیان ہر چیز کو بیان کیا جاتا ہے۔اگر اوّل سے پہلے آپ آنا چاہیں تو پھنس گئے آپ کچھ نہیں کر سکتے اور آخر کے بعد آپ جانا چاہیں تو آپ پھنس گئے اور آپ کچھ نہیں کر سکتے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ (الحدید:۳)

ترجمہ: وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے۔

میرے سامنے پروفیسر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، ان کا بدن ہے، ان کی جلد ہے، ان کی بنیان ہے، قمیص ہے، کالی واسکٹ ہے جو نظر آ رہی ہے بس یہاں پر ظاہر ختم ہو گیا۔ اس سے آگے مزید ہم کوئی بات نہیں کر سکتے تو یہیں سے اُس کا وجود مان کر آگے بات شروع کر سکتے ہیں۔اگر کوئی بہت قابل آدمی ہے وہ کہتا ہے کہ جلد کے آگے پٹھے ہیں، پٹھوں کے پیچھے ہڈیاں ہیں، ہڈیوں کے پیچھے پھیپھڑے ہیں، پھیپھڑوں کے پیچھے دل ہے، دل کے اندر حرارت ہے، اتنی وولٹیج کی کرنٹ ہے، اتنی اُس کی حرکت ہے، کرتے کرتے ایک جگہ پر جا کر آخر اس کے باطن کی انتہا ہو جائے گی۔اب باطن پر آپ کو بات ختم کرنی پڑے گی کیونکہ باطن کی انتہا ہو جاتی ہے پھر آگے تو کچھ بھی نہیں ہے، ورنہ آپ کی زندگی

File Adress:

ممکن نہیں اور حصول علم اور عقلی دلائل کا افادہ ممکن نہیں۔

اس لیے ظاہر سے شروع کرنا پڑے گا باطن پر ختم کرنا پڑے گا، ابتدا سے بات شروع ہوتی ہے، انتہا پر ختم ہوتی ہے۔ ان چار خطوں کو مانے بغیر کوئی چیز درست نہیں ہوسکتی، کوئی چیز بیان نہیں ہوسکتی، کوئی عقلی دلائل نہیں دیئے جاسکتے، کیونکہ وہ کارگر نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا انسانوں کو موجودات اوران کے افعال کا خالق اسی اول وآخر اور ظاہر وباطن کے اصول کے تحت ماننا پڑے گا اور اس بات کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑیں گے کہ ان کا خالق ضرور ہے اور وہ تنہا ایک ذات ہے۔

انسان اور موجودات کی تخلیق کا مقصد

تخلیق میں اب دو چیزیں ہیں: ایک انسان ہے جو ساری مخلوقات کو دیکھتا ہے، سمجھتا ہے۔ اور ایک دیگر مخلوقات ہیں۔ اب انسان کے بارے میں خالقِ کائنات نے یہ بتایا کہ اس کا ایک مقصد ہے کیونکہ کوئی دانشور کوئی کام بغیر مقصد کے نہیں کرتا، اپنا وقت ضائع نہیں کرتا، انسان کے پیدائش کا مقصد کیا ہے؟

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ (الذاریات:۵۶)

ہم نے نہیں پیدا کیا انسانوں اور جنوں کو مگر اس بات کے لیے کہ یہ اللہ تعالی کی عبادت کریں گے۔

عبادت انسان کا مقصد ہے۔ اب انسان عبادت تب کرسکے گا جب اسے دو باتیں حاصل ہوں: ایک اس کی ذات باقی رہے اور دوسری اس کی جنس باقی رہے، اس کی بقائے ذاتی ہو اور بقائے نوعی ہو۔ انسان کی ذات باقی رہے گی کھانے پینے سے اور باقی ضروریات کو استعمال کرنے سے۔ جن میں مکان ہے، کپڑا ہے، علاج ہے، حکومت ہے اور حفاظت ہے۔ جب کہ بقائے نوعی بیاہ شادی سے ہوگی۔ انسان کی افزائش نسل ہوکر وہ پھلے پھولے

File Adress:

اور زمین پر رہے تب عبادت کا مقصد پورا ہوگا۔لہٰذا انسان کی بقا کا دارومدار کائنات میں اور زمین پر پیدا شدہ مخلوقات پر ہے۔

انسان کے ذمہ دو کام تھے: ایک کام اپنا مقصدِ عبادت پورا کرنا اور ایک بقائے ذاتی اور بقائے نوعی کے لیے زمین اور آسمان کے درمیان جو چیزیں ہیں ان سے اپنے لیے وسائل پیدا کرنا، لہٰذا عبادت کی دو قسمیں ہوئیں: ایک عبادت بلاواسطہ (direct عبادت) اور ایک عبادت بالواسطہ (indirect عبادت)۔عبادت بلاواسطہ کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ وہ دس چیزیں ہیں: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ذکر، تلاوت، اعتکاف، مراقبہ، خدمت خلق، اور جہاد دسویں چیز ہے، جہاد میں اعلائے کلمۃ اللہ کی ساری کوششیں آجاتی ہیں۔تصنیف وتالیف، درس وتدریس، دعوت وتبلیغ، بیعت وتلقین، قانون وآئین کی سیاسی سرگرمیاں اور قتال۔عبادت بالواسطہ indirect بقائے ذاتی اور بقائے نوعی کے سارے کام ہیں، کیونکہ ان پر دارومدار ہے Direct عبادت کا۔اب Direct بلاواسطہ عبادات تو علومِ الٰہیات کی شکل میں مذاہب کی شکل میں اور آسمانی وحی کی شکل میں انسانوں کے سامنے آئیں، یا انسان کی اپنے کاوشوں سے جو اُس نے جھوٹے مذاہب پیدا کیے اس کی شکل میں اُن کے سامنے آئیں اور جو Indirect عبادت ہے وہ زمین وآسمان میں غور وفکر کرکے اس سے اپنے لیے وسائل پیدا کرنے سے وجود میں آئی اور اسی غور وفکر کا نتیجہ سائنس بھی ہے۔

سائنس کیا ہے؟

سائنس پرانے دور میں دو ہی چیزوں کو کہا جاتا تھا: ایک فلسفہ اور ایک الٰہیات۔ پرانے فلاسفر جو تھے ساری چیزیں اُن کے ذمہ تھیں، فلسفہ میں منطق، سوشل سائنسز، حیاتیات، کیمیا، طبعیات اور علم ہندسہ وغیرہ سارے کی سارے فنون شامل تھے۔ درمیانی

File Adress:

دور میں پھر ٹیکنو سائنس، میڈیکل سائنس۔سوشل سائنس اور دیگر سائنسی علوم علیحدہ شاخیں ہوگئیں۔

سائنس کی تین تعریفیں Definitions ہیں:

پہلی Encyclopedia Britannica میں ہے کہ سائنس لاطینی لفظ scicpia سے بنا ہے اور اس کا معنی ہے علم۔

پھر جو درمیانہ دور آیا اس میں کہا گیا کہ

Science in modren english usage is generally confined to the old established natural sciences like Physical ,Chemical and Biological Sciences, however, mathematics is not excluded.

''اصطلاحِ سائنس کا مفہوم قدیم ثابت شدہ طبعی علوم تک محدود ہے یعنی طبیعات، کیمیاء اور حیاتیات بہرحال ریاضی اس سے خارج نہیں ہے یعنی وہ اس میں شامل ہے۔''

S.A Stainly کی کتاب ہے: "Science Past and Present"۔ اس کی سائنس کے متعلق تعریف جدید دور کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ ہے:

"Science in its widest sense is a systimatic method of describing and controlling the material world.

''سائنس اپنے وسیع ترین معنی میں عالم مادی کے بیان اور اسے مسخر کرنے کے

File Adress:

مربوط طریقے کو کہتے ہیں۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت علم ہے، اللہ تعالیٰ عالم ہے اور اللہ نے صفتِ علم کا پرتو اور تجلی زمین پر کی تو اس سے علوم اور حقائق کی شکل میں وہ چیزیں زمین کی طرف آئیں اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس لیے دیں کہ وہ زندگی گزاریں اور مقصد پیدائش کو پورا کریں۔لہٰذا سائنس کوئی ایسا علم نہیں تھا کہ جو اللہ تعالیٰ کے علوم سے علیحدہ ہو اور اس کے پڑھنے اور سیکھنے سے انسان کو فائدہ نہ ہو،لہٰذا مذہب اور سائنس میں ٹکراؤ کی کوئی گنجائش اور ضرورت نہیں تھی،لیکن یہ ٹکراؤ کیسے ہوا؟

کلیسا اور سائنس کے ٹکراؤ کے اسباب

پہلی بات تو یہ ہے کہ ٹکراؤ ان دو چیزوں میں ہوتا ہے جو مرتبہ میں برابر ہوں، جب کہ سائنس اور مذہب قطعاً برابر نہیں۔مذہب کی بنیاد وحی پر ہے، جو اٹل اور غیر مبدل ہے، جب کہ سائنس کی بنیاد مشاہدہ اور تجربہ پر ہے جس میں غلطی کا قوی امکان ہوتا ہے، اس لیے سائنس خود کہتی ہے کہ وہ تبدیلی کا امکان رکھتی ہے، مذہب کی بنیاد اصولاً مابعد الطبیعات (Meta Physics) یعنی روحانی دنیا کے حقائق پر ہوتی ہے، جو طبیعی کائنات میں اپنے اصولوں کا اطلاق کر کے انسان کو مابعد طبیعی زندگی (یعنی آخرت) میں کامیاب کرانے کا اہل بناتا ہے اور جو خود اعلان کرتا ہے کہ میں اٹل اور غیر متغیر ہوں، میرے حقائق میں کبھی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی۔طبیعی کائنات سے انسان کے تعلق کو اور اس سے اپنے بقائے جنسی ونوعی کے لیے درکار ضرورتوں کو حاصل کرنے کی محنت مذہب نے صرف اصولی حد تک موضوع بنائی ہے اور حلال وحرام کی واضح تفصیلات فراہم کی ہیں۔باقی اس میدان کی زیادہ تر چیزیں انسان کے عقل وشعور پر چھوڑی ہیں۔دوسری طرف سائنس کا موضوع مکمل دوسرے رخ کا ہے، نہ تو وہ مابعد الطبیعات کو اصولاً موضوع بناتا ہے اور نہ اسے اس سے غرض ہے کہ

File Adress:

ضرورت کی تکمیل کے لیے انسان اشیاء کے استعمال کے لیے کیا طریقہ اختیار کر رہا ہے۔اس کا موضوع طبیعی کائنات میں غور و تدبر ہے اور مشاہدہ و تجربہ کے نتیجے میں کائنات کی قوتوں کی تسخیر ہے۔

لہٰذا جب مذہب اور سائنس دو الگ الگ منہاج (طریقے) ہو گئے، دونوں کے مقاصد الگ ہیں، تو اس میں ٹکراؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سائنس پر بھی مختلف ادوار گزرے ہیں، پہلے دور کی سائنس rudimentry ہے اور معمولی حیثیت کی ہے، اس کے تدبر کا مقصد بھی یہی تھا کہ چیزوں پر غور کر کے کائنات میں چھپے ان رازوں تک رسائی ہو جو اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پہنچائیں لہٰذا سائنس کا جو پہلا دور ہے اس میں کوئی ٹکراؤ نہیں آیا اور وہ دور قبل از تاریخ کا ہے۔

اب رہی بات یہ کہ وسطی دور میں سائنس اور کلیسا کا ٹکراؤ کیوں پیدا ہوا؟ تو میرے بھائی! اس وقت کلیسا مذہب کی حقیقی تعلیمات چھوڑ چکا تھا۔ کلیسا کے پاس اصل مسیحی تعلیمات نہیں تھیں، وہ پولس (ایک یہودی جو عیسائی ہوا لیکن اس نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑا) کی تحریف کردہ تعلیمات تھیں، جنہیں رومی سلطنت نے سیاسی استحکام بخشا تھا، اس وقت کی کلیسا نے اپنی تشریحات کو ارسطو کی منطق اور یونانی فلسفہ سے عقلی استدلال فراہم کیا ہوا تھا باالفاظ دیگر یونانی سائنس اور فلسفہ کو کرسچانائز کیا ہوا تھا (یعنی عیسائی بنایا ہوا تھا) اور یہ بات آپ اہل علم کے سامنے ہوگی کہ ارسطو کا فلسفہ خارجی اور نظر آنے والی کائنات میں بہت کم لاگو ہوتا ہے، وہ زیادہ تر عقلی موشگافیاں ہیں، جن کا عملی زندگی میں کوئی وجود نہیں۔ جب سائنسی غور و فکر میں وسعت ہوئی اور سائنسدانوں نے یونانی فلسفہ کے خلاف تحقیقات منظر عام پر لائیں تو کلیسا کو اپنے مذہبی استدلال کی فکر ہوئی کہ اگر ان سائنس دانوں کی بات چالو ہو گئی تو میرا مذہب جس کی عقلی دلیل یونانی فلسفہ کی بنیاد پر ہے وہ تو دھڑام سے گرے گا، اس

File Adress:

لیے اس نے جدید سائنس کی مخالفت شروع کی تو دراصل یہ جنگ مذہب اور سائنس کی نہ تھی بلکہ قدیم سائنس اور جدید سائنس کی جنگ تھی۔ کلیسا کی غلطی یہ تھی کہ اس نے مذہب کو سہارا فراہم کرنے کے لیے اور مذہبی باتیں عقلی طور پر ثابت کرنے کے لیے غیر اٹل چیز (یونانی سائنس) کو دلیل بنایا جو خود اعلان کرتی ہے کہ میں حتمی اور اٹل نہیں بلکہ ہر لمحہ تبدیل ہونے والی ہوں، لہٰذا جب وہ فلسفہ اور سائنس مسترد ہونے لگا تو نتیجہ میں ان کا عیسائی مذہب بھی مسترد ہونے لگا۔ اگر عیسائیت اپنی اصلی شکل میں ہوتی تو کبھی اس کا تصادم جدید سائنس سے پیدا نہ ہوتا۔

مسلمانوں میں جب بھی کسی نے یہ غلطی کرنے کی کوشش کی ہے تو اس وقت کے اہلِ حق علماء نے اس بات کا راستہ روکا ہے کہ دینی حقائق کا ثبوت سائنس اور فلسفہ سے فراہم ہو۔ جب معتزلہ کا گروہ یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر اسلامی تعلیمات کو یونانی علوم کی بنیاد پر ریشنالائز (عقلی طور پر ثابت) کرنے لگا اور اس کے اثرات عقائد کو متاثر کرنے لگے، حدیث کا انکار ہونے لگا، تو اللہ تعالیٰ نے امام غزالیؒ کو پیدا کیا جس نے یونانی فلسفے پر ایسے وار کیے کہ اس کے در و بام ہلا کر رکھ دیئے اور اسلامی تعلیمات کو اس کے گرداب کی نذر ہونے نہ دیا۔

عرب کے مشہور عالم علامہ طنطاوی نے جب سائنسی بنیادوں پر قرآن پاک کے حقائق کو ثابت کرنے کے لیے تفسیر لکھی تو علامہ یوسف بنوریؒ نے ان کے پاس جا کر کہا کہ شیخ اگر کل سائنس کی یہ تحقیق بدل گئی تو کیا آپ اس کے لیے قرآن کے حقائق تبدیل کریں گے۔ اس پر وہ چونکے اور فرمایا: أنت ملک جئت لھدایتی۔ تو تو فرشتہ ہے جو میری ہدایت کے لیے آیا ہے۔

کلیسا کے ساتھ سائنس کے ٹکراؤ کی دوسری بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کے

File Adress:

سائنس دانوں نے مابعدالطبیعاتی حقائق یعنی خدا، آخرت کی زندگی، جنت جہنم، پل صراط وغیرہ کا انکار کر کے مذہب کو تاریکی کہا۔ مابعدالطبیعات کو نظر انداز کرنے سے جو خلا پیدا ہوا اسے انہوں نے انسان کو خدا کے مقام پر لانے سے پورا کرنا چاہا چونکہ دوسری طرف مسیحیت تحریف شدہ (بدلی ہوئی) تھی اصل مسیحیت نہیں تھی، اس لیے وہ قرآن مجید جیسا اٹل مؤقف اختیار نہ کر سکے اور سائنس کا دائرہ متعین نہ کروا سکے، بلکہ اسے قوت سے کچلنا چاہا۔ اگر عیسائیت سائنس اور مذہب میں تطبیق کی بجائے عالم اسلام کے طریقے یعنی مذہب اور سائنس کی تفریق کے اصول پر چلتی تو کبھی ناکام نہ ہوتی اور نہ ٹکراؤ پیش آتا۔ عیسائیت نے نقل (انبیاء کرام علیہم السلام کی بیان کردہ باتیں) کی بنیاد پر مذہب کی دعوت اور دلیل کو ناکافی سمجھا اور عقل کو اس کے مقام سے بڑھ کر فوقیت دی۔ اس لیے ٹکراؤ پیدا ہوا۔

درمیانی دور میں سائنس کو یہودیت کے ساتھ بھی ٹکرانے کا موقع نہیں ملا کیونکہ یہودیوں کے پاس سائنسی دور میں حکومت ہی نہیں تھی، اس درمیانی سائنسی دور میں مضبوط حکومت چونکہ عیسائیوں کے پاس رہی ہے اور عیسائیوں کے مذہب کی تاریخ ایسی رہی ہے کہ شروع کے تھوڑے سے دور کے بعد ان کی کلیسا اور ان کا شاہی تخت علیحدہ ہو گئے۔ پادری گرجوں میں آ گئے اور فرمانروا تختوں پر بیٹھ گئے اور ایک دوسرے کو چھیڑا نہیں۔ فرمانراؤں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ پادری ہم سے راضی رہیں اور باقی جو کچھ کرتے ہیں کرتے رہیں صرف لوگوں کو ہمارے خلاف کھڑا نہ کریں۔ جب کہ پادریوں نے تحریف شدہ عیسائیت میں مزید تبدیلیاں کرتے کرتے اسے اپنی خواہش نفس کے مطابق ڈھال لیا تھا۔

کلیسا اور سائنس کا تصادم: چند مثالیں

اب جب پادریوں کو خطرہ ہوا کہ جدید سائنس ان کے ان مذہبی نظریات کو رد کر رہی ہے جن کی بنیاد یونانی سائنس (نہ کہ اصل عیسائی تعلیمات) پر ہے تو انہوں نے

File Adress:

بادشاہوں اور حکومتوں کو ساتھ لے کر سائنسدانوں پر وہ مظالم کیے ہیں جن کو پڑھ کر آدمی حیرت میں آ جاتا ہے۔ان میں سے چند ایک مثالیں میں آپ کو سناتا ہوں۔

آرچ بشپ اشر (سب سے بڑا پادری) نے انجیل کے مطالعے سے یہ نتائج نکالے کہ اس دنیا کا آغاز ۲۳ اکتوبر ۴۰۰۴ قبل مسیح میں ٹھیک نو بجے کو ہوا، اب انجیل کو سائنس کی کتاب بنا کر سائنسی اصول اپلائی کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک سائنسدان wycliffe نے علم طبقات الارض اور مختلف ڈھانچوں (fossils) کے مشاہدے اور مطالعے کے بعد آرچ بشپ کے نتیجے سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ زمین کے آغاز کو کئی ہزار سال گزرے ہیں۔کلیسا نے مرے ہوئے سائنس دان کے اس نظریے پر شدید غصے کا اظہار کیا اور اس کی ہڈیوں کو قبر سے نکلوا کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے سمندر میں پھینک دیا کہ یہ ناپاک جسم، اس پاک زمین کو خراب نہ کر سکے۔کلیسا کے اس خوف کی وجہ یہ تھی کہ کلیسا نے ان علوم میں خواہ مخواہ مداخلت کی جو مذہب کے منہاج سے غیر متعلق تھے، یہ مداخلت اگر ایک خاص علمی سطح پر رہتی اور تحمل اور صبر کے ساتھ دینی اور علمی محاسبے کے طور پر ہوتی تب بھی کوئی حرج نہ تھا لیکن یہ ردعمل کے شدید جذبات سے مغلوب تھی، چونکہ کلیسا نے یونانی سائنس کے زیر اثر ہر لمحہ تبدیلی کا امکان رکھنے والے عقلی اور حسی معاملات میں اپنی آراء مذہبی عقائد کے طور پر داخل کر دی تھیں لہٰذا جیسے جیسے عقلی علوم ان تغیر پذیر معاملات میں تبدیلی کی وجہ سے نت نئی رائے دیتے، کلیسا کا غصہ بڑھتا بلکہ بھڑکتا چلا جاتا۔کلیسا یہ بات نہ سمجھ سکا کہ عیسائی مذہب میں مذہب اور قدیم سائنس کی تطبیق (Coordination، اکٹھا کرنا) کو نئی سائنس کی ایجاد سے جن سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے اس کا علاج اس تطبیق سے دست برداری، انکار اور تفریق ہے نہ کہ جدید سائنس سے ٹکراؤ۔لیکن کلیسا کے لیے ان لذتوں اور مزوں کو چھوڑ ناممکن نہیں تھا، جس سے وہ اسی تطبیق کے اصول کی بنیاد پر دو ہزار سال سے فائدہ اٹھا

File Adress:

رہا تھا۔

زمین کو ساکن قرار دینے کے بعد زمین کے طول وعرض اور محیط کے بارے میں کلیسا نے خواہ مخواہ مذہبی بنیادوں پر مداخلت کر کے عجیب وغریب آرا کا انبار قائم کیا۔ اس نے سینٹ آگسٹین کی تقلید میں کئی صدیوں تک یہ عقیدہ رکھا کہ مخالف ارض سمت میں انسانی آبادی وجود ہی نہیں رکھتی اور اگر (opposite side of earth) کوئی خطہ زمین میں پایا بھی جاتا ہے تو اس میں انسان نہیں بستے۔

علم ارضیات (geology) کے بہت سے نظریات قیاسِ محض، مفروضات، گمان اور کلیسا کے سائنسی عقائد سے مختلف تھے، لہٰذا یہ علم بھی کلیسا کی نظر میں معیوب ٹھہرا اور اس کے حامل سائنس دان بت پرست، مشرک، جاہل اور معتوب (غصے کا شکار) قرار پائے۔ کلیسا نے اس علم کو غیر قانونی، سیاہ حقیقت (dark art) قرار دیا اور اس علم کے فضلا (Graduates) کو کلیسا نے مقدس دنیا کے سفید لباس پر کالا داغ قرار دیا۔

طوفانی آندھی، بجلی کوندنا اور تیز بارش سے متعلق بھی کلیسا نے مداخلت کی، اسے شیطان کی کارستانیاں اور جادو سمجھا، اور اس کے طبعی اسباب سمندروں سے بخارات کا اٹھنا، بادل بننا اور اس سے بارش برسنا سے انکار کیا۔ یہ بالکل غیر معقول رائے تھی، پوپ گریگوری کے حکم پر طوفان کو ٹالنے کے لیے کلیسا میں گھنٹیاں بجائی جاتیں۔ ۷ دسمبر ۱۴۸۴ء کو ایک پوپ نے فرمان جاری کیا اور جرمنی کے اہل کلیسا کو حکم دیا کہ وہ ان جادوگرنیوں کو تلاش کرے جن کے کرتوتوں سے موسمیاتی تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ لہٰذا ہزاروں عورتوں کو جادوگرنی قرار دے کر سزائیں دی گئیں اور ان کو قتل کیا گیا۔

۳۹۰ء میں تھیوفلس نے اسکندریہ یونیورسٹی میں پانچ لاکھ کتابیں جلائی ہیں، اس بناء پر کہ یہ سائنسی کتابیں ہیں اور ان سے ہمیں نقصان ہو رہا ہے اور اپنے دور کے

File Adress:

سائنسدانوں کے ساتھ سخت ٹکراؤ کیا ہے۔تھیوفلس کی موت کے بعد سائرس اس کی گدی پر بیٹھا اور اس گدی نشین نے اسکندریہ کی مشہور سائنسدان ہائی پیشیا Hypesia جس کا اسکندریہ میں اپنا ادارہ تھا اور وہاں اس کے لیکچر ہوتے تھے اور لوگ آ کر سنتے تھے اور وہ جب کائنات کے حقائق کو بیان کرتی تھی تو لوگ اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس کا بہت بڑا حلقہ بن گیا تھا، اس کا سائنسی طرز عمل تھا جس سے پادریوں کا دھندہ ٹوٹ رہا تھا تو سائرس کے مریدوں نے ہائی پیشیا پر کالج جاتے ہوئے حملہ کیا اور اس کے کپڑوں کو نوچ کر اسے ننگا کیا اور گھسیٹ کر اسے کلیسا میں لائے اور پوپ کے بڑے ڈنڈے سے اس کا سر توڑا اور پھر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا، اس بات پر کہ یہ مذہب کو خراب کر رہی ہے اور ایسے نظریات سامنے لا رہی ہے جو کلیسا کے زور کو توڑ رہے ہیں اور انسانوں کے عقائد کو خراب کر رہے ہیں۔

سقراط کو اپنے سائنسی خیالات کے ظاہر کرنے پر اور نوجوان نسل کے اس سے متاثر ہونے پر زہر کا پیالہ پلا کر قتل کیا گیا ہے۔ پولینڈ کے کوپرنیکس نے اس نظریے کو کہ زمین مرکزِ کائنات ہے رد کیا، اس نے کہا کہ زمین مرکز کائنات نہیں ہے بلکہ یہ گردش کر رہی ہے لیکن اس نے اپنی کتاب کو کئی سال تک چھپائے رکھا اس خطرہ سے کہ اگر یہ کسی پادری کے ہاتھ لگ گئی تو میرا جو حشر ہوگا وہ قابل برداشت نہیں ہوگا۔ بہرحال جب وہ پادریوں کے ہاتھ چڑھا تو انھوں نے اسے جیل میں ڈالا یہاں تک کہ جیل میں ہی اس کی موت ہوئی۔ اس کے بعد گیلیلیو آیا، اسے عمر قید کی سزا دی گئی۔ بعد میں اسے قتل کر دیا گیا۔

اٹلی کے مشہور فلسفی برونو کو ۱۶۰۰ء میں عیسائی عدالت نے زندہ جلایا۔ ڈریپر لکھتا ہے کہ اسی طرح ڈیتی اور ہیروئس کو بھی زندہ جلایا گیا اور وان دی ڈائنس کو کلیسا نے جیل میں ڈالے رکھا یہاں تک کہ جب اس کی موت واقع ہوگئی تو اسے نکالا گیا، اس کی ساری سائنسی

File Adress:

کتابوں کو نیچے رکھا گیا اوپر اس کو رکھا گیا اور آگ جلائی گئی اور اس کو اس میں جلایا گیا۔

کلیسا کا سب سے بڑا ٹکراؤ جو سائنسدانوں کے ساتھ آتا تھا وہ اس بات پر آتا تھا کہ زمین گول ہے۔ پادری کہتے تھے کہ اگر زمین گول ہے تو جو انسان نیچے کی طرف چلے گئے وہ گرتے کیوں نہیں ہیں، اور یہ جو بائبل میں آیا ہے کہ حساب کتاب کے دن اللہ تعالیٰ آسمان سے آئے گا تو اوپر والے لوگوں کو نظر آئے گا یا نیچے والے لوگوں کو نظر آئے گا؟ بائبل تو کہتی ہے کہ سب کو نظر آئے گا۔ کلیسا کے زمین کے مرکز کائنات ہونے کا یہ نظریہ ارسطو کا بھی تھا، عیسائیوں کے مذہبی سائنسدان بطلیموس اور ٹالمی بھی یہی کہتے رہے، لہٰذا یہ مذہب اور سائنس کا نہیں بلکہ جدید وقدیم سائنس کی ٹکر تھی۔ ہاں اہل مذہب کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے قدیم سائنس کو اپنی دلیل بنایا ہوا تھا۔

اہل اسلام اور جدید سائنس

اب مسلمانوں کی طرف آئیں۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کو اگر دیکھیں تو قرآن پاک کی آیات عجیب بحث کر رہی ہیں:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝ (البقرہ: ۱۶۴)

ترجمہ: یقیناً زمین وآسمان کے پیدا کرنے میں اور دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں اور سمندر میں چلنے والے جہازوں میں جو کہ نفع کی چیزیں لے کر چل رہے ہیں اور آسمان سے جو اللہ تعالیٰ پانی نازل کر رہا ہے اس سے جو اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس میں سارے چوپائے جو پرورش پا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا مسخر کیا ہوا بادل جو زمین و

File Adress:

آسمان کے درمیان ہے ان میں سمجھ والے لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

اکتشاف کے لیے غور و تدبر کی تلقین اور اس کے لیے بنیادیں فراہم کرنے کی حد تک تو خود قرآن نے جدید سائنس کی بنیاد رکھی ہے اور انسان کو بتایا کہ اوپر خالق ہے اور نیچے تو اشرف المخلوقات اور سب سے زیادہ superior ہے اور کائنات تیری خادم ہے۔ سانپ تیرا خدا نہیں ہے، پہاڑ تیرا خدا نہیں ہے، دریا تیرا خدا نہیں ہے بلکہ یہ سب مخلوقات ہیں اور تیرے غور کرنے کے لیے ہیں اور تیرے تسخیر کرنے کے لیے ہیں۔ انسان کے ذہن پر صدیوں سے جو تالا پڑا ہوا تھا وہ کھلا اور انسان نے غور و فکر شروع کیا۔

اب قرآن اور مسلمانوں کا سائنس کے ساتھ ٹکراؤ کیوں نہیں آیا؟ اس میں ایک بات بنیادی کردار ادا کرتی ہے جس کی طرف میں پہلے بھی اشارہ کر چکا ہوں، وہ یہ ہے کہ مسلمان علماء نے اس بات کو واضح طور پر بتایا کہ قرآنِ پاک سائنس کی کتاب نہیں ہے۔ قرآن پاک کا تعارف اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کتاب کے طور پر کرایا ہے۔ اس ہدایت کی کتاب نے اپنے مضمون کو آیاتِ آفاقی اور آیاتِ انفسی کی شکل میں ضرور بیان کیا ہے (آیات آفاقی قرآن پاک کی وہ آیات ہیں جو کائنات میں بکھرے ہوئے حقائق کو بطور مثال سامنے رکھ کر اپنے ہدایت کے مضمون کو بیان کر رہی ہیں، اور آیات انفسی قرآن پاک کی وہ آیات ہیں جو انسان کے اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان کو بطور مثال سامنے رکھ کر اپنا مضمون ذہن نشین کرا رہی ہیں) انہوں نے کہا کہ یہ عام فہم مثالیں گرد و پیش سے قرآن پاک نے اپنے مضمون کو بیان کرنے کے لیے لی ہیں لہٰذا قرآن کے ذمہ یہ بات ہے ہی نہیں کہ وہ سائنسی حقائق کو جس طرح سائنس بیان کرتی ہے اس طرح بیان کرے۔ لہٰذا شروع دن سے ہی صحیح اہل علم جو اس پائے کا علم رکھتے تھے جن کی بات چلتی ہے اور مانی جاتی ہے انھوں نے اس ٹکراؤ میں آنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ انھوں نے یہ کہا کہ اس سے

File Adress:

عقیدہ خراب ہورہا ہے۔

اب اس سلسلے میں تین چار باتیں میں آپ کو سناؤں جو ہمارے سامنے پاکستان میں گزریں۔ زمین کے گول ہونے کا نظریہ ہم سکول میں پڑھنے لگے تو ہمارے گاؤں کے دیہاتی ہمیں گلیوں میں پکڑتے تھے اور پوچھتے تھے زمین گول ہے؟ ہم کہتے تھے: ہاں! گول ہے، تو کہتے تمہاری ایسی کی تیسی تم کفر بک رہے ہو۔ اب ہم کیا کریں پرچے میں اس کو لکھنا ہوتا تھا اور اس کے بغیر آدمی پاس نہیں ہوتا تھا۔ قرآن پاک تو کہتا ہے:

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِکَ دَحٰھَاO (النازعات: ۳۰)

{اور اس کے بعد زمین کو بچھایا}

جب یہ بات اہل علم کے پاس آئی تو انھوں نے کہا کہ قرآن پاک نے عام آدمی کی سطح کو سامنے رکھ کر اپنا اصل مضمون ذہن نشین کروایا ہے کیونکہ عام مشاہدہ تو یہی ہے کہ زمین فرش کی طرح بچھی ہوئی نظر آتی ہے اور انسان اس میں زراعت وغیرہ کرتا ہے۔ آیت اس کے بارے میں ہے۔ یہاں گول ہونے پر تو کوئی بحث ہی نہیں ہے اور زمین کا گول ہونا اس آیت کے لحاظ سے عقیدے کا مسئلہ ہی نہیں ہے کہ اگر عقیدہ اس کے مطابق رکھا جائے تو آدمی مسلمان ہو اور اگر نہ رکھا جائے تو کافر ہو۔

چاند پر پہنچنے کی بات آئی تو اس کے متعلق گاؤں میں جھگڑے ہوئے۔ مجھے یاد ہے کہ ہم سنتے تھے، ایک دوسرے کو کہتا تھا وہ کہتے ہیں کہ چاند پر چلا گیا ہے تو دوسرا جواب دیتا کہ سب جھوٹ بولتے ہیں، کافر ہیں، مرتد ہیں۔ چاند تو فلک رابع پر ہے اور یہ وہاں تک کیسے پہنچ گئے؟ اب یہ بات چلتی رہی یہاں تک کہ مولانا یوسف بنوری صاحبؒ نے اپنے رسالہ بینات میں اس پر توضیحی مضمون لکھا۔ علم ہیئت کے یونانی فلسفہ پر مشتمل کتابیں جو مدارس میں پڑھائی جاتی تھیں ان میں یہ باتیں تھیں کہ فلک خرق اور التیام کو قبول نہیں کرتا

File Adress:

یعنی اس میں جوڑ توڑ نہیں ہو سکتی، ہمارے علماء تو اس پر رد کرتے ہیں اور غالباً یہ فلسفہ مدارس میں رد کے لیے پڑھایا جاتا ہے اب اس کا یہ نظریہ قطعاً قرآن وحدیث میں آئی ہوئی بات نہیں تھی کہ جس کو بنیاد بنا کر چاند پر پہنچنے کا معاملہ عقیدے کا مسئلہ بنایا جاتا۔ بلکہ اہل علم نے کہا کہ یہ بات تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی تائید کر رہی ہے کہ انسان اوپر بھی جا سکتا ہے، لہٰذا یہ بات ہمارے مذہب کے خلاف نہیں جا رہی بلکہ ہمارے مذہب کے حق میں جاتی ہے۔

ہمارے گاؤں کا واقعہ ہے کہ ایک آدمی نو میل دور تحصیل مانسہرہ سودا لانے کے لیے گیا، اس وقت گاڑیاں نئی نئی آئی تھیں جب واپس آیا تو اس نے کہا کہ مانسہرہ میں تو بارش تھی اور یہاں نہیں ہے۔ اس پر دس سورتوں والے علم کے امام صاحب نے کہا (چپ شہ کافرہ، التی بیل خدائے دے، دلتہ بیل خدائے دے) چپ ہو جاو کافر کیا وہاں دوسرا خدا ہے اور یہاں دوسرا خدا ہے۔ کیا وہاں دوسرا خدا ہے اور یہاں دوسرا خدا ہے کہ وہاں بارش برس رہی ہے اور یہاں نہیں برس رہی؟ اب مذہب کے میزان میں اس مولوی صاحب کے کفر کا فتویٰ احمقانہ بات تھی۔

ایک واقعہ میرے ساتھ ہوا، ہم اسلامیہ کالج میں ۱۹۶۴ء میں داخل ہوئے۔ ہمارا ایک ساتھی صحت کے لحاظ سے ذرا کمزور تھا، اس کے ساتھ والد صاحب نے نوکر بھیجا ہوا تھا کہ یہ ڈرے نہیں اور اس کو کوئی مارے نہیں۔ وہ سارا دن پاس رہتا تھا اور ہماری باتیں سنتا رہتا تھا۔ اس کو بڑا افسوس ہوا کہ سارے لڑکے کافر ہو گئے ہیں۔ اس نے میرے بارے میں سوچا کہ یہ ذرا نماز پڑھتا ہے پتہ نہیں یہ بھی کافر ہو گیا ہے یا نہیں۔ اس نے مجھ سے کہا: بچے! یہ لڑکے کہتے ہیں کہ سمندر سے بخارات اٹھتے ہیں اور بارش اس سے ہوتی ہے۔ میں نے کہا: ہاں! کاکا جی ایسے ہی ہے۔ اس نے کہا: توبہ اور کان پکڑ لیے اور اس کو بڑا افسوس ہوا

File Adress:

کہ ان میں جولڑکا نماز پڑھتا تھا وہ بھی کافر ہوگیا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ میرے بارے میں اس کا بڑا غلط تاثر ہو جائے گا، تو میں نے اس سے کہا: نہیں کا کا جی! یہ تو میں نے ایسے ہی مذاق میں بات کہہ دی ہے، بارش تو اللہ تعالیٰ برساتا ہے بخارات سے نہیں ہوتی۔ وہ بڑا خوش ہوگیا کہ ایک آدمی کا ایمان تو بچا ہوا ہے۔اب یہ ایک دیہاتی آدمی کی اپنے محدود علم کی روشنی میں جو اس نے اپنے گاؤں میں استاد جی سے سنا تھا کے مطابق سوچ ہے، استاد جی کے بس میں بھی اتنا ہی تھا کہ اسے اتنا ہی سمجھاتا، کیونکہ دیہاتیوں کو سائنسی حقائق سمجھانا مشکل بھی ہے اور ان سے غیر متعلق بھی۔

فقہ کی کتابوں میں ایک مسئلہ ہے کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، عام کتابوں میں یوں ہی لکھا ہوتا ہے، لیکن جو کتاب اس کے اصول وقواعد پر بحث کرتی ہے، اس میں لکھا ہوا ہے کہ کیونکہ کان سے جوفِ دماغ تک راستہ ہے اور دماغ سے جوفِ معدہ تک راستہ ہے۔ بطور ڈاکٹر اس مسئلے کے ساتھ میرا اختلاف تھا، اب میں کسی کو کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اتفاقاً ایک دفعہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کی مجلس میں اہل علم حضرات جمع تھے جن میں ہمارے پشاور یونیورسٹی کے ڈین آف اسلامک سٹڈیز مولانا سعید اللہ جان صاحب مازارہ والے بھی تھے۔ کسی نے مسئلہ پوچھا کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹتا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں ٹوٹتا ہے۔ میں نے کہا کہ کیسے ٹوٹتا ہے؟ مجلس میں کوئی عالم تھے، انھوں نے کہا کہ کان سے جوفِ دماغ تک راستہ ہے اور وہاں سے جوفِ معدہ تک راستہ ہے۔ میں نے کہا یہ راستہ تو نہیں ہے، external ear اور middle ear کے درمیان پردہ ہے اور وہ پورا بند ہے، اس سے دماغ کو راستہ ہی نہیں ہے، اگر بالفرض دماغ تک راستہ ہو بھی تو دماغ سے معدے کو راستہ ہی نہیں ہے، اور روزہ کے ٹوٹنے کا اصول یہ ہے کہ حلق سے جو چیز نگل کر اتر جائے۔ ایک آدمی بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے میری ڈانٹ

File Adress:

ڈپٹ کی کہ آپ علما کے سامنے کیا باتیں کہہ رہے ہیں، اس نے مجھے چپ کرا دیا، میں تو مارے ڈر کے خاموش ہو گیا۔ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب بولو آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ میں نے سوچا کہ بات ذرا اصولی کرنی چاہئے، سب سے قیمتی چیز انسان کے پاس اس کا عقیدہ اور نظریہ ہوتا ہے، ایمان اگر چلا جائے تو آدمی کی شخصیت ہی ختم ہو گئی۔ میں نے کہا: عرض یہ ہے کہ کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹنے والی بات قرآن پاک کی آیت یا حدیث میں آئی ہوئی ہے؟ حضرت مولانا اشرف صاحب غور کرنے لگ گئے۔ مولانا سعید اللہ جان صاحب نے کہا کہ یہ بات قرآن وحدیث میں تو نہیں آئی ہوئی ہے، بلکہ اس بات کو اس دور کے فقہا نے اس دور کے طبیبوں اور حکیموں سے پوچھ کر لکھا ہے، آج کی طب اگر اس مسئلے کو رد کر دے تو اس مسئلے کی بنیاد نہیں رہے گی۔

تو بفضلہٖ تعالیٰ جس جگہ بھی ٹکراؤ آئے گا، اس جگہ آپ دیکھیں گے کہ غلطی بیان کرنے والے کی ہوگی۔ اس کے بعد اس بات کو میں نے مضمون کی شکل میں اپنے رسالے میں لکھا جس پر پورے پاکستان میں اس کے خلاف لے دے ہوئی۔ کچھ مفتی صاحبان نے مجھ سے رابطہ کیا۔ کراچی کے مفتی صاحبان نے اپنے طور پر ڈاکٹروں سے رابطہ کیا۔ سب نے یہ بات بتائی کے باہر کے کان اور اندر کے کان کے درمیان ایک پردہ اگر وہ پھٹا ہوا نہ ہو تو دوائی کی اندر جانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اگر پھٹا ہوا ہو تو دوائی اندر کے کان میں جاتی ہے وہاں سے ایک باریک نالی کے ذریعے حلق تک پہنچ سکتی ہے لیکن یہ نفوذ ایسے ہی ہے جیسے آنکھ میں ڈالی ہوئی دوائی ایک اندرونی نالی کے ذریعے ناک میں اترتی ہے۔ اگر آدمی لیٹا ہوا ہو تو یہ حلق میں پہنچ سکتی ہے۔ لیکن آنکھ میں ڈالی ہوئی دوائی پر روزے کے ٹوٹنے کا مسئلہ کسی فقہ کے امام نے نہیں مانا ہوا۔ اس ساری بحث سے یہ خوشی ہوئی کہ ہمارے علماء دلائل وحقائق کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں اسی بنا پر مسلمانوں کا سائنس کے ساتھ کبھی

File Adress:

ٹکراؤ نہیں ہوا۔

آیات اکتشاف کا مقصد معرفت رب ہے

قرآن پاک نے توحید کا مضمون چار واسطوں سے بیان کیا ہے، آیاتِ آفاقی، آیاتِ انفسی اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ۔ اس میں کائنات اور اس کی موجودات کے حقائق کو بیان کرنے والی جتنی آیات ہیں جنہیں مفسرین آیات اکتشاف کہتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد ان میں غور وتدبر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا اور توحید تک پہنچنا ہے۔ ان سے اگر تسخیر کائنات کے فوائد حاصل ہوتے ہیں تو وہ ثانوی درجے کی چیز ہے۔ اس کا اصلی مقصد سے کوئی تعلق نہیں۔

آیات آفاقی میں کائنات میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بیان ہوئی ہیں جس کے بارے میں آیت میں فرمایا گیا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ۔ (حم السجدہ: ۵۳)

''ہم عنقریب ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں ان کے گردونواح میں بھی دکھادیں گے۔''

آیات انفسی میں انسان کے اپنے بدن میں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ان کو لیا گیا ہے:

وَ فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ (حم السجدہ: ۵۳)

''اور خود ان کی ذات میں بھی اور یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن حق ہے۔''

تذکیر بایام اللہ میں گزشتہ قوموں کے واقعات سنا کر اور تذکیر بآلاء اللہ میں انسان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ کر کے ہدایت کے مضمون کو بتایا گیا ہے۔

File Adress:

ہم آیات آفاقی اور آیات انفسی کو لیتے ہیں۔ آیات آفاقی اور آیات انفسی جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں سو فیصد ان سے مطابقت رکھتی ہیں،صرف ایک آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا۔(یسین:۳۸) { کہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چل رہا ہے } ایسی ہے جس کی مطابقت پرانے سائنسی نظریے سے نہیں تھی کیونکہ ۱۹۱۷ء سے پہلے سائنسی نظریہ یہ تھا کہ سورج ساکن ہے اور زمین اس کے گرد گھوم رہی ہے جب کہ قرآنی نظریہ یہ ہے کہ سورج ساکن نہیں ہے۔ اس دور میں لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ اس تفسیر کو بدل کر کسی طرح جدید سائنس کے مطابق کر دیا جائے لیکن علماء نے سختی سے اس کی تردید کی اور کہا کہ ہمارا یہ یقین ہے کہ سائنس کی یہ غلطی درست ہوجائے گی چنانچہ ۱۹۱۷ء میں شیلے کا نظریہ سامنے آیا جس کے مطابق سورج اپنے پورے نظام شمسی کو لیے ہوئے اپنی گلیکسی میں ایک سو پچاس میل فی سیکنڈ کی رفتار سے کسی نامعلوم منزل کی طرف چل رہا ہے۔

آیات آفاقی میں سے بارش اور بادل عجیب مظاہر قدرت ہیں۔ پرانے زمانے کا نظریہ رہا ہے کہ آسمانوں پر ایک سمندر ہے اس کا پانی جب آسمان دنیا پر آجاتا ہے تو اس کے سوراخوں میں سے چھن چھن کر بارش بن کر برستا ہے۔ ارسطو کا نظریہ تھا کہ کنوؤں سے نکلنے والا پانی زیر زمین ایک بہت بڑی جھیل سے نکلتا ہے۔ مسلمانوں نے قرآن مجید کی آیات اوران سائنسی نظریات میں کبھی تطبیق کی کوشش نہیں کی، اور ہمیشہ اپنا عقیدہ قرآن کے مطابق رکھ کر اس بات کا یقین رکھا کہ یہ نظریات غلط ہیں یہاں تک کہ جدید سائنس نے سمندر سے بخارات کا اٹھنا اوران کا بادل بننا پھر بادلوں کا ہوا کے ذریعے حرکت کرنا اور دور دراز علاقوں میں جا کر برسنا بیان کیا جب کہ یہ حقائق چودہ سو سال پہلے قرآن مجید میں بالکل اسی طرح بیان کیے گئے ہیں:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ

File Adress:

خِلٰلِهٖ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ۔ (النور: ۴۳)

ترجمہ: کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ (ایک) بادل کو (دوسرے بادل کی طرف) چلتا کرتا ہے (اور) پھر اس بادل (کے مجموعہ) کو باہم ملا دیتا ہے پھر اس کو تہ بتہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے بیچ میں سے نکلتی ہے اور اسی بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس (کی جان پر یا مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے۔

اور دوسری آیت میں ہے:

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ۔ (فاطر: ۹)

ترجمہ: اور اللہ ایسا قادر ہے جو بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے اور پھر وہ ہوائیں بادلوں کو اٹھاتی ہیں اور پھر ہم اس بادل کو خشک قطعہ زمین کی طرف لے جاتے ہیں پھر ہم اس کے پانی کے ذریعے سے زمین کو زندہ کرتے ہیں، اس طرح قیامت میں آدمیوں کا جی اٹھنا ہے۔

آج صبح میں علامہ شمس الحق افغانی صاحب کی کتاب دیکھ رہا تھا، اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ پاکستان و ہندوستان کی جو بارش ہے اس کے لیے اگر سورج نہ ہو اور پانی سے ہم بخارات بنانا چاہیں تو اس کے لیے ساری دنیا کا بجٹ مل کر وہ توانائی نہیں دے سکتا جو کہ کراچی کے سمندر سے پاکستان ہندوستان کے لیے بخارات کو اٹھا کر ہوا پر سوار کرے، اور پھر اس کو لے کر جانا اور اس کو برسانا پھر اس کے ساتھ دو قسم کے سٹور کرنا ایک برف کی شکل میں سال بھر کے لیے اور ایک بارش کی شکل میں عارضی، ایک درمیانہ قسم کا سٹور چشموں کی

شکل میں اور ایک ذرا گہرا سٹور کنوؤں کی شکل میں بنانا۔ اس کو سب سے پہلے قرآن پاک نے چودہ سو سال قبل بیان کیا اور سارے فلسفے جو چل رہے تھے ان کو اکھاڑ پھینکا، اور ایسے سادہ الفاظ میں ہے کہ اس میں اتنی سائنسی ہیچ پیچ کی اور اتنی بحثوں کی ضرورت نہیں ہے۔

اس کے بعد آپ آئیں! کائنات کے جیالوجی، آرکیالوجی، جغرافیہ، فزکس اور کیمسٹری کے رخ کے حقائق ہیں، ان کو پڑھیں۔ خصوصاً جو دانشور ہیں، پروفیسر صاحبان اور ذہین طلباء ان کی عقل کو چکرا کر رکھ دے کہ قرآن کیسے خطاب کرتا ہے۔

میں ایک دفعہ درسِ قرآن دے رہا تھا جس میں جغرافیہ کا ایک پی۔ایچ۔ڈی پروفیسر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے ایک آیت پڑھی: وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا (ہم نے پہاڑوں کو زمین کی میخیں بنایا)، تو اس نے کہا: سبحان اللہ! یہ تو ہمارے جغرافیہ کا فلاں نظریہ ہے کہ ایک ایک میل، دو دو دو میل، چھ چھ اور سات سات میل تک پہاڑ میخ کی شکل میں زمین کے اندر جا رہے ہیں۔ اگر ہمالیہ کا سلسلۂ کوہ نہ ہوتا تو برصغیر پاک و ہند کی زمین بہہ کر سمندر میں گر چکی ہوتی لیکن کوہ ہمالیہ کی میخوں نے اس کو روکا ہوا ہے۔

اسی طرح ہر مضمون کے حقائق ہیں، آپ میڈیکل سائنس کی طرف آئیں ایک واقعہ کی شکل میں آپ کو بتاؤں: ۷۶۔۱۹۷۵ء کی بات ہے جب کہ کیمونزم کی زبردست دعوت پاکستان میں آرہی تھی، ہمارے کالج کے چند پروفیسر صاحبان کہا کرتے تھے کہ ہم کیمونسٹ ہو گئے ہیں، ایک پروفیسر صاحب میرے استاد بھی تھے، میں جب بطور سٹاف ممبر آیا تو ان کی خدمت شروع کی وہ چپڑاسی سے کہیں کہ پانی لاؤ تو میں اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیتا، وہ کہیں چائے ڈالو تو میں اٹھ کر ڈال دیتا اس طرح ان سے بڑی دوستی ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ ان کو میں توحید کی دعوت دوں گا۔ میں نے ایک دن ان کے سامنے یہ آیتیں پڑھیں:

File Adress:

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (المؤمن: ۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اس نطفہ کوخون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو (گوشت کی) بوٹی بنادیا پھر ہم نے اس بوٹی (کے بعض اجزاء) کو ہڈیاں بنادیا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) اس کو ایک دوسری ہی (طرح کی) مخلوق بنادیا،سوکیسی بڑی شان ہے اللہ کی جوتمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ط (الزمر:٦)

ترجمہ:تم کو ماؤں کے پیٹ میں ایک کیفیت کے بعد دوسری کیفیت پر بناتا ہے تین تاریکیوں میں۔

یہ آیتیں ہمارے میڈکل کے مضمون امبریالوجی کے بارے میں ہیں۔ یہ مضمون ماں کے پیٹ میں بچے کے بننے کے بارے میں بحث کرتا ہے۔ ترجمہ سے اس کو حیرت ہوئی کہ آج کے دور کی سائنس نے جس چیز کو اتنی تحقیقات کے بعد بیان کیا وہ چودہ سوسال پہلے علمی دنیا سے کوسوں دور ایک اُمی لقب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کتنے واضح انداز میں بصورت کلام الٰہی بیان ہوئی ہیں۔تو خلاصہ یہ ہے کہ یہ ساری آیات اوران کے اندر سے نکلنے والی باریکیاں اورحقائق انسان کوآمادہ کررہی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحیداور ربوبیت کا قائل ہوجائے اورشرک چھوڑ دے، نیز یہ حقائق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے اورقرآن کے وحی ہونے کے شاہد عدل ہیں۔

مسلمان سائنس دانوں کی خدمات

مسلمان سائنسدانوں نے اسی تناظر میں سائنس کے اندر بے پناہ خدمات انجام دیں،اورانہوں نے اپنی تحقیقات سے انسانیت کوسکھ چین اورراحت پہنچانے میں اللہ تعالیٰ

File Adress:

کی رضا کے لیے قوتیں صرف کیں اور جدید دور کو ایک بنیاد فراہم کی جس پر کام کر کے اس دور والے آگے بڑھے اور موجودہ ترقی ہوئی۔ اس سلسلے میں سپین میں مسلمانوں کی یونیورسٹی نے سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ڈاکٹر گلبرٹ جس کا نام آپ کی فزکس میں مقناطیسیت کے تحت لکھا ہوا ہے، قرطبہ یونیورسٹی کا پڑھا ہوا تھا۔

ایک انگریز مصنف اپنی کتاب ''میکنگ آف ہیومینٹی'' میں لکھتا ہے: ''مسلمانوں نے سائنس کے شعبہ میں جو کردار ادا کیا وہ حیرت انگیز دریافتوں یا انقلابی نظریات تک محدود نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کی ترقی یافتہ سائنس ان کی مرہون منت ہے۔''

ایک دوسرا انگریز مصنف جان ولیم ڈریپر اپنی کتاب ''یورپ کی ذہنی ترقی'' میں لکھتا ہے:

''مسلمانوں نے سائنس کے میدان جو ایجادات کی ہیں وہ بعد میں یورپ کی ذہنی اور مادی ترقی کا باعث بنیں۔''

آٹھویں صدی سے بارہویں صدی عیسوی میں مسلمان سائنسدان چھائے ہوئے تھے، جس وقت مسلمان سائنس میں نئی نئی ایجادات اور انکشافات کر رہے تھے اس وقت سارا یورپ جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا جب کہ یہ مسلمانوں کا دور عروج تھا۔

اگر یہ کہا جائے کہ دنیا ابھی تک البیرونی جیسا جامع سائنس دان پیش نہ کر سکی تو غلط نہ ہو گا۔ جو بیک وقت ماہر طبیعات، ماہر لسانیات، ماہر ریاضیات، ماہر ارضیات، جغرافیہ دان، ادیب، طبیب اور مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ شاعر اور کیمیادان بھی تھا۔ اس نے ایک سو اسی کتابیں لکھیں، اس نے ثابت کیا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس نے فلکیات میں اتنی اہم تحقیقات پیش کیں کہ آج کی سائنس بھی اسے بابائے فلکیات کہتی ہے۔

بوعلی سینا کی کتاب القانون جو کہ بیس جلدوں میں عربی میں ہے، جب آج کا ڈاکٹر

File Adress:

اس کو پڑھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا کہ آج کی اناٹومی،فزیالوجی کی روشنی میں جو اصول بیان کیے گئے ہیں اس نے ان واسطوں کے بغیر ان کو بیان کیا ہوا ہے،اور آج کی پیچیدہ پیچیدہ باتوں پر اس کی کتاب میں بحثیں ہیں۔ بوعلی سینا نے تقریباً سو کے قریب تصانیف چھوڑی ہیں۔جن میں طب پر ان کی دوسری مشہور کتاب الشفاء اٹھارہ جلدوں میں ہے۔اس کے بارے میں پروفیسر براؤن نے کہا ہے کہ جرمنی کی درسگاہوں میں آج بھی بوعلی سینا کی تحقیقات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

جابر بن حیان کو کیمیا کا بابا کہا جاتا ہے۔ اس نے شورے، گندھک اور نمک کا تیزاب ایجاد کیا، واٹر پروف اور فائر پروف کاغذ بھی جابر بن حیان کی ایجاد ہے۔روشنی پر دنیا کی سب پہلی جامع 'کتاب المناظر' ابن الہیثم نے لکھی، پن ہول کیمرے کا اصول بھی انہوں نے دریافت کیا۔

عمر خیام نے التاریخ الجلالی کے نام سے جو کیلنڈر بنایا وہ آج کل کے رائج شمسی گریگوری کیلنڈر سے زیادہ صحیح ہے۔ابوالقاسم آج بھی سرجری کے امام مانے جاتے ہیں، ان کی مشہور کتاب 'التصریف' میں زخم کو ٹانکا لگانے ،مثانے سے پتھری نکالنے اور جسم کے مختلف حصوں کی چیڑ پھاڑ کے متعلق بتایا ہے، یہ کتاب کئی صدیوں تک یورپ کی طبی یو نیورسٹیوں میں بطور نصاب پڑھائی گئی ہے۔ابوجعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے فلکیات ، ریاضی اور جغرافیہ میں کئی کارنامے کیے، گنتی کا موجودہ رسم الخط انہی کا ایجاد کردہ ہے۔گنتی میں صفر کا استعمال سب سے پہلے انہوں نے کیا۔الجبرا کا علم معلوم کیا اور مثلث ایجاد کی۔الجبرا پر ان کی مشہور کتاب ''حساب الجبر اوالمقالہ'' اٹھارویں صدی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں بطور نصاب پڑھائی گئی ہے۔

محمد بن زکریا نے چیچک کا ٹیکہ ایجاد کیا اور ابوبکر رازی نے چیچک کی ویکسین بیان کی

File Adress:

ہے، جس کو ۱۷۲۱ء میں لیڈی مارٹن کسی سفیر کی بیوی ہے، اس نے سیکھا اور پھر جا کر اپنے ڈاکٹروں کو بتایا اور پھر وہاں اس پر کام ہو کر موجودہ شکل میں یہ ہمارے پاس آئی۔

چیچک کے مریض کے دانے کو پھوڑ کر پیپ نکال کر پیپ والی سوئی آدمی کے بدن میں لگا دیتے تھے تو آدمی کا علاج ہو جاتا تھا اور مرنے سے بچ جاتا تھا، پھر یورپی سائنس دانوں نے اس پر مزید کام کیا اور معلوم کیا کہ ان گوالوں کو جو اپنے ہاتھوں سے گائے دوہتے ہیں چیچک نہیں ہوتی ہے، ان کے ہاتھوں پر کچھ دانے ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ چیچک کا جو گائے والا جراثیم ہے اس سے انسان کو چیچک تو نہیں ہوتی ہے لیکن اس کی مدافعت (immunity) پوری ہو جاتی ہے، لہٰذا اب بچھڑوں کے چیچک کے دانوں کا جو کھرنڈ ہوتا ہے اس سے مواد لے کر ویکسین بناتے ہیں اور علاج کرتے ہیں۔ دراصل کئی ایسی چیزیں ہیں جو کہ نباتات اور حیوانات میں ہیں اور چونکہ انسان اس جدید شہری زندگی میں 'جو موجودہ مغربی فکر و فلسفہ کی پیدا کردہ ہے' نباتات اور حیوانات سے دور ہوتا جا رہا ہے اس لیے اس کے مسائل زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔

File Adress:

ابن یونس نے پنڈولیم کا اصول ایجاد کیا، جب کہ ابوالحسن نامی ایک مسلمان سائنس دان نے دوربین ایجاد کی۔ 'انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے' یہ نظریہ سب پہلے ابن نفیس نے پیش کیا، مسلمانوں کے اس دور میں ابن بیطار علمِ نباتات کا ماہر گزرا ہے، اور ابن العوام نے علم زراعت پر کتاب لکھی ہے۔ علامہ دمیریؒ کی کتاب حیات الحیوان حیوانات کے بارے میں معلومات کا ایک دلچسپ اور عجیب مجموعہ ہے۔

مسلم اور مغربی سائنسدانوں میں بنیادی فرق اور اس کے اثرات

مسلمانوں نے یہ تحقیقات علم کے فروغ، انسانوں کو ضروریات کی فراہمی میں آسانی دینے اور اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت سے آگاہی پانے کے لیے کیں، اس میں باطن

کو سنوارنے کے اہم اسلامی اقدار (اصول) جو تصوف کا موضوع ہیں یعنی خیر خواہی، راحت رسانی، حب مال، اسراف وتبذیر اور خواہش نفس کی پیروی سے پرہیز، انسانیت کو نقصان پہنچانے والی ایجادات اور تباہ کن دریافتوں سے احتراز شامل تھے۔ اس لیے سائنس جب تک مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، اس سے دنیا مفت مستفید ہوتی رہی اور کبھی یہ دنیا کے لیے پریشانی کا باعث نہ بنی، کیونکہ یہ ان بلند اقدار اور وحی کی تعلیمات کے ماتحت تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دیئے۔

سلطان ناصر الدین قالاونؒ نے مصر میں مستشفیٰ ناصریہ کے نام سے ایک ہسپتال بنایا جو دس ہزار بستروں کا ہسپتال تھا، اس میں ہر مریض کو چار خادم (نرس) مہیا کیے جاتے تھے، ایک طعام کے لیے، ایک دوا کے لیے، ایک ورزش کے لیے اور ایک طہارت کے لیے۔ زیر علاج مریض کو رخصت کرتے ہوئے اس کے پیشے کے مطابق اتنے دنوں کی رقم دی جاتی جتنے دن اس نے ہسپتال میں گزارے ہوتے۔ تاکہ اس کا معاشی حرج نہ ہو اور اس کی بیماری کے باعث اتنے دن جو اسے ہسپتال میں گزارنے پڑے، اس کی وجہ سے اس کو اہل وعیال کی کفالت اور نان نفقہ کی پریشانی نہ ہو۔ آج کی میڈیکل سائنس نے کتنی ترقی کر لی، کیا کوئی ملک علاج کے لیے عوام کو اتنی سہولت دے سکا ہے؟ اسلامی سلطنتوں میں ہسپتال بنانے کے لیے پہلے موسمیات کے ماہرین سروے کرتے تھے جو مقام سب سے زیادہ پرفضا ہوتا وہاں ہسپتال بنائے جاتے تاکہ مریضوں کو آلودگی سے پریشانی نہ ہو۔

آج کی ٹیکنو سائنس جو دنیا کے لئے عذاب بن گئی ہے اور ایک ایک بم سے بستیاں راکھ ہو جاتی ہیں اس کی پیچھے انہی اقدار کا فرق ہے، آج کی اقدار دھوکہ، ظلم، بددیانتی، ناجائز قبضہ بن گئی ہیں۔ سرمایہ کو خدا کی حیثیت دے دی گئی ہے، اس لیے سائنس کی ساری محنت سرمایہ کی حفاظت اور سرمایہ میں بڑھوتری پر خرچ ہو رہی ہے۔ ایجادات میں صرف

File Adress:

انسان کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ پیش نظر نہیں بلکہ انسان کو اپنا دست نگر بنانا، اس کے وسائل لوٹنا اور اس پر اپنی سوچ، تہذیب اور نظریہ مسلط کرنا پیش نظر ہوتا ہے تا کہ اپنا سرمایہ بڑھے، اقتدار قائم ہو اور دنیا ان کی زیر دست بنے۔ اسی بنیاد پر عام ضروریات کی چیزوں مثلاً گاڑیوں، موبائلوں وغیرہ تک میں آئے روز نئے نئے ماڈل اور نمونے پیش کیے جاتے ہیں تا کہ انسان کی خواہش نفس کو ابھار کر اس سے سرمایہ لوٹا جائے اور اس سے قناعت کی دولت چھین لی جائے۔ آج بازار میں نیا موبائل آتا ہے تو بیٹا آ کر باپ سے کہتا ہے کہ پرانے والا مجھے قبول نہیں اب تو میں نیا لوں گا۔ نئی گاڑی آجائے تو پرانی چھوڑ کر نئی لینے کے لیے پر تولنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسلامی اقدار کے رُو سے جب ضرورت پوری ہو رہی ہو تو اسی پر قناعت کرنی چاہیے اور اضافی پیسہ کسی تجارت، نیک مقصد یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی بہتری کے لیے لگانا چاہیے۔ اپنے مالی وسائل کو یوں لٹانا اسراف کے زمرے میں آتا ہے جس کا اسلام قطعاً روادار نہیں۔

زراعت کے پیشے میں نئی تحقیقات اور نئے نئے بیجوں کی دریافت نے جہاں انسان کو سہولت دی ہے وہاں اسے انڈسٹری کے رحم وکرم پر لا کر چھوڑ دیا ہے کیونکہ فطری بیج ناپید ہو رہے ہیں۔ پھر جتنی نئی ایجادات ہیں، ان کے ذریعے آج کی سائنسی قوتیں اپنی تہذیب اور سیاسی غلبہ کی راہ ہموار کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ ایک صابن کی ٹکیہ بھی نیم برہنہ تصویر سے خالی نہیں وہ تجھے دینے کو تیار نہیں، ایک عام سادہ موبائل کھولتے وقت بھی لڑکے اور لڑکی کے ملے ہوئے ہاتھ کی تصویر آ جاتی ہے۔ غرض سائنس وہ علم تھا جس نے تمام انسانی خوہشات ومقاصد سے بالاتر ہو کر انسانوں کی خدمت کرنی تھی لیکن آج وہ خاص قوتوں کی حفاظت اور بقا کا ذریعہ بن رہی ہے۔ یہ انسانیت کے لیے المیہ ہے کیونکہ یہ انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہے۔ جب تک مسلمان اس مسند پر فائز رہے ایسا کوئی خطرہ دنیا کو درپیش نہ تھا۔

File Adress:

بہر حال اب یہ بات مسلمانوں کے ہاتھ سے کیسے نکل گئی؟اس کی دو وجوہات ہیں :ایک سپین پر عیسائیوں کا قبضہ اور دوسرا بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ۔تاتاریوں نے بغداد میں مسلمانوں کا جو کتب خانہ برباد کیا اس سے دریائے دجلہ میں پل بن گیا، یہ وہ دریا ہے جس میں بحری جہاز چلتا ہے۔عیسائیوں نے جو سپین کو فتح کیا تو مسلمانوں کے ایک مرکزی کتب خانے کو دریا برد کیا اور جلایا جس میں پانچ لاکھ کتابیں تھیں۔سپین والے مسلمانوں کی ساری علامات کو مٹا رہے تھے یہاں تک کہ انھوں نے وہ حمام بند کرائے جن میں مسلمانوں کا نہانے کا بندوبست تھا کیونکہ ان کے نزدیک نہانا ایک نامناسب سا کام تھا۔ایک گورنر کو جو ہٹا رہے تھے تو اس پر اور الزامات کے ساتھ ایک یہ الزام بھی تھا کہ یہ مسلمانوں کی طرح روزانہ غسل کرتا ہے کیونکہ ان کے ہاں غسل کا رواج نہیں تھا۔ بہر حال عرض یہ تھی کہ یہ جو عام طور پر تاثر دیا گیا ہے کہ مسلمان علماء اور قرآن نے سائنس کا رد کیا ہے تو ایسا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہی اس کا کوئی تاریخی حوالہ اور ثبوت ہے۔قرآن وحدیث کا سائنس کے ساتھ کسی جگہ ٹکراؤ نہیں آیا اور اگر کسی جگہ آیا ہے تو اللہ کے فضل سے سائنس بدلی ہے اور قرآن نہیں بدلا۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

File Adress:

فنااور بقا

فرمایا کہ فنا کہتے ہیں کہ مُرید کے قلب سے گناہ اور معصیت کا اِرادہ ختم ہو جائے۔اور بقا سے یہ مراد ہے کہ آدمی کا اِرادہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع ہوجائے۔شروع میں آدمی جب ذِکر اذکار میں لگتا ہے اور اس سے جوش و خروش، رِقت اور دل کی نرمی کے حالات طاری ہوتے ہیں تو آدمی کے دل سے دُنیا کا دھیان ہی ختم ہو جاتا ہے۔معصیت اور نفس کے مزے کا خیال تک نہیں آتا اور طبیعت پر نیکی اور جوش وخروش کا خوب غلبہ ہوتا ہے۔غیر محقق آدمی اسی کو کمال سمجھتا ہے۔جبکہ کچھ عرصے کے بعد نفس کے تقاضے لوٹ آتے ہیں۔نفس پھر اپنے مزوں کی طرف آدمی کو کھینچنے لگتا ہے۔اور آدمی کا خیال ہوتا ہے کہ شاید میں اپنے مقام سے گر گیا حالانکہ اب زیادہ کمال حاصل ہوا کہ جب نفس میں برائی کا تقاضا ہوا اور اپنے اِرادے سے آدمی اس کو چھوڑ کر نیکی اختیار کرے تو اصل کمال یہ ہے۔ جیسے کہ ہانڈی پکنے کے دوران خوب جوش مارتی ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ ابھی پکی نہیں ہے اور مہمانوں کو پیش کرنے کے قابل نہیں ہوئی ہے۔لیکن جب یہ درمیانی حالت ختم ہوکر پک جاتی ہے اور جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے تو تب کھانے کے اور لطف لینے کے قابل ہوتی ہے۔اسی طرح فنا کا راستہ طے کر کے جب آدمی بقا کو حاصل کرلے تو تب کمال حاصل ہوتا ہے۔اس مجاہدے اور اس درمیانی جوش و خروش کے گزر جانے کے بعد اتنا ہوجاتا ہے کہ نفس کے تقاضے کے خلاف کرنا اور اس سے نیکی کروانا آسان ہو جاتے ہیں اور نفس کو ایک صفت حاصل ہو جاتی ہے، جسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔از: ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

File Adress:

کامیابی کا مدار نظری فلسفے نہیں عملی دین ہے

File Adress:

آج کے دور کے فلاسفر (Dell Cornagie) نے ایک کتاب لکھی ہے: Stop Worrying, Start Lliving) اُردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے ''پریشان ہونا چھوڑیئے اور جینا شروع کیجئے'' اتنی دانشورانہ بحثیں ہیں پریشانیوں کے حل کے لیے اور مشکلات کے دُور کرنے کے لیے اور ایک ہموار، خوشگوار زندگی کے لیے ایسی دانشوارنہ بحث ہے کہ اہلِ کفر میں سے ایسی دانشوارانہ بحثیں میں نے کسی کی نہیں دیکھی ہیں۔ جتنا لکھا ہے عجیب وغریب ہے، کبھی موقع ملے تو اُس کو پڑھیں۔ اُس کی ساری کوششیں انسانوں کی پریشانیوں کے حل کرنے، سکون کے ساتھ جینے کے لیے رہنمائی پر ہیں۔ اور آپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ (Dell Cornagie) اپنی زندگی میں اتنا ناکام رہا ہے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔

File Adress:

خطبہ مسنونہ!

محترم طلباء و طالبات! آپ کے ڈیپارٹمنٹ میں یہ ایک کافی عرصے سے روایت سیرت کے موضوع پر بات کرنے کی چلی ہوئی ہے۔ اُسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔

مدار تکلیف عقل ہے

انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور دونوں دیے ہیں، باقی حیوانات کو شعور دیا ہے۔ گرمی لگے تو سائے میں آجاتے ہیں، بھوک لگے تو کھانے کے پیچھے چلتے ہیں، یہ شعور ہے۔ اب اُن کو کھانا کہاں سے ملتا ہے اپنے مالک کے کھیت کا ملتا ہے، پرائے کھیت کا ملتا ہے اس کا اُن کو کوئی پتہ نہیں ہے۔ اور انسان کے پاس شعور کے بعد عقل بھی ہے کہ وہ ہر اِک چیز کو دیکھتا ہے، اُس کے بارے میں سوچتا ہے اور اس کے بارے میں پھر یہ فیصلہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان احکام الٰہی کا مخاطب بنا ہے اگر انسان کے پاس عقل نہ ہوتی تو یہ احکام کا مکلف نہ ہوتا، جیسے پہاڑ، دریا، ہوا، حیوانات غیر مکلف ہے اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۔()

ترجمہ: ''ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو، پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور اٹھالیا اس کو انسان نے، یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔''

File Adress:

انسان کے لیے سب سے اہم چیز جو ضروری بھی ہے اور اس کے لیے پریشانی کا ذریعہ بھی ہے، وہ اس کی عقل ہے کہ ہر چیز کے بارے میں سوچتی ہے اور فیصلہ طلب کرتی ہے، اس سے فیصلے پر پہنچنا چاہتی ہے۔اسی بنا پر انسان کو ظلوم اور جہول کہا گیا ہے۔اور درحقیقت اس ظلوم اور جہول کے وصف کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے انسان کی دو بہت ہی عالی اور اونچی صفات کی طرف اشارہ فرمایا اور وہ ہیں: عدول اور علوم......یعنی انسان میں عدل کا انتہائی مادہ موجود ہے اور علم کا بھی گہرا اور پختہ مادہ موجود ہے، کیونکہ ظلوم اور جہول کی نسبت اسی کی طرف ہو سکتی ہے، جس میں عدول اور علوم کی صفت موجود ہو کہ جب وہ ان صفات کو نہ برتے تو اس کا متضاد ثابت ہو۔ جیسا کہ ہم اندھا اور نابینا اسی کو کہہ سکتے ہیں جس میں بینا ہونے کی صلاحیت تھی لیکن وہ قوت چھن گئی، اب دیوار کو کوئی بھی نابینا نہیں کہتا کیونکہ اس میں بینا ہونے کی صلاحیت ہی نہیں۔خلاصہ یہ کہ باعقل اور باشعور مخلوق ہونے کے ناطے ہم انسانوں میں سے ہر ایک آدمی سوچتا ہے۔گردوپیش میں جو کائنات ہے یہ کیا ہے؟ یہ کیسی بنی ہے؟ یہ کیسے چل رہی ہے؟ اور کس طرف کو چل رہی ہے؟ اور اس کا نتیجہ کیا ہے؟ میں انسانوں میں کہاں سے آیا ہوں؟ کیسے پیدا ہوا ہوں؟ کیا کر رہا ہوں؟ کیا میرا کوئی مقصد ہے اور میں کس طرف چل رہا ہوں؟ انجام میرا کیا ہے؟ وغیرہ۔ یہ سوالات تو سارے عقل والے اور باشعور طبقے کو ہر روز پریشان کرتے ہیں، ہر روز آدمی اس کے بارے میں سوچتا ہے۔

عقل کے معاون ذرائع علم

انسان کے پاس عقل کو باہر سے معلومات ملنے (Feed کرنے) کے تین راستے ہیں: دیکھنے کا راستہ ہے، سننے کا راستہ ہے اور بولنے کا راستہ ہے۔ یہ خود بول کر دوسرے کو Feed کرتا ہے یا دوسرے کے بول کو سن کر اپنے اندر کوئی چیز Feed کرتا ہے، دیکھنے سے یہ چیز جب باطن میں اکٹھی ہو جاتی ہیں تو اس کو مشاہدہ کہتے ہیں۔اب مشاہدے سے

File Adress:

انسان کے پاس عقلی علوم وجود میں آئے ہوئے ہیں جن کو کہ آپ پڑھتے ہیں ایک خالص سائنس کی شکل میں، جو فزکس ہے، کیمسٹری ہے اور ایک (Meta Physical) مابعد الطبیعاتی مضامین کی شکل میں...... جو منطق ہے، فلسفہ ہے۔ اس شکل میں انسان نے سب سے پہلے اپنے مشاہدے کے تحت بحث ومباحثہ کر کے، غور وفکر کر کے دوسرے کے ساتھ مشورہ کر کے ان سوالات کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی ہوئی ہے اور وہ چیز ہمارے پاس فلسفہ کی شکل میں موجود ہے۔

فلسفہ: عملی زندگی میں ناکامی کے چند مظاہر

فلسفہ والوں نے بہت دعویٰ کیا کہ ہم سب سے زیادہ فوقیت والے اور (Superior) لوگ ہیں۔ ہم انسانوں اور حیوانات کے بارے میں جانتے ہیں، ہم سارے سوالوں کا جواب دے سکتے ہیں اور اس کے روشنی میں ہم انسان کو ایک عملی سوچ اور عملی زندگی دے سکتے ہیں اور اس کے تحت کئی (Schools Of Thought) یعنی مکاتبِ فکر وجود میں آئے۔ ان کے نظریات اور ان کے فلسفے، اُن کی کتابیں اور ان کی عملی زندگی کے بارے میں رہنمائی سامنے آتی رہی۔ ہمارے پاس اس وقت علمی دُنیا میں یونان کا فلسفہ (Recorded) شکل میں ہے، شائع ہوا ہے، اُس پر بحث ہے، غور وفکر ہے۔ یونانی فلسفی افلاطون کے سامنے کسی نے موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا اور ان کی باتیں اُس سے کہیں تو اُس نے کہا کہ باتیں بڑی اچھی ہیں جن لوگوں کو فلسفہ نہ آتا ہو اُن کو اس آدمی کی ضرورت ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ اُن کو تو ضرورت ہے میں تو خود فلاسفر ہوں مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ افلاطون اور ارسطو کا قدیم فلسفہ ہے یا جدید فلسفہ ہے جس کے حوالے آپ کے پاس موجود ہوں گے۔ نفسیات (Psychology) والوں کے پاس موجود ہوں گے یا منطق (Logic) والے جو مختلف ڈیپارٹمنٹ ہیں اُن کے پاس ان کی کتابیں

File Adress:

موجود ہوں گی۔اُن سب کی باتیں، اُن کی تحریریں، اُن کی رہنمائی سالہا سال سے وجود میں ہے۔اُس کے نتائج دیکھتے ہیں کہ ان کی رہنمائی نے انسان کو کیا فائدہ دیا ہے، کیا نقصان دیا ہے۔مثلاً افلاطون کی ایک کتاب ہے:(Welfare State) اس میں اُس نے دعویٰ کیا ہے کہ میں ایک نظام فلاحی ریاست (Welfare State) کا دے رہا ہوں۔اتنی (Ideal) اور اتنی معیاری اور اتنی زیادہ رفاہی اور اتنی زیادہ خیرخواہی والی ہے کہ اس کا جواب نہیں ہوسکتا، ساری زندگی کا نچوڑ اس میں میں نے بیان کیا ہے لیکن وہ رفاہی ریاست کا تصور ایک خوبصورت (Discussion) یعنی بڑی خوبصورت بحث کی شکل موجود ہے۔ لیکن وہ رفاہی ریاست کبھی وجود میں نہ آئی۔اوراس کے فوائد انسانوں کو نہیں مل سکے۔

آج کے دور کے فلاسفر (Dell Cornagie) نے ایک کتاب لکھی ہے: (Stop Worrying, Start Lliving اُردو میں ترجمہ کیا ہوا ہے''پریشان ہونا چھوڑیئے اور جینا شروع کیجئے'' اتنی دانشورانہ بحثیں ہیں پریشانیوں کے حل کے لیے اور مشکلات کے دُور کرنے کے لیے اور ایک ہموار، خوشگوار زندگی کے لیے ایسی دانشوارنہ بحث ہے کہ اہلِ کفر میں سے ایسی دانشوارانہ بحثیں میں نے کسی کی نہیں دیکھی ہیں۔جتنا لکھا ہے عجیب وغریب ہے، کبھی موقع ملے تو اُس کو پڑھیں۔اُس کی ساری کوششیں انسانوں کی پریشانیوں کے حل کرنے، سُکون کے ساتھ جینے کے لیے رہنمائی پر ہیں۔اور آپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ (Dell Cornagie) اپنی زندگی میں اتنا ناکام رہا ہے کہ اس نے خودکشی کی ہے۔اتنی دانشوارانہ کتاب لکھنے کے بعد خود اُس نے خودکشی کی۔تو اس ساری بات سے میں آپ کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ وہ فلسفہ، وہ نفسیات، وہ منطق اور وہ دانشوری جو انسان نے اپنی سوچ وفکر کے تحت مدون کی ہے، اُس کا انجام ہمارے سامنے ہے۔

نوے(۹۰) سال پہلے کمیونزم کا فلسفہ کارل مارکس نے پیش کیا۔یہودیوں کا یہ

File Adress:

تجربہ تھا کہ سرمایہ دارنہ نظام اور عیسائیت اتنا چھایا ہوا ہے کہ اس کے زور کو ہم توڑ نہیں سکتے۔ اُنھوں نے دوسو(۲۰۰) آدمی ٹرین میں بٹھا کر روس میں اُتارے ہیں، جس میں لینن وغیرہ یہ سارے ہیں اور انھوں نے کارل مارکس کے فلسفہ کے تحت انقلاب برپا کیا اور دُنیا کو دو بلاکوں میں تقسیم کیا۔ جس وقت عیسائی کی گردن پر کمیونسٹ کی تلوار آ کر لگی ہے اُس کی گولی کی زد میں یہ آیا تو اتنا پریشان و ہراساں ہوا کہ یہودی کی جھولی میں آ کر گر گیا۔ اِس وقت امریکہ اور برطانیہ جو دھکے کھا رہے ہیں اور ساری دنیا کو پریشان کیا ہوا ہے یہودیوں کی وجہ سے ہے۔ اس وقت دنیا میں تین صیہونی ریاستیں (Zoinest States) ہیں، امریکہ، اسرائیل اور برطانیہ۔ لیکن ۷۰ سال بعد انسان اس سے اتنے نالاں ہوئے کہ اُس فلسفے کو دھڑام سے گرنا پڑا۔ یہ میں نے تھوڑا سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا انسانی تاریخ کا کہ زندگی کے بارے میں یہ رہنمائی کتنی ناکام رہی۔

معیارِ کامیابی عقلِ محض نہیں، نورِ وحی ہے!

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کی رہنمائی کے لیے اس کی اپنی سوچ فکر سے اُوپر کسی چیز کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر اپنی سوچ فکر کے ذریعے سے اس کی رہنمائی ہو کر اس کو کامیابی میسر ہوسکتی تو افلاطون اور ڈیل کارنیگی کی دانشوری اسے کامیاب کر دیتی۔ جن لوگوں نے سائنس پڑھی ہے، میٹرک کی سائنس، اُن کو یاد ہوگا کہ روشنی جب چیز پر پڑتی ہے پھر منعکس (Reflect) ہوتی ہوئی آتی ہے، یہ ایک (Straight Beam) یعنی سیدھی شعاع کی شکل میں آتی ہے، چیز پر پڑنے کے بعد یہ منعکس (Reflect) ہوتی ہے مختلف زاویوں (Angles) سے۔ اور یہ مختلف (Angles) اس چیز کو وجود بخشتے ہیں۔ وہ آ کر ہماری آنکھ جو کیمرے کی طرح ہے اس کے سارے واسطوں سے گزر کر پیچھے آنکھ کے پردے پر (Retina) پڑتی ہے اور ایک شبیہ (Image) بناتی ہے وہ پردہ

File Adress:

اس کو دماغ کو بھیجتا ہے اور دماغ اس کو دیکھتا ہے۔

گویا ایک بصارت اور ایک روشنی دو چیزوں کی ضرورت ہے، آنکھیں ٹھیک ٹھاک ہیں، بصارت ٹھیک ٹھاک ہے۔ روشنی نہیں ہے اندھیرا ہے کوئی چیز نظر نہیں آتی ہے اور روشنی خوب پھیلی ہوئی ہے اور انسان کی آنکھ میں کسی وجہ سے بھی (Defect) نقصان آ گیا تو یہ دیکھ نہیں سکتا۔ گویا روشنی کی بھی ضرورت ہے اور بصارت کی بھی ضرورت ہے روشنی کے بغیر سارے انسان اندھیرے میں ہیں، ناکام ہیں، کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اب جتنے بھی دانشوری کے نظام یہاں پر بنے ہوئے ہیں، جتنی بھی سائنسی ترقی ہے، علمی ترقی ہے، اس میں سے کوئی بھی نظام وجود میں نہیں آ سکتا اگر روشنی نہ ہو۔ ایک مہینے تک روشنی نہ ہو تو کتنی کمزوری آ جائے گی اور ایک سال تک روشنی نہ ہو تو آپ کے سارے علوم بیٹھ جائیں گے، ختم ہو جائیں گے۔ ہم میڈیکل کالج سے کوئی گریجویٹ نہیں نکال سکیں گے کہ وہ آئندہ اس چیز کو سمجھ رہا ہو۔ تو یہ مادی روشنی ہے جو انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورج کے ذریعے سے دی ہے اب اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک دوسری روشنی بھی انسانوں کو دی ہے، وہ وحی کی روشنی ہے اور وہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے دی ہے۔

پیامِ وحی کے عملی نتائج

وحی کی روشنی نے اس زمین پر اپنا ریکارڈ چھوڑا ہوا ہے۔ اس ریکارڈ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک زبردست (Archeological) طریقے سے بند کر کے انسانوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ قرآن پاک نے نوح علیہ السلام کے طوفان کا تذکرہ کیا، قومِ نوح کے طوفان اور تذکرے کا ہمارے پاس ابھی تک (Archeological Record) ہے جس کو کوئی رَد (Contradict) نہیں کر سکتا۔ کوہِ آرارات، کوہِ جودی کی چوٹی پر ایک کشتی پڑی ہوئی ہے برف میں دبی ہوئی۔ جس سال برف باری کم ہو، دھوپ زیادہ چمکی ہوئی

File Adress:

ہواور کوئی محتاط پائلٹ ہو، زمین کو دیکھنے والا اچھے طریقے سے، تو وہ اُس کشتی کی کنارے کو وہاں پر دیکھ سکتا ہے۔ اور کوہِ آرارات کے دامن میں ابھی بھی وہ بستی موجود ہے جس بستی کا نام ہے اسّی (۸۰) آدمیوں کی بستی۔ وہ اسّی (۸۰) آدمی جو طوفان میں بچے ہوئے ہیں وہ وہاں پر آباد ہوئے ہیں، اُن اسّی (۸۰) آدمیوں کا تذکرہ اب بھی ہے، زمین پر موجود ہے۔ تو وہ رہنمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعے وحی بھیجی اور اُس وحی نے انسانوں کو روشنی دی اور اُس روشنی کو لے آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیاء علیہم السلام آتے رہے ہیں۔ اُن کی تعلیمات، اُن کی تحریکات اور اُن کی جدوجہد، اُن کے ماننے والے، اُن کے پیروکار، اُن کے نتائج زمین پر آئے اور وہی پائیدار ہوئے۔ اس وقت بھی اگر پیروکاروں اور ماننے والوں کا زمین پر تذکرہ ہے تو کسی نہ کسی پیغمبر کے نام پر تذکرہ ہے۔ دُنیا کی آبادی کا ایک تہائی مسلمانوں کی شکل میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے سے آباد ہے۔ ایک تہائی دُنیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرے سے آباد ہیں۔ اور ایک تہائی دُنیا یہودی کی شکل میں اور دانیال علیہ السلام کے ماننے والوں کی شکل میں اور حضرت شعیب علیہ السلام کے ماننے والوں کی شکل میں اور مختلف پیغمبروں کے ماننے والوں کی شکل میں موجود ہے۔ اور بہت تھوڑی دُنیا اور تھوڑی تعداد انسانوں کی ہے جو کہ (Atheist) خدا کو نہ ماننے والے یا پیغمبروں کو نہ ماننے والوں کی شکل میں موجود ہے۔ تو گویا ابھی تک انسانوں کی ایک کثیر تعداد وحی کی روشنی کے ساتھ مربوط انسانوں کی ہے۔

اب اگلی بات ۔۔۔۔ نتائج کو دیکھیں تو عملی طور پر کس نے مسائل کو حل کیا ہے ؟ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت تورات کو نافذ کرنے کے لیے ۷۰ ہزار پیغمبر آئے۔ تورات بہت لمبے عرصے تک چلنے والی شریعت رہی ہے یعنی ۷۰ ہزار پیغمبروں کی شریعت۔ قرآن

File Adress:

پاک کی آیت میں بنی اسرائیل کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمہارے درمیان میں نے انبیاء اور بادشاہ بھیجے۔تو ایک عرصہ دراز تک زمین پر تورات کا دور دورہ رہا ہے، وہ نافذ رہی ہے۔اُس کے مطابق حکومتیں بنی ہیں انسانوں کے مسائل حل ہوئے ہیں ان کی زندگیاں آسودہ اور خوشگوار ہوئی ہیں۔تو گویا انسان کو اپنے مسائل کے حل کے لیے وحی کی روشنی کی ضرورت تھی اور اس کے بغیر یہ اپنے مسائل کو حل نہیں کرسکتا تھا اور نہ جس نے بھی اپنی سوچ وفکر یا انسانی فلسفوں کی روشنی میں زندگی کو گزارنا شروع کیا وہ ناکامی کے سوا کچھ نہ دیکھ سکے، تکالیف اور مصیبتیں اُنھوں نے اُٹھائیں اور پریشانی کی زندگی گزاری۔اور جو انبیاء علیہم السلام کے زیر سایہ آئے اُن کو سُکھ والی آسودہ اور کامیاب زندگی ملی ہے۔

عقل ممکن کی حقیقت جان سکتا ہے واجب کی نہیں

ہم اور آپ ایک اُصول کو ساری زندگی میں مانتے ہیں کہ ہر تخلیق کا خالق ہے اور ہر ایک فعل کا فاعل ہے۔ ہر بنی چیز کو بنانے والا ہے اور ہونے والے عمل کا کوئی کرنے والا ہے۔کسی جگہ زندگی میں آپ اس اُصول کو رَد (Contradict) کرسکتے ہیں؟ کسی جگہ رد نہیں کرسکتے۔ بنی ہوئی چیز کا بنانے والا ہے اور جو کچھ ہو رہا ہے اُس کا کرنے والا ہے جب ساری زندگی آدمی ایک اُصول کو رَد نہیں کرسکتا تو کائنات کے بنانے والے اور کائنات کا چلانے والے کا کیوں رَد کرتا ہے۔صرف ایک جگہ آکر رَد کرتا ہے۔ جب ساری زندگی، ساری عمر ہزار ہا دفعہ یہ سوال تیرے سامنے آیا ہے کہ ہر تخلیق کا خالق ہے اور ہر فعل کا فاعل ہے ہر جگہ تُو نے ہاں کیا ہے کہ یہ دُرست ہے صرف ایک اللہ تعالیٰ کو ماننے کی جگہ پر تُو آکر اس کو رَد کرتا ہے۔ یہ بیوقوفی کی علامت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔اس کو تو ماننا پڑے گا جس طرح میں نے شروع کہا کہ بنانے والا بھی کوئی ہے اور چلانے والا بھی کوئی ہے۔

File Adress:

مجھ سے طلبا نے سوال کیا کہ (Sir) فرض کریں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، زمین کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا وقت آئے گا کہ لوگ آپ سے یہ سوال کریں گے کہ ہمیں اللہ نے پیدا کیا ہے تو اللہ کو کس نے پیدا کیا ہے؟ وہ سیدھا سادہ زمانہ تھا، عرصہ گزرتا گیا حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بوڑھے ہو گئے تو اُن سے ایک نوجوان نے سوال کیا تو اُنہوں نے اُس نوجوان کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ تُو وہ پہلا آدمی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق میرے سامنے آ گیا اور سوال کیا۔

میرے بھائی! دنیا میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں یہ تین قسم کی ہیں:

واجب، ممتنع اور ممکن۔

اگر عقل کسی چیز کے وجود کو لازمی اور ضروری سمجھے تو اسے واجب کہتے ہیں جیسے دو جمع دو چار ہوتے ہیں، عقل اسے ضروری سمجھتا ہے اور دو جمع دو کے چار ہونے میں اس کے علاوہ کوئی امکان نہیں۔

اگر عقل اس کے عدم وجود کو لازم سمجھے کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا تو اسے ناممکن، ممتنع اور خلاف عقل کہتے ہیں، جیسے دو جمع دو پانچ۔

اور اگر عقل میں اس چیز کے بارے میں دو شقیں ہوں کہ یہ ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہوسکتا تو اسے ممکن کہتے ہیں۔ یہ تمام فلسفیوں، دانشوروں اور عقلا کے ہاں متفقہ مسئلہ ہے کہ عقل کا دائرہ صرف ممکنات میں کام کرنا ہے، عقل واجب چیزوں میں دخل دینے کی مجاز ہی نہیں، کوئی دو جمع دو چار میں کہہ سکتا ہے کہ بھئی ہوسکتا ہے کہ ایسا نہ ہو؟ لوگ اسے پاگل سمجھیں گے، تو بھئی اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوائے دہریوں کے ہر مذہب اور ہر تہذیب کے نمائندوں نے یہ مانا ہے کہ وہ واجب الوجود ہے یعنی اس کا ہونا ضروری ہے، تو جو چیز

File Adress:

واجب الوجود ہو اس میں عقل کو دخل دینے کا حق ہی نہیں۔

یہ ہمارے متکلمین علما نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر جن عقلی اشکالات کے جوابات دیئے ہیں یہ ان کا احسان ہے ورنہ جس وجود کو خود دنیا کی ہر تہذیب ''واجب''، تسلیم کرے، اس کے بارے میں عقلی اشکال کیوں سنا جائے۔ رہ گئے دہری تو وہ دنیا کے دانشوروں میں ایک فیصد بھی نہیں ہیں ان کی بات کیسے قابل توجہ ہوسکتی ہے، پھر بھی اطمینان کے لیے وجود باری تعالیٰ کو بآسانی عقلی دلائل سے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔

وجود باری پر عقلی دلیل

میں نے طلباء سے کہا کہ زمین کا ۲۴ ہزار میل محیط (Circumference) ہے۔ ایک ۲۴ ہزار میل لمبی تسبیح آپ بنائیں اور اُس کو لے کر دُنیا کے ایک سرے پر بیٹھیں اور اُس پر کہیں کہ مجھے اللہ نے بنایا اور اس اللہ کو دوسرے اللہ نے بنایا، اُس کو دوسرے اللہ نے بنایا، اس کو پھیرتے جاؤ پھیرتے جاؤ، پھیرتے جاؤ، کھانا پینا بھی چھوڑ دو، بیٹھے ہوئے بس یہ کہے جاؤ، تو کیا نتیجہ ہوگا؟ اُسی جگہ خشک ہو کر مر جاؤ گے۔ اب دانشوری اور دانائی کیا کہتی ہے؟ وہ کہتی ہے کہ آپ کسی چیز کی ابتدا مانیں گے اس کی انتہا مانیں گے۔ ظاہر مانیں گے، باطن مانیں گے تو کام چلے گا۔ ان چار خطوط میں وجود بیان ہوتا ہے۔ اول آخر ظاہر باطن۔ اول سے پہلے آپ نکلنا چاہیں تو آپ الجھ جائیں گے۔ آپ اپنے آپ کو تباہ کر دیں گے، کسی جگہ سے آپ کو ابتدا ماننی پڑے گی۔ ایسے ہی انتہا کو مانے بغیر بھی کام نہیں چل سکے گا۔ اگر ظاہر سے پہلے آپ کچھ دیکھنا چاہتے ہیں تو اُس سے پہلے کچھ دیکھا نہیں جاسکتا۔ (You have got confuse and you are destroying your future.) آپ الجھ گئے اور آپ اپنا مستقبل تباہ کرنا چاہتے ہیں اور باطن سے آگے دیکھنا چاہتے ہیں تو یہی بات ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنا تعارف

File Adress:

کرایا کہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، وہ اوّل ہے وہ آخر ہے وہ ظاہر ہے وہ باطن ہے،اے انسان! یہ چار اُصول ہیں جس کے اندر تُو حقائق کو بیان کرتا ہے اور زندگی کو شروع کرتا ہے اور نتائج کو حاصل کرتا ہے کسی چیز میں بھی اس سے باہر تُو نہیں نکلتا۔

میں آپ کو مثال دوں کہ ریاضی (Mathematics) کی کلاس میں استاد کہے کہ فرض (Suppose) کرو تو کوئی طالب علم (Student) کھڑا ہو کہ (Sir!The most accurate science is mathematics.)،سب سے صحیح سائنس ریاضی ہے، وہاں آپ یہ کہتے ہیں کہ فرض (Suppose) کریں میں کیوں (Suppose) کروں۔ Mathematics میں Two and two makes four.،دو اور دو چار ہوتے ہیں ،اتنی (Accurate) چیز ہے ،اس میں تو (Suppositions) نہیں ہوتی۔استاد تھوڑی دیر اُس Student کو سمجھائے گا کہ بچے آپ ذرا مان لیں اور میں آپ کو اس کا ٹھیک جواب نکال کر دِکھا تا ہوں۔اگر اُس نے نہ مانا تو اُستاد کیا کرے گا،وہ کہے گا کہ اس بچے کو کلاس سے باہر نکال دو۔افلاطون اگر زندہ ہو تو اُس کے پاس اس کو لے جاؤ اور اگر زندہ نہ ہو تو اُس کے قبر پر لے جاؤ کیونکہ اس بچے کے ہوتے ہوئے میں جو چیز کلاس کو دینا چاہتا ہوں، جو مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں وہ حل نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اوّل کو نہیں مان رہا ہے۔اوّل کو نہیں مان رہا ہے اور اوّل کو مانے بغیر مسئلہ نہیں حل ہوتا۔ (He will have to suppose and then he will reach to an accurate conclusion.) اسے پہلے فرض کرنا پڑے گا پھر کہیں صحیح جواب پر پہنچے گا۔ریاضی کے اسی مسئلے میں آگے چل کر (One) ایک آجاتا ہے، کہتے ہیں ایک کو تین پر تقسیم کریں یہ تقسیم اعشاریہ تین تین کبھی حل نہیں ہوتی، ۲۴ ہزار میل زمین کا محیط (Circumference) ہے۔اس کے کاغذ بنا کر اور سارے درختوں کے

File Adress:

قلم بنا کراس پرحل کرنا شروع کریں۔?Is it possible to solve it کیااس کو حل کرنا ممکن ہے؟ کوئی حل نہیں کرسکتا۔یہ اعشاریہ تین تین (Point Three, Three)۔ ۲۴ ہزار میل تک چلے گا یہ حل (Solve) نہیں ہوتا تو Teacher کہا کرتا ہے کہ (Decimal) اِعشاریہ کے بعد ایک، دو (Maximum) یا تین تک حل کرو، اتنا کافی ہے (Accruracy) مسئلے کی صحت کے لیے۔اس سے آگے نظر انداز کریں (Neglect it.)، اس پر دوسرا Student کھڑا ہو جاتا ہے کہ (Sir, Why neglect it?) کیوں نظرانداز کریں۔کہ ریاضی (Mathematics) اتنی نپی تلی سائنس (Accurate Science) ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ (Two and two makes four.)، اس حد تک ہے اور آپ کہتے ہیں کہ (Neglect it.)۔ میں Neglect نہیں کرتا، میں اس کو (Solve) یعنی حل کرتا ہوں، تو وہ کہے گا کہ اس دوسرے کو بھی باہر نکال دو۔اس کو بھی افلاطون کے پاس لے جاؤ اور اگر مر گیا ہو تو اس کی قبر پر لے جاؤ، اس کے ہوتے ہوئے مسئلہ حل نہیں ہوتا، جب ابتدا کو فرض کرتا ہے اور ایک کی تقسیم کو نظرانداز کرتا ہے تب استاد ٹھیک حل (Solution) دے دیتا ہے۔

زندگی ہے ہی مختصر، انسان کا دماغ ہے ہی مختصر، اس کے وسائل ہیں ہی مختصر، انجینیئر کو ڈاکٹر کی بات مان کر چلنا پڑے گا۔ڈاکٹر کے ساتھ Reasoning یعنی بحث نہیں کر سکتا کیونکہ اگر Reasoning کرنا چاہتا ہے تو اُس کو پھر سترہ سال لگانا پڑیں گے، پھر جب آئے گا ڈاکٹر کے پاس تب Reasoning کر سکے گا۔اور ڈاکٹر اگر مکان کی تعمیر میں انجینیئر سے Reasoning کرنا چاہے تو Reasoning نہیں کرسکتا اُس کو غیب کے یقین (Blind Faith) کے ساتھ ماننا پڑے گا اور کرنا پڑے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس بات کو چاہتا ہے کہ ہم اُس کی اُلوہیت کا، سارا تجربہ، علم اور

File Adress:

سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر Blind Faith کے ساتھ اقرار کریں مان لیں۔۔۔۔جس طرح کوئی آدمی اندھا ہو بہت سخت رش میں سڑک پار کرنا چاہتا ہو اور دوسرا آدمی کہے کہ میری آنکھیں ہیں تُو میرا ہاتھ پکڑ لے، بس پھر وہ ہاتھ پکڑنے کے بعد کچھ نہیں کہتا کہ آپ مجھے کدھر لے جا رہے ہیں۔ آگے پیچھے کچھ بھی نہیں کہتا تو اگر وہ اس بات کو کرلے تو صحیح سلامت پار ہو جاتا ہے اور اگر وہ بحث (Reasoning) کرنا چاہے کہ پہلے آپ مجھے ثبوت (Proof) دیں کہ آپ مجھے دوسرے طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ پھر اس پر میں تحقیق کرتا ہوں، اس کو میں دیکھوں گا اور اگر اس کو میں نے سمجھا کہ ٹھیک ہے پھر میں مانوں گا۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کیونکہ بہت فرق (Difference) ہے بینا اور نابینا میں، بہت Difference ہے خالق و مخلوق میں، وہ چاہتا ہے کہ آپ اُس کو اِلٰہ مانیں لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہُ، اِلٰہ وہ ہوتا ہے جس کی انتہائی عظمت کی وجہ سے آدمی اسکے سامنے ذلیل ہو کر گر جاتا ہے اور جھک جاتا ہے۔ لہٰذا وہ آپ کو یہ پیغام دے رہا ہے کہ ہم آپ کو ایک کامیاب زندگی دیں گے قرآن پاک کی پہلی آیت کہہ رہی ہے سورۃ البقرہ کی ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ، یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ پہلے اعلان میں اس بات کو کہہ رہے ہیں کہ ہم آپ کو ایک نظام دیں گے اس کے بعد کی آیتوں میں اور وہ نظام ایسا ہوگا کہ وہ لَا رَیْبَ فِیْہِ اُس کو آپ (Blind Faith) غیبی یقین کے ساتھ لیں گے اور Blindly اُس کو Practice کریں گے اُس پر عمل کریں گے۔ تو اس کے نتائج ایسے واضح طور سے سامنے آجائینگے کہ آپ کے اندر سے آپ کا وجدان یہ بات کہے گا کہ واقعی قرآن اور اس کا دیا ہوا نظام لَا رَیبَ فِیہِ ہے۔ فروری ۲۰۰۶ء

☆☆☆

File Adress:

توبہ اور اعمالِ صالحہ:

فرمایا کہ توبہ سلوک وتصوف کا پہلا قدم ہے، جس میں انسان اللہ تبارک وتعالیٰ سے دُور کرنے والے اعمال کو ترک کر کے اللہ کا قرب دِلانے والے اعمال اختیار کرتا ہے اور شریعت کے مقرر کردہ اعمال کا تکمیلی درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تھوڑا بہت حاصل ہو جانے کے بعد اسی پر قناعت کر کے نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ جیسا کہ دُنیا کے بارے میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے کہ جب کوئی مکان تعمیر کرتا ہے تو اس میں دروازے، کھڑکی، روشندان، رنگ و سفیدی، موسم کے لحاظ سے موزونیت، خوبصورتی غرض ہر ہر بات کا مقدور بھر انتظام کرتا ہے، ایسی ہی چاہت اور کوشش دین کے اعمال کے حصول اور پھر ان کو درجۂ کمال تک پہچانے کے لیے بھی ہونی چاہیے۔ اس ابتدائی اور تکمیلی حالت کے درمیان مُرید کو مختلف احوال درپیش ہوتے ہیں۔ جن کے تقاضوں اور حقیقت کو سمجھنے کے لیے شیخ کامل ومشفق کی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔

از: ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

File Adress:

دینی اور دنیاوی فوائد کے حصول کا راز

File Adress:

سب سے زیادہ مادی فوائد اللہ تعالیٰ نے ایمان و اعمال میں رکھے ہیں، اس کے بعد دنیا قدموں میں ذلیل ہوکر آتی ہے، اللہ والوں اور اہل دنیا کے مادی فوائد اختیار کرنے میں ایک فرق ہے کہ اہل اللہ اسے دین سنوارنے کا ذریعہ سمجھ کر صرف ہاتھ میں رکھتے ہیں، دل میں جگہ نہیں دیتے جب کہ اہل دنیا اسے اپنی ساری محنتوں اور کوششوں کا آخری حاصل سمجھ کر دل میں بسا لیتے ہیں۔ اگر ایمان اور اعمال کو صحیح طریقے سے حاصل کرلیا جائے، برت لیا جائے تو اس کے نتیجے میں میرے بھائی پچاس کنال، سو کنال، اور ایک کاروبار، دوسرا کاروبار، ایک دوکان اور دوسری دوکان، سعودی عرب کا ویزا اور انگلینڈ اور امریکہ کا ویزا، وغیرہ چیزیں تو بڑی معمولی ہیں، ان کی تو کوئی وقعت نہیں۔ اس کے بدلے روم وشام کی سلطنتوں کو اللہ تعالیٰ قدموں میں ڈالتا ہے۔

File Adress:

خطبہ ماثورہ!

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَ نَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی٥ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی٥

(النٰزعٰت۔ ۴۱،۴۰)

ترجمہ: اور جو کوئی ڈرا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے اور روکا اس نے جی کو خواہش سے۔ سو بہشت ہی ہے اس کا ٹھکانا۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ٥ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ٥ (الشعراء۔ ۸۹،۸۸)

ترجمہ: جس دن نہ کام آئے کوئی مال اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا۔

اعمال کی تاثیر اصلاح باطن پر موقوف ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں جہاں انسان کو ظاہری اعمال کا حکم دیا ہے وہاں اس کے ساتھ اس بات کا بھی حکم دیا گیا ہے کہ ظاہر کے ساتھ اپنے باطن کو بھی درست کرو۔ جب تک انسان کا باطن درست نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے ظاہری اعمال تاثیر نہیں دکھاتے۔ گو اعمال آدمی کر رہا ہوتا ہے لیکن ان اعمال کی برکتیں اور تاثیریں اس کو حاصل نہیں ہوتیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعمال میں اتنی قوت رکھی ہے کہ جو پہاڑوں، ہوا اور پانی میں نہیں ہے، اسلحہ اور ایٹم بموں میں نہیں ہے۔ لیکن وہ قوت تب آدمی کو حاصل ہوتی ہے جب آدمی کو وہ عمل اپنی ظاہری اور باطنی حقیقت کے ساتھ حاصل ہو جائے۔

اصلاح محض علمی نہیں عملی محنت ہے

باطن کی اصلاح معلوماتی چیز نہیں بلکہ عملی مشق ہے، اس میں محنت اور کوشش کرنا پڑتی

File Adress:

ہے۔تب جاکےثمرات حاصل ہوتے ہیں۔

ہمارے ایک دوست ہیں جو اٹامک انرجی کمیشن میں ہوتے ہیں۔ایک دن میں نے ان سے (جب ایٹم بم نہیں بنا تھا) کہا کہ اتنا عرصہ آپ لوگوں نے کام کیا ابھی تک آپ کو ایٹم بم بنانا نہ آیا۔تو انھوں نے جواب میں مجھ سے کہا کہ آپ کو ولی بننے کا طریقہ نہیں آتا؟ میں نے کہا کہ آتا تو ہے۔اس پر انھوں نے کہا کہ ولی بننے کا طریقہ اگر آتا ہےتو آپ ولی بنے کیوں نہیں ہیں۔تو میں نے جواب دیا کہ صرف طریقہ آنے پر تو نہیں ہوتا،اس طریقہ پر جب آدمی عمل کرتا ہے،محنت اور کوشش کرتا ہے اور اس طریقے میں جو معیار ہے اس کو آدمی حاصل کرتا ہےتو تب ولی بنتا ہے۔اس پر انہوں نے جواب دیا کہ ایٹم بم بنانے کا طریقہ تو ہم کو بھی آتا ہےلیکن اس کے مطابق جو چیزیں حاصل کرنی ہوتی ہیں ان کے لیے،ہم لگے ہوئے ہیں۔جب وہ چیزیں ہمیں حاصل ہوجائیں گی جن میں سے کسی کے لیے ایک سال کی کوشش ہوتی ہے کسی کے لیے چھ مہینے کی اور کسی کے لیے دوسال کی تو تب ایٹم بم بنے گا۔تو میں نے سوچا کہ واقعی ایک بات کو صرف جان لینا کافی نہیں۔

مثلاً میں نے آپ کو کہہ دیا کہ آدمی اگر تل کاشت کرے تو ایک کنال سے ۲۵۰۰۰ کی آمدنی ہوسکتی ہے۔اب میں نے تو ایک بات کہہ دی،لیکن آدمی اس کے مطابق پوچھتا ہے کہ تخم کہاں سے ملتا ہے،کتنی زمین کھودنی ہوتی ہے،اس میں کیا کیا چیزیں ڈالنی ہوتی ہیں،کاشت کا موسم کون سا ہوتا ہے؟ ساری شرطیں اور ترتیبیں معلوم کرنے کے بعد آدمی اس کو کاشت کرتا ہے۔پھر اس کی نگرانی کرتا ہے۔پھر جب چھ ماہ کی محنت ہوتی ہےتو تب فصل حاصل ہوتی ہے،اور فائدہ اور حقیقت ملتی ہے۔ایسے ہی مختلف چیزوں کےفوائد تو ہیں مگر ان کے حاصل کرنے کے لیے ان کے ساتھ محنتیں بھی ہیں،جب وہ محنتیں مکمل ہوجاتی ہیں تو تب وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

File Adress:

کامیابی کا معیار مادی اموال نہیں اسوۂ انبیاء ہے

اس زمین پر اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ فوائد کا وعدہ سونے چاندی، ہیرے جواہرات اور مال جائیداد والوں کے ساتھ نہیں کیا۔ بلکہ سب سے زیادہ فوائد حاصل ہونے، زندگی بننے اور کامیابی ملنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے کیا ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ یوم یقوم الشھادo

(المؤمن۔ ۵۱)

ترجمہ: ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیا کی زندگانی میں اور جب کھڑے ہوں گے گواہ۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی ایسی مدد کی ہے اور ان کی ایسی زندگی بنائی ہے کہ اگر زمین پر پھریں اور ریکارڈ اور کتابوں کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ دنیا کے لحاظ سے بھی زمین کے وسائل کا فائدہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھیوں نے زیادہ لیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں دعوت دی کہ لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے، میری بات مانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، حج ادا کرو، مہربانی کرو، اخلاص برتو، اپنے اعمال کو درست کرو تو کامیاب ہو جاؤ گے۔ کفار اپنی مجالس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ان باتوں کا مذاق اڑاتے تھے کہ لا الہ الا اللہ کہنے سے کامیاب ہو جائیں گے۔ ابوطالب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، ان سے کسی نے کہا کہ آپ اسلام قبول کر لیں، تو انھوں نے کہا کہ میں اسلام تو قبول کر لوں مگر مجھے وہ دین اچھا معلوم نہیں ہوتا جس میں سر تو آدمی نیچے رکھے اور سرین کو اوپر کرے، (یعنی نماز میں سجدہ کرنا پڑے)۔ تو ان کے نزدیک نماز کا بس اتنا ہی مطلب تھا۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس ترتیب کو بیان کر رہے تھے اس کو برتنے میں دائمی کامیابی تھی۔

File Adress:

نصرت خداوندی کا مدار قربانی ہے

کفار کے ہاں کامیابی کا مدار چونکہ وقتی، فوری اور ظاہری نتائج تھے اور شروع کے لوگ جو اسلام قبول کر رہے تھے، ان پر مار پٹائی اور فاقے کے ایسے مشکل حالات تھے کہ خلاصی کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی تھی۔ اس لیے انہیں اس ترتیب کو اختیار کرنے میں اپنا مادی نقصان نظر آ رہا تھا حالانکہ کامیابی اور نصرت تو مجاہدے اور قربانی کے بعد آتی ہے۔ ایک خاندان ہے حضرت عمار بن یاسرؓ کا، ان کے باپ حضرت یاسرؓ اور ماں سمیہؓ، تین غلاموں کا خاندان ہے انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اب ابوجہل عتبہ اور شیبہ وغیرہ جو سردار تھے ان کو پکڑ کر مارتے، یہاں تک کہ ان کو مارتے مارتے تھک جاتے۔ مکہ مکرمہ میں اس وقت بھی یہ حکم تھا کہ اس شہر میں کسی کو مارا پیٹا اور تنگ نہیں کیا جائے گا، قتل نہیں کیا جائے گا۔ حدودِ حرم کے اندر کفار اپنے باپ بھائی کے قاتل پر بھی ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ باہر نکل جائے۔ ایسے کمزوری کے حالات تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے، ان کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: **اصبروا یا اهل یاسر ان موعدکم جنة** ''اے یاسرؓ کے خاندان والو! صبر کرو، تمہاری وعدہ گاہ جنت ہے''۔ تو نرم دل قسم کے جو کفار ہوتے تھے وہ مسلمانوں پر ترس کھا کر کہتے تھے کہ پیغمبر نے ان کو (نعوذ باللہ) کس مصیبت میں ڈال دیا ہے، ان کو کیا ملا؟ بلکہ ایک دفعہ جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ ہجرت کر لی تو ابوجہل حضرت عباسؓ کو (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ساتھ لیے پھر رہا تھا۔ دیکھا کہ مکہ میں ایک پورا محلہ خالی پڑا ہے۔ ابوجہل حضرت عباسؓ سے کہنے لگا کہ یہ ساری ویرانی تیرے بھتیجے کی لائی ہوئی ہے۔ کیسی کامیابی ہے کہ کھانا ان کو نہیں مل رہا، وطن سے نکالا جا رہا ہے اور پٹائیاں ہو رہی ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ نبوت کے پہلے چھ سال میں صرف ۳۹ لوگ مسلمان ہوئے اور نبوت کے چھٹے برس حضرت عمر فاروقؓ

File Adress:

چالیسویں آدمی مسلمان ہوئے۔

علماء کہتے ہیں کہ مکی زندگی میں کوئی آدمی منافق نہیں ہوا کیونکہ ایمان کی پرکھ اور معیار ایسا سخت تھا کہ کوئی گڑ بڑ آدمی آگے آ ہی نہیں سکتا تھا۔ مدینہ منورہ کی زندگی میں منافق آگے آئے کیونکہ اب ایمان کی علامت صرف نماز ہوگئی تھی جبکہ مکہ مکرمہ میں ایمان کی علامت قربانی تھی۔ کفار مارتے تھے گھسیٹتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے۔ یہاں تک کہ شعب ابی طالب کے جو تین سال ہیں ان میں کفار مکہ کا سارے بنی ہاشم کے بارے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ان کو بستی سے نکالو، ان کے ساتھ خرید وفروخت، ملنا ملانا، رشتہ لینا دینا اور مدد کرنا وغیرہ سب بند کردو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حج نصیب کرے، جس طرف صفا اور مروہ کے درمیان دوڑ لگاتے ہیں ان کے پیچھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محلہ تھا، جس گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی اب بھی موجود ہے، اب اس گھر میں ایک لائبریری ہے۔ اس کے پیچھے ایک گھاٹی ہے جسے شعب ابی طالب کہتے ہیں، اس میں لے جا کر سب کو ڈال دیا اور لکھ کر بیت اللہ شریف پر لگا دیا کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھا جائے گا۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ اور تکالیف تو ہم برداشت کر لیتے تھے لیکن جب بھوک کے مارے ہمارے بچے روتے تھے اور ان کے کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو اس وقت ہم کو بہت گرانی ہوتی تھی۔

مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ (البقرہ:۲۱۴)

ترجمہ: کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑجھڑائے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

تو ایسے حالات آتے ہیں کہ ایمان والے لوگ جو اتنے پکے ہوتے ہیں اور اللہ کی ذات پر بھروسہ ہوتا ہے وہ کہہ اٹھتے ہیں کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے

File Adress:

ایک وقت اور حد مقرر ہوتی ہے کہ جب قربانی اس سطح کو پہنچے گی تب مدد آئے گی۔

اہل اسلام کی آزمائش اور پہلی عمومی نصرت

دس سالہ مکی زندگی میں چند معجزات ظاہر ہوئے کبھی سال دو سال بعد چاند دوٹکڑے ہو گیا، اور کبھی ابوجہل کے ہاتھوں میں کنکریوں نے کلمہ پڑھ لیا۔لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسی عمومی مدد جس سے مسلمانوں کو غلبہ ہو نہیں ہوئی۔سب سے پہلے عمومی مدد بدر کی جنگ میں آئی۔جب مسلمانوں کو اطلاع ہوئی کہ قریش کا تجارتی قافلہ جا رہا ہے اس کو روکنا ہے۔جلدی میں کسی نے تلوار لی، کسی نے نہ لی اور سب لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان میں جمع کیا، اب ۳۱۳ آدمی ہیں۔حضرت عثمانؓ کے گھر سے اطلاع آئی کہ ان کی بیوی اتنی سخت بیمار ہیں کہ ان کی موت کا خطرہ ہے۔ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ تو واپس ہو جا کہ تیرے گھر میں سخت بیماری ہے۔۳۱۲ لوگ رہ گئے۔دو گھوڑے ستر اونٹ، آٹھ تلواریں، چند نیزے یہ اسلحہ ہے۔آگے چلے گئے، اور بجائے تجارتی قافلہ کے کفار کے ایک ہزار کے لشکر سے سامنا ہو گیا۔اب مدینہ منورہ سے اتنی دور ہو گئے کہ واپس آتے بھی ہیں تو نہیں آسکتے۔اسباب کو لینا چاہیں بھی تو نہیں لے سکتے۔اللہ تعالیٰ نے ایسی جگہ لا کر ڈال دیا کہ کوئی گنجائش ہی نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ ۳۱۲ آدمی اسی اسلحہ کے ساتھ لڑیں۔سورہ الانفال میں اسی بات کا تذکرہ ہے:

وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ O (الانفال:۷)

ترجمہ: اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی۔

جن جن ایمانیات کو بولا گیا تھا کہ زندگی اللہ بناتا ہے مال سے نہیں بنتی، فتح اللہ دیتا ہے اسلحہ سے نہیں ہوتی، غالب اللہ کرتا ہے فوجیں نہیں کرتیں ان سب کو بدر کے میدان میں

File Adress:

ثابت کرنے کا اللہ تبارک وتعالیٰ کا منصوبہ تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ایک بات کہہ دی گئی کہ ''احدی الطائفتین''کہ دو میں سے ایک گروہ پر غلبہ عطا کریں گے لیکن یہ نہیں بتایا کہ قافلے پر غالب کریں گے یا کفار کے لشکر پر فتح دیں گے اس بات کو مجمل چھوڑا ہوا تھا۔اب قافلہ تو بچ نکلا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اس بات کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ آیا غالب کرنے کا وعدہ قافلہ پر تھا یا لشکر پر۔اللہ تعالیٰ نے ایسے حال میں رکھا کہ اللہ کی طرف رجوع ہو، روئیں، گڑگڑائیں اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں۔جس وقت بدر کے میدان میں لشکر کھڑا ہوا تو صحابہ کا ایک گروہ سوچ رہا تھا کہ اگر لڑنے کے لیے لانا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تلوار لانے کا کہتے ،گھوڑا گھر میں کھڑا تھا وہ تو ساتھ لے آتے ، نیزہ برچھا وغیرہ لاتے۔ایسے حال میں لایا گیا ہے کہ کیسے لڑیں گے:

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝

(الانفال:۵)

جیسے نکالا تجھ کو تیرے رب نے تیرے گھر سے حق کام کے واسطے اور ایک جماعت اہل ایمان کی راضی نہ تھی۔

اب صحابہ کرام کی بڑی اونچی شان ہے کہ اگلی آیت کہتی ہے کہ ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور یہ بات جو عارضی طور پر آئی تھی دور ہوگئی۔انصار جو ساتھ آئے ہوئے تھے تو انھوں نے بیعت عقبہ میں اس بات کا عہد کیا تھا کہ جو دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگا اس وقت ہم آپ کے حامی و مددگار رہوں گے۔مدینہ سے باہر جا کر آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا وعدہ نہ تھا۔اب انصار سے یہ بھی نہ پوچھا تھا کہ مدینہ منورہ سے باہر لڑائی ہے، ساتھ دیتے ہو یا نہیں۔تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو جمع کیا اور پوچھا کہ ان حالات میں کیا کرنا ہے؟ اس پر حضرت ابوبکرؓ فوراً کھڑے ہوئے اور نہایت خوبصورتی سے اظہار

File Adress:

جانثاری فرمایا۔ان کے بعد حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور اظہار جانثاری فرمایا،ان کے بعد حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا:''یارسول اللہ! جس چیز کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے اس کو انجام دیجئے ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل کی طرح یہ ہرگز نہ کہیں گے کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا پروردگار جہاد وقتال کرے ہم بھی آپ کے ساتھ جہاد وقتال کریں گے۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب نے متفق ہو کر کہا ''ہم بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے،ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں''۔

انصار کا یہ خیال تھا کہ مہاجرین بڑے اور بزرگ ہیں بس جیسے وہ کہیں گے ہم کریں گے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے جواب کے باوجود تیسری بار پھر یہی ارشاد فرمایا:''اے لوگو! مجھے مشورہ دو''۔

سردار انصار حضرت سعدؓ بن معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ اشارے کو سمجھ گئے اور فوراً عرض کیا:''یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی اور اس امر کی گواہی دی کہ آپ جو کچھ لائے ہیں وہی حق ہے اور اطاعت و جانثاری کے بارے میں ہم آپ کو پختہ عہد و میثاق دے چکے ہیں۔ یارسول اللہ! آپ مدینہ سے کسی اور ارادے سے نکلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے دوسری صورت پیدا کر دی۔ جو منشاء مبارک ہو اس پر چلئے اور جس سے چاہیں تعلقات قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلقات قطع کریں،جس سے چاہیں صلح کریں اور جس سے چاہیں دشمنی کریں ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے مال میں سے جس قدر چاہیں لیں اور جس قدر چاہیں ہم کو عطا فرمائیں اور مال کا جو حصہ آپ لیں گے وہ ہمیں اس حصہ سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوگا کہ جو آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں

File Adress:

گے اور اگر آپ ہم کو برک الغماد (جو ایک بہت دور جگہ ہے) جانے کا حکم دیں گے تو بالضرور ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر آپ ہم کو سمندر میں کود پڑنے کا حکم دیں گے تو ہم اسی وقت سمندر میں کود پڑیں گے اور ہم میں کا ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر تسلی ہوئی کہ اب اس حال میں ہیں کہ جس پر اللہ کی مدد آتی ہے۔ بس یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ تین ہزار فرشتے ہم مدد کے لیے نازل کریں گے، پھر دوسری آیت نازل ہوئی کہ پانچ ہزار فرشتے نازل کریں گے پھر آگے کہا کہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اب صحابہ کرام جو کفار کو دیکھتے تھے تو ان کو ایک ہزار کی بجائے چند سو آدمی نظر آتے تھے اور کفار جب مسلمانوں کو دیکھتے تھے تو مسلمان انھیں دگنے نظر آتے تھے۔ کفار کے دلوں پر ہیبت چھا گئی اور ابلیس جو انسانی شکل میں قبیلہ بنی ثقیف کے بوڑھے سراقہ بن مالک کی صورت میں کفار کے ساتھ تھا اور ایسے مشورے دے رہا تھا کہ کفار حیران ہو رہے تھے کہ کیسے اعلیٰ مشورے دے رہا ہے اس نے جب دیکھا کہ فرشتے نازل ہو رہے ہیں تو بھاگنے لگا۔ کفار نے اس سے کہا کہ کدھر جاتا ہے تو شیطان نے کہا:

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰه

(الانفال:۴۸)

ترجمہ: ''تو وہ الٹا پھرا اپنی ایڑھیوں پر اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے میں ڈرتا ہوں اللہ سے۔''

اور اس کو اندازہ ہو گیا کہ اب حالات بدلے ہوئے ہیں اور اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ دو آدمی تھے جو پاس ٹیلے پر جنگ کا تماشا کرنے بیٹھے تھے ان میں سے ایک بدر کی جنگ کے بعد مسلمان ہوئے انھوں نے کہا کہ جب جنگ شروع ہوئی تو بادل آئے اور ان میں سے

File Adress:

گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں آرہی تھیں۔ پھر بادلوں میں سے آواز آئی اقبل یا حیزوم (اے حیزوم آگے بڑھ) تو کہتے ہیں کہ اس آواز سے ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ میرے دوسرے ساتھی کا تو کلیجہ پھٹ گیا اور وہ وہیں مر گیا، اور میں بیہوش ہو کر گر گیا۔ بعد میں ان کو مسلمانوں نے بتایا کہ بدر کے میدان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام جس گھوڑے پر سوار تھے اس کا نام ''حیزوم'' تھا۔ صحابہ کرام کہتے ہیں کہ ہم نے ابھی تلوار اٹھا کر پوری طرح وار بھی نہیں کیا ہوتا تھا کہ سامنے والے کی گردن کٹ کر دور جا گرتی تھی، اور بعد میں جس شخص کو ہم نے مارا ہوتا تھا اور جس کو فرشتوں نے مارا ہوتا تھا ان میں فرق یہ تھا کہ فرشتے کی ضرب والی جگہ کالی ہو چکی ہوتی تھی اور ہمارے وار والی جگہ کالی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد ہے کہ فرشتوں نے بدر کے سوا کسی اور موقع پر قتال نہیں کیا، ہاں مسلمانوں کی تائید اور تقویت اور سکنیت وطمانیت کے لیے دوسرے مواقع پر بھی نازل ہوئے۔

ستر کافر قتل ہوئے اور ستر قید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بڑے پہلوان تھے، گھوڑے پر بیٹھتے تو پاؤں زمین پر لگتے تھے اور جب آواز دیتے تو پانچ کوس یعنی ساڑھے سات میل تک جاتی تھی۔ ان کو ایک کمزور سے صحابی باندھ کر لے جا رہے تھے۔ ان کو بڑی شرم آرہی تھی اور لوگوں سے کہہ رہے تھے مجھے اس نے نہیں بلکہ ایک بڑے مضبوط آدمی نے باندھا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیشی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ چوتھے آسمان کے فرشتے نے ان کو باندھ کر حوالے کیا ہے۔ بدر کو قرآن نے یوم الفرقان کہا ہے۔ یعنی اس دن حق کیا ہے اور باطل کیا ہے کا فیصلہ ہوا۔

مظاہر نصرت اور دین کے ثمرات

پھر اس کے بعد عمومی فتوحات شروع ہوئیں یہاں تک کہ حکم ہوا کہ مکہ فتح کرو۔ آپؐ نے

File Adress:

دس ہزار کا لشکر ایسے چلایا کہ کسی کو پتہ نہ چلا کہ کدھر جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے مکہ مکرمہ کی وادی کے سامنے جا ڈیرے ڈالے اور ابوسفیان جو باہر نکلا تو اس وقت اس کو اندازہ ہوا کہ مکہ گھیرے میں ہے۔اس نے خیال کیا کہ خود ہی جاؤں اور کوئی معاہدہ یا مذاکرات کرلوں۔حضرت عباسؓ نے اس کو اکیلا دیکھا تو امان دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے۔

اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعلان کردو کہ جو شخص بیت اللہ شریف میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے وہ امن میں ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے وہ امن میں ہے۔جب لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کی چھت پر چڑھیں اور اذان دیں، وہ چھت پر چڑھے اور اذان دی۔تو جو لوگ لات مار کر کہا کرتے تھے کہ تیرا خدا کہاں ہے جو تیری مدد کرے، انھوں نے آج دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کی اور وہ حبشی غلام فاتح بن کر بیت اللہ شریف کی چھت پر اذان دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک کافر کہنے لگا کہ شکر ہے کہ میرا باپ مر گیا ہے اگر وہ زندہ ہوتا اور اس کالے کوے (نعوذ باللہ) کو بیت اللہ کی چھت پر چڑھے ہوئے دیکھتا تو اسے بڑی تکلیف ہوتی۔

فتح خیبر کے بعد ہی مسلمانوں پر سے فاقہ اور تنگدستی ختم ہو گئے تھے۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں فاقہ اس لیے ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کا آیا ہوا مال شام تک اپنے پاس نہ چھوڑتے تھے بلکہ صدقہ وخیرات میں صرف کر دیتے اور اگر شام تک گھر میں کچھ رہ جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر نہ جاتے بلکہ مسجد میں رات بسر کرتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیاری حال تھا ورنہ فاقہ پھر نہ رہا تھا۔

حضرت عمر فاروقؓ کا دور آیا تو اتنی خوشحالی اور مال آیا کہ لوگوں نے پھر گن کر پیسے تقسیم

File Adress:

نہیں کیے بلکہ لپیں بھر کر اور کٹورے بھر کر دیتے تھے۔ پہلے زمانے میں اوڑی ایک پیمانہ ہوتا تھا وہ بھر کر دیتے تھے، اور گنتا کوئی نہ تھا۔ جس وقت ایران فتح ہوا اور مال غنیمت میں ہیرے جوہرات اور سونا چاندی لا کر مسجد نبوی کے صحن میں ڈالا گیا تو اتنا بڑا انبار تھا کہ ایک طرف کھڑا ہوا آدمی دوسری طرف نظر نہ آتا تھا۔ اس میں ایرانی دربار کا وہ سونے کا گھوڑا بھی تھا جس پر چاندی کی زین کسی ہوئی تھی، اور ایک اونٹنی تھی جس پر سونے کا پالان پڑا ہوا تھا۔ اور بادشاہ کی ہیرے جواہرات کی وہ صندوقچی تھی کہ اگر حکومت ختم ہو جائے اور بھاگنا پڑے تو اس صندوقچی کو اٹھا کر لے جائیں اور باقی زندگی عیش سے گزار سکیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب وہ صندوقچی دیکھی تو فرمایا کہ جس قوم کے لوگ اتنے دیانتدار ہوں کہ اس صندوقچی کو بھی لا کر مال غنیمت میں ڈال دیا ہو تو ان پر کون غالب آ سکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ فتوحات دیں۔

حضرت عثمانؓ کی چوالیس لاکھ مربع میل کی خلافت تھی اور اس وقت یہ اعلان کیا گیا کہ لوگو! زکوٰۃ بھی نماز کی طرح ایک عبادت ہے اس لیے خود زکوٰۃ نکالو اور خود ہی تقسیم کرو، زکوٰۃ کا مال رکھنے کے لیے بیت المال میں جگہ نہیں ہے۔ اور اتنا مال آیا کہ صبح کے وقت آدمی اعلان کر رہا ہوتا تھا کہ اے لوگو! بیت المال کی گندم خراب ہو رہی ہے اس کو جلدی سے لے جاؤ، اور شام کے وقت دوسرا آدمی اعلان کر رہا ہوتا تھا کہ بیت المال میں پڑا ہوا شہد خراب ہو رہا ہے اس کو جلدی نکالو اور لے جاؤ۔ اتنی فراخی اور آسودگی آئی۔

جب غلام فرمانروا بن گئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی برکت دی کہ وہ لوگ جو غریب اور غلام تھے اور پیسوں پر بِک کر آئے تھے وہ اپنے اپنے علاقوں میں حاکم اور گورنر بن کر واپس ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایک صحابی ہیں جو کہ فارس سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ

File Adress:

عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے سلمان فارسیؓ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود اپنی زبان سے اس طرح بیان کیا کہ میں ملک فارس میں قریہ جیَّ کا رہنے والا تھا۔ میرا باپ شہر کا چوھدری تھا اور سب سے زیادہ مجھ کو محبوب رکھتا تھا۔ جس طرح کنواری لڑکیوں کی حفاظت کرتے ہیں اسی طرح میری حفاظت کرتا تھا اور مجھ کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتا تھا۔ ہم مذہباً مجوسی تھے، میرے باپ نے مجھ کو آتش کدہ کا محافظ اور نگہبان بنا رکھا تھا کہ کسی وقت آگ بجھنے نہ پائے ایک مرتبہ میرا باپ تعمیر کے کام میں مشغول تھا اس لیے مجبورا مجھ کو کسی زمین اور کھیت کی خبر گیری کے لیے بھیجا اور تاکید کی کہ دیر نہ کرنا۔ میں گھر سے نکلا راستہ میں ایک گرجا پڑتا تھا، اندر سے کچھ آواز سنائی دی میں دیکھنے کے لیے اندر گھسا، دیکھا تو نصاریٰ کی ایک جماعت ہے کہ جو نماز میں مشغول ہے۔ مجھ کو ان کی یہ عبادت پسند آئی اور اپنے دل میں کہا کہ یہ دین ہمارے دین سے بہتر ہے (اس وقت عیسائیت حق دین تھا)۔ میں نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے، ان لوگوں نے کہا کہ ملک شام میں، اسی میں آفتاب غروب ہو گیا۔ باپ نے انتظار کر کے تلاش میں قاصد دوڑائے۔ جب گھر واپس آیا تو باپ نے دریافت کیا اے بیٹے تو کہاں تھا۔ میں نے تمام واقعہ بیان کیا باپ نے کہا کہ اس دین (یعنی نصرانیت) میں کوئی خیر نہیں تیرے ہی باپ دادا کا دین (یعنی آتش پرستی) بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں خدا کی قسم نصرانیوں ہی کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ باپ نے میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا۔ میں نے پوشیدہ طور سے نصاریٰ سے کہلا بھیجا کہ جب کوئی قافلہ شام کو جائے تو مجھ کو اطلاع کرنا۔ چنانچہ انھوں نے ایک موقع پر مجھ کو اطلاع دی کہ نصاریٰ کے تاجروں کا ایک قافلہ شام واپس جانے والا ہے۔ میں نے موقع پا کر بیڑیاں اپنے پیروں سے نکال پھینکیں اور گھر سے نکل کر ان کے

File Adress:

ساتھ ہولیا۔

شام پہنچ کر دریافت کیا کہ عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے ایک پادری کا نام بتایا، میں اس کے پاس پہنچا اور اپنا تمام واقعہ بیان کیا اور کہا کہ میں آپ کی خدمت میں رہ کر آپ کا دین سیکھنا چاہتا ہوں اس نے کہا بہتر ہے۔لیکن چند روز کے بعد تجربہ ہوا کہ وہ اچھا آدمی نہ تھا بڑا ہی حریص اور طامع (لالچی) تھا دوسروں کو صدقات اور خیرات کا حکم دیتا اور جب لوگ روپیہ لے کر آتے تو جمع کر کے رکھ لیتا اور فقراء اور مساکین کو نہ دیتا۔اسی طرح اس نے اشرفیوں کے سات مٹکے جمع کر لیے۔جب وہ مر گیا اور لوگ حسن عقیدت کے ساتھ اس کی تجہیز وتکفین کے لیے جمع ہوئے تو میں نے لوگوں سے اس کا حال بیان کیا اور وہ سات مٹکے دکھائے۔لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہ کریں گے۔بالآخر اس پادری کو سولی پر لٹکا کر سنگسار کر دیا۔

اس کی جگہ کسی اور عالم کو بٹھلایا،سلمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے زائد کسی کو عالم اور اس سے بڑھ کر کسی کو عابد وزاہد، دنیا سے بےتعلق اور آخرت کا شائق اور طلبگار، نمازی اور عبادت گزار نہیں دیکھا۔جس قدر مجھ کو اس عالم سے محبت ہوئی اس سے بیشتر کبھی کسی سے اس قدر محبت نہیں ہوئی۔میں برابر اس عالم کی خدمت میں رہا، جب ان کا اخیر وقت آ گیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو وصیت کیجئے اور بتلایئے کہ آپ کے بعد کس کی خدمت میں جا کر رہوں۔کہا موصل میں ایک عالم ہے تم اس کے پاس چلے جانا۔چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور ان کے بعد ان کی وصیت کے مطابق نصیبین میں ایک عالم کے پاس جا کر رہا اور ان کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق شہر عموریہ میں ایک عالم کے پاس رہا۔جب ان کا بھی انتقال ہونے لگا تو میں نے کہا کہ میں فلاں فلاں عالم کے پاس رہا اب آپ بتلائیں کہ میں کہاں جاؤں۔اس عالم نے کہا کہ میری نظر میں اس وقت کوئی ایسا عالم نہیں ہے جو صحیح

File Adress:

راستہ پر ہواور میں تم کواس کا پتہ بتاؤں، البتہ ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ گیا ہے کہ جو دین ابراہیمی پر ہوگا، عرب کی سرزمین پر اس کا ظہور ہوگا، ایک نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کرے گا اگر تم سے وہاں پہنچنا ممکن ہوتو ضرور پہنچنا۔ ان کی علامت یہ ہوگی کہ وہ صدقہ کا مال نہ کھائیں گے اور ہدیہ قبول کریں گے اور دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی، جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے۔ وہاں میں نے کچھ کمائی کا دھندہ بھی کرلیا، اور میرے پاس کچھ گائیں اور بکریاں بھی جمع ہوگئی تھیں۔ اتفاق سے ایک عرب کا جانے والا قافلہ مجھ کو مل گیا میں نے ان سے کہا کہ تم لوگ مجھ کو ساتھ لے چلو تو یہ گائیں اور بکریاں سب کی سب تم کو دے دوں گا۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کیا اور مجھ کو ساتھ لے لیا، جب وادی قریٰ میں پہنچے تو میرے ساتھ یہ بدسلوکی کی کہ غلام بنا کر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب اس کے ساتھ آیا تو کھجور کے درخت دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید یہی وہ سرزمین ہو۔ لیکن ابھی پورا اطمینان نہیں ہوا تھا کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی اس کے پاس آیا اور مجھ کو خرید کر مدینہ منورہ لے آیا۔ جب میں مدینہ پہنچا تو خدا کی قسم مدینہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی شہر ہے کہ جو مجھ کو بتلایا گیا ہے۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
خرم آنجائے کہ آنجا دلبر است

ترجمہ: مدینہ منورہ کی خاک دونوں جہانوں سے بہتر ہے۔ کیا ہی خوب جگہ ہے جہاں پر ہمارا محبوب ہے۔

صحیح بخاری میں خود حضرت سلمانؓ سے مروی ہے کہ میں اس طرح دس مرتبہ سے زیادہ فروخت ہوا ہوں۔ (لوگوں نے سلمانؓ کو بار بار بے رغبتی کے ساتھ دراہم معدودہ میں خریدا لیکن ان کی اصلی قیمت کو کسی نے نہ پہچانا)۔ میں مدینہ میں اس یہودی کے پاس رہا اور

File Adress:

بنی قریظہ میں اس کے درختوں کا کام کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں مبعوث فرمایا مگر مجھ کو غلامی اور خدمت کی وجہ سے مطلق علم نہ ہوا۔ جب آپ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور قبا میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ نے قیام فرمایا۔ میں اس وقت کھجور کے ایک درخت پر چڑھا ہوا کام کر رہا تھا اور میرا آقا درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ ایک یہودی آیا جو میرے آقا کا چچازاد بھائی تھا اور یہ کہنے لگا خدا بنی قیلہ (یعنی انصار) کو ہلاک کرے کہ قبا میں ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں جو مکہ سے آیا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی اور پیغمبر ہے۔ سلمانؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم یہ سننا تھا کہ مجھ کو لرزا اور کپکپی نے پکڑا اور مجھ کو یہ غالب گمان ہو گیا کہ میں اپنے آقا پر اب گرا۔ وہ دونوں یہودی ان کی اس حالت کو دیکھ کر سخت متعجب تھے اور سلمانؓ کی زبان حال یہ شعر پڑھ رہی تھی:

خَلِیْلَیَّ لَاوَ اللّٰہِ مَااَنَامِنْکُمَا

اِذَاعَلَمْ مِنْ اٰلِ لَیْلٰی بَدَالِیَا

(اے دوستو! خدا کی قسم اب میں تم میں سے نہیں رہا جبکہ مجھ کو دیار لیلی کا کوئی پہاڑ نظر آ گیا۔)

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم
لاجرم روئے ترا دیدم واز جا رفتم

ترجمہ: ایک عرصہ ہوا کہ آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا، جب آپ کے چہرہ مبارک کو دیکھا تو ہوش وحواس کھو گیا۔

جب سے تمہیں دیکھا ہے جب سے تمہیں پایا ہے
کچھ ہوش نہیں مجھ کو اک نشہ سا چھایا ہے

بہرحال دل کو تھام کر درخت سے اترا اور اس آنے والے یہودی سے پوچھنے لگا کہ بتا تو

File Adress:

سہی تم کیا بیان کرتے تھے، وہ خبر ذرا مجھ کو بھی سناؤ۔ یہ دیکھ کر میرے آقا کو غصہ آ گیا اور زور سے ایک طمانچہ میرے رسید کیا اور کہا تجھ کو اس سے کیا مطلب تو اپنا کام کر۔

جب شام ہوئی اور کام سے فراغت ہوئی تو جو کچھ میرے پاس جمع تھا وہ ساتھ لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ اس وقت قبا میں تشریف فرما تھے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کے اور آپ کے رفقاء کے پاس کچھ نہیں ہے آپ سب حضرات صاحب حاجت ہیں اس لیے میں آپ کے لیے اور آپ کے رفقاء کے لیے صدقہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے صدقہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ فرمایا کہ میں صدقہ نہیں کھاتا اور صحابہ کو اجازت دی کہ تم لے لو۔

سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا خدا کی قسم یہ ان تین علامتوں میں سے ایک ہے، میں واپس ہو گیا اور پھر کچھ جمع کرنا شروع کر دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو میں پھر حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کی خدمت میں کچھ پیش کروں۔ صدقہ آپ قبول نہیں فرماتے یہ ھدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں آپ نے قبول فرمایا اور خود بھی اس میں سے کھایا اور صحابہؓ کو بھی کھلایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ دوسری علامت ہے۔

میں واپس آ گیا اور دو چار روز کے بعد پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت ایک جنازہ کے ہمراہ بقیع میں تشریف لائے تھے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت آپ کے ہمراہ تھی۔ آپ درمیان میں تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کیا اور سامنے سے اٹھ کر پیچھے آ بیٹھا تاکہ مہر نبوت دیکھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے اور پشت مبارک سے چادر اٹھا دی، میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا اور اٹھ کر مہر نبوت کو بوسہ دیا اور رو پڑا۔ آپ نے فرمایا سامنے آؤ، میں سامنے آیا اور جس طرح تجھ سے اے ابن عباس میں نے اپنا یہ واقعہ بیان

File Adress:

کیا اسی طرح میں نے تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے صحابہ کی مجلس میں بیان کیا اور اسی وقت مشرف باسلام ہوا۔ آپ بہت مسرور ہوئے۔ اس کے بعد اپنے آقا کی خدمت میں مشغول ہو گیا اسی وجہ سے میں غزوہ بدر اور احد میں شریک نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا اے سلمان اپنے آقا سے کتابت کر لو (کتابت اس کو کہتے ہیں کہ غلام اپنے آقا سے یہ مقرر کر لے کہ اگر اس قدر معاوضہ کما کر تم کو دے دوں تو آزاد ہو جاؤں گا)۔ سلیمان نے اپنے آقا سے کہا۔ آقا نے یہ جواب دیا کہ اگر تم چالیس اوقیہ سونا ادا کر دو اور تین سو کھجور کے درخت لگا دو، جب وہ بار آور ہو جائیں تو تم آزاد ہو۔ سلیمان نے آپؐ کے ارشاد سے قبول کیا۔ آپؐ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ کھجور کے پودوں سے سلیمان کی امداد کریں۔ چنانچہ کسی نے تیس پودوں سے کسی نے بیس سے اور کسی نے دس سے امداد کی۔ جب پودے جمع ہو گئے تو مجھ سے فرمایا اے سلیمان ان کے لیے گڑھے تیار کرو۔ جب گڑھے تیار ہو گئے تو خود دست مبارک سے ان تمام پودوں کو لگایا اور برکت کی دعا فرمائی ایک سال گزرنے نہ پایا تھا کہ سب کو پھل آ گیا۔ مگر ایک درخت نہ پھلا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ درخت حضرت عمرؓ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نکالا اور پھر دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ظاہر ہوا کہ بے موسم درخت لگایا اور اس میں بھی اسی سال پھل آ گیا۔

بگیر ایں ہمہ سرمایۂ بہار از من

کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

ترجمہ: مجھ سے یہ سارا بہار کا سرمایہ لے لیجئے کیونکہ پھول آپ کے دست مبارک میں آنے کے بعد شاخ پر ہونے سے بھی زیادہ تر و تازہ رہتا ہے۔

درختوں کا قرض تو ادا ہو گیا صرف دراہم باقی رہ گئے۔ ایک روز ایک شخص آپ صلی اللہ

File Adress:

علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک بیضہ کی مقدار سونا لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ مسکین مکاتب (یعنی سلمان فارسی) کہاں ہے اس کو بلاؤ۔ میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ بیضہ کی مقدار سونا عطا فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو لے جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارا قرضہ ادا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سونا بہت تھوڑا ہے، اس سے میرا قرض کہاں ادا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ! اسی سے اللہ تمہارا قرضہ ادا کر دے گا۔ چنانچہ میں نے اس کو تولا تو پورا چالیس اوقیہ تھا۔ میرا کل قرض ادا ہوگیا اور غلامی سے آزاد ہوا اور آپ کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوا۔ اس کے بعد تمام غزوات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمرکاب رہا۔

غزوہ خندق میں انہی کے مشورہ سے خندق کھدوائی گئی ورنہ عرب میں اس سے پہلے خندق کا دستور نہ تھا نہ لوگ خندق کو جانتے تھے۔ اور پھر عجیب بات ہے مختلف روایتوں کے مطابق ان کی عمر ۲۵۰ سال اور ایک میں ۳۵۰ سال ہوئی ہے۔ ۲۵۰ سال عمر تو متفق علیہ ہے۔ اور پھر اتنے مشہور صحابی ہوئے ہیں کہ فارس کے علاقے جب فتح ہوئے (جس میں موجودہ عراق ایران، کویت وغیرہ کے علاقے تھے) تو ان کا گورنر بنا کر بھیجا گیا۔

پرسکون مادی فوائد روحانی تکمیل سے ہی ملتے ہیں

سب سے زیادہ مادی فوائد اللہ تعالیٰ نے ایمان و اعمال میں رکھے ہیں، اس کے بعد دنیا قدموں میں ذلیل ہو کر آتی ہے، اللہ والوں اور اہل دنیا کے مادی فوائد اختیار کرنے میں ایک فرق ہے کہ اہل اللہ اسے دین سنوارنے کا ذریعہ سمجھ کر صرف ہاتھ میں رکھتے ہیں، دل میں جگہ نہیں دیتے جب کہ اہل دنیا اسے اپنی ساری محنتوں اور کوششوں کا آخری حاصل سمجھ کر دل میں بسا لیتے ہیں۔ اگر ایمان اور اعمال کو صحیح طریقے سے حاصل کر لیا جائے، برت لیا جائے تو اس کے نتیجے میں میرے بھائی پچاس کنال، سو کنال، اور ایک کاروبار، دوسرا

File Adress:

کاروبار، ایک دوکان اور دوسری دوکان، سعودی عرب کا ویزا اور انگلینڈ اور امریکہ کا ویزا، وغیرہ چیزیں تو بڑی معمولی ہیں، ان کی کوئی وقعت نہیں۔

حیف کہ کھو یا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مالِ فقیر سلطنتِ روم وشام

روم وشام کی سلطنتوں کو اللہ تعالیٰ قدموں میں ڈالتا ہے۔ تو اس کا معاوضہ کنالوں میں نہیں ہوتا، سونے چاندی میں نہیں ہوتا، ہیرے جواہرات میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا معاوضہ ملکوں کی گورنریوں کی صورت میں قدموں میں ڈالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ۔ (النور:۵۵)

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ان لوگوں سے جو تم سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ضرور بالضرور انہیں زمین میں اقتدار دے گا۔''

تو بھئی ایمان اور اعمال صالحہ کے کمال پر اللہ دنیا کی حکومتیں جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔

ترجیحات کا تعین قلبی اہمیت کا نتیجہ ہے

انسان کا دل جس طرف مائل ہو، جو چیز اس کے دل میں بسی ہو، اس کا میلان اسی طرف ہوتا ہے، اس کی ترجیح وہی چیز ہوتی ہے، وہ اسے حاصل کرنے کے لیے ہر قربانی پیش کرتا ہے، لیکن جس چیز کی دل میں اہمیت نہ ہو، چاہے وہ کتنی ہی مفید اور اہم کیوں نہ ہو، انسان اس سے لاپرواہی برتتا ہے۔ میں پشاور یونیورسٹی میں رہتا ہوں، وہاں طلباء سے کہو کہ صبح کی نماز کے لیے اٹھو۔ تو وہ کہتے ہیں کہ یار یہ صبح کی نماز کے لیے اٹھنا بڑا مشکل ہے۔ ایک دن رات کو ڈھائی بجے طلباء کے ہاسٹلوں میں ہنگامہ ہو رہا تھا۔ میں اٹھا کہ یا اللہ! کیا ہو گیا اللہ خیر کرے۔ میں وہاں گیا تو وہاں دیکھا کہ لوگ جاگ رہے ہیں۔ معلوم کرنے پر انھوں نے کہا کہ دنیا کی مشہور اولمپک گیمز ہو رہی ہیں۔ اصل میں وہاں اس وقت دن ہے اور یہاں

File Adress:

رات ہے۔ہم لوگ اس کے تماشے کے لیے جاگے ہوئے ہیں۔میں نے کہا: ماشاء اللہ کہ کھیل کے تماشے کے لیے توسحری اور تہجد کے وقت جاگے ہوئے ہیں کیونکہ دل میں اس کی اہمیت ہے۔آج اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کل جو آدمی چار بجے پہنچے گا اس کو چار چار ہزار روپے دیئے جائیں گے تو سارے ساڑھے تین بجے اٹھے ہوئے ہوں گے بلکہ تو جو اہمیت چار ہزار روپے کی ہے اتنی ہی اہمیت نماز کی ہوتی تو سارے لوگ اٹھے ہوئے ہوتے اور جاگ رہے ہوتے۔لیکن ہم نے اس کو حاصل نہیں کیا ہے۔وہ آدمی جس کی صبح کی نماز قضا ہوتی ہے تو وہ روحانی لحاظ سے اس حال میں ہے کہ اس کے لیے اپنی اتنی اصلاح کرانا کہ فرائض پر عمل کے قابل ہو جائے فرض ہے۔اس کا کام پر جانا،نوکری،کھیت پر جانا اور اپنی اصلاح کی فکر نہ کرنا کس قدر ظلم ہے۔لیکن دلوں میں اس کی اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی دنیا کی اہمیت ہے۔

سرمایہ کو معبود بنانے کی روش

آج مال اور سرمایہ کو اتنی اہمیت اور مقام مل چکا ہے کہ گویا انسان اسے اپنا معبود سمجھ بیٹھا ہے، یہ نظریہ بن چکا ہے کہ مال ہوگا تو مسئلہ حل ہوگا،صبح سے شام تک مال ہی جمع کرنے کی ایسی کوششیں ہو رہی ہوتی ہیں کہ نماز کا بھی پتہ نہیں چلتا،ایک مختصر سی کہانی ہے کہ ترکیہ میں ایک بزرگ تھے جو مجذوب تھے۔ایک جمعہ کے دن بازار میں چلے گئے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آواز لگانے لگی یَا اَیُھا النّاس اِلٰھُکُمْ تَحْتَ قَدَمِی (اے لوگو! تمہارا خدا میرے قدموں کے نیچے ہے۔اے لوگو! تمہارا خدا میرے پیروں کے نیچے ہے۔)تو لوگوں نے کہا کہ یہ کون فاسق فاجر شخص ہے،کسی نے کہا کہ یہ کیا بیوقوف ہے،کسی نے تھپڑ مارا کسی نے لاتیں ماریں۔ان کو اتنا مارا کہ ہوش و ہواس ختم ہو کر گر گئے یہاں تک کہ آپ کی شہادت ہوگئی۔جب گر کر مر رہے تھے تو انھوں نے کہا کہ میری بات کو تم نہیں سمجھتے ہو،شین کو سین سمجھے گا۔ان بزرگ کا نام حرف شین سے شروع ہوتا تھا۔کچھ عرصہ کے بعد ترکیہ پر سین

File Adress:

سے شروع ہونے والے نام کا کوئی بادشاہ ہوا۔ایک دن ایک کتاب پڑھ رہا تھا تو ساتھ کہہ رہا تھا کہ تو بہ یہ کتاب کسی زبردست بزرگ آدمی نے لکھی ہے۔ بادشاہ نے دربار میں پوچھا کہ یہ کس نے لکھی ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ چھوڑو جی ایک پاگل فاسق فاجر آدمی تھا۔لوگوں نے چوک میں مارا تھا اور سارا واقعہ سنایا۔ بادشاہ نے کہا کہ جس چوک میں مارا تھا وہ معلوم کرو اور ساتھ ہی اعلان کروایا کہ جو جو اس جمعہ کو نماز کے لیے ہماری مسجد آئے گا اس کو دس دس اشرفی ہم انعام میں دیں گے۔اب جمعہ کے دن لوگوں کا مسجد میں ہجوم اکٹھا ہو گیا اور اتنی مخلوق آ گئی کہ کیا پوچھنا۔اب جب پہلی اذان کا وقت آیا (پہلی اذان کے وقت آدمی مسجد میں نہ ہو تو نماز ناقص ہو جاتی ہے) تو کچھ لوگ مسجد میں جو متقی تھے انھوں نے کہا کہ نہ خطیب آیا اور نہ بادشاہ سلامت آیا۔اب اذان کا وقت ہو گیا اور ہماری نماز خراب ہوتی ہے لہذا وہ دوسری مسجد میں چلے گئے۔اور جب نماز ہونے کا وقت آیا تو کچھ اور لوگ دوسری مسجد میں چلے گئے۔لیکن یار لوگ جو اشرفیوں کی لالچ میں آئے تھے وہ بیٹھے رہے۔ نہ قاضی آیا نہ بادشاہ۔ جمعہ کی نماز ہی مسجد میں نہیں ہوئی اب بادشاہ اور قاضی صاحب کسی دوسری جگہ نماز پڑھ کر آئے۔ بادشاہ نے کہا کہ سب کو گھیرا ڈالو اور گرفتار کرو۔گھیرا ڈالا گیا اور گرفتار کیا گیا اور کہا کہ ان سب کو اس چوک پر لے کر آ جاؤ جہاں ان بزرگ کو قتل کیا گیا تھا، اور انھوں نے اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! تمہارا خدا میرے قدموں کے نیچے ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ اس جگہ کی کھدائی کرو۔کھدائی کی گئی تو اشرفیوں کا خزانہ نکلا۔اب بادشاہ نے کہا کو ہر آدمی کو دس دس اشرفی دینا اور ساتھ ہی یہ بھی کہنا یہ لے یہ تیرا خدا ہے یہ لے یہ تیرا خدا ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ ان بزرگ جب نے یہ اعلان کیا تھا اصل میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تھا، اذان ہو گئی تھی اور دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔اب جمعہ کا دن ہو اور اذان ہو جائے اور پھر بھی دکانیں کھلی رہ جائیں۔تو اب یہ دکان دکان نہیں ہے یہ خدا ہو گیا۔اس آدمی نے مال کو گو یا خدا سمجھ لیا

File Adress:

ہے جس کے لیے جمعہ کے دن اذان کے بعد بھی دکان نہیں بند کر رہا۔ تو انھوں نے کہا کہ ان لوگوں کا خدا تو پیسہ تھا اور یہ جو بزرگ تھے انھوں نے اعلان کیا تھا کہ اے لوگو! تمہارا خدا میرے پیروں کے نیچے ہے یعنی یہاں اشرفیوں کا خزانہ پڑا ہوا ہے اس کو کھودو تم لوگوں کو مل جائے گا اور تمہارا کام ہو جائے گا۔ تو انہوں نے یہ نہیں کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تبارک وتعالیٰ میرے قدموں کے نیچے ہے بلکہ تمہارا خدا مال ہے اس وقت وہ میرے قدموں کے نیچے ہے۔ اس میں ایک رمز تھی جس کو یہ بادشاہ سمجھا۔ تو معاف کریں ہم نماز کے لیے بھی آتے ہیں حج بھی ہم نے کیا ہوگا لیکن ہمارے اندر کا حال ایسا ہے کہ مال کو پوجتے رہتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب مسجد میں کھڑے تقریر کر رہے تھے کہ آج اتنا برکت والا دن ہے کہ جو شخص حلوہ پکائے گا اس کو اتنا ثواب ہوگا، جو شخص پلاؤ پکائے گا اس کو اتنا ثواب ہوگا۔ گھر پر جب واپس آئے تو گھر والی نے بھی حلوہ پکایا ہوا تھا تو مولوی صاحب نے کہا کہ یہ تو نے کیوں پکایا؟ کیا خاص بات تھی؟ تو بیوی نے کہا کہ تو جو مسجد میں اس کے بارے میں اِتنی تقریر کر رہا تھا۔ تو مولوی صاحب نے جواب دیا: اُو ہو! وہ تو دوسرے لوگوں کے لیے تھی تیرے لیے تو نہیں تھی۔ تقریر بھی ہم کر لیتے ہیں لیکن یہ چیز ہمیں حاصل بھی ہو یہ ہم سے نہیں ہوتا اور مسئلہ تب بنتا ہے جب تیرے اور میرے دل میں یہ بات آئے اور تیرے اور میرے عمل میں یہ بات آئے۔

اللہ کو ناراض کرنے کا انجام

اس وقت جو مسلمان تکلیف میں ہے تو پچاس فیصد مسلمان اُس ضروری دین پر نہیں ہیں جو فرض اور واجب ہے، باقی تو دور کی بات ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی مدد کیسے آئے؟ جب انسان نافرمانی پر اتر تا ہے، تو رفتہ رفتہ وہ اتنا گر جاتا ہے کہ اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نظر کرم سے گر جاتا ہے۔ جیسے آدمی ایک بڑا کارخانہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ

File Adress:

میرا بیٹا اس کو سنبھالے گا۔ بیٹا پہلے سال جو کام کرتا ہے تو نقصان کر دیتا ہے، باپ کہتا ہے چلو اس کے ساتھ سمجھدار آدمی لگاتے ہیں، اُس کے ساتھ صحیح کام کرے گا۔ اب دوسرے سال جو کام کیا تو مینجر نے کہا کہ اس نے تو میری شامت کر دی جو کماتا ہوں خرچ کر دیتا ہے اور فضولیات پر ضائع کر دیتا ہے، باپ کہتا ہے کہ اچھا اس کو کارخانے سے علیحدہ کر دو۔ لیکن بیٹا پھر بھی باز نہیں آتا، وہ کسی کے پاس گیا اور کہا کہ والد صاحب دس ہزار مانگتے ہیں دوسری جگہ گیا اور کہا کہ بیس ہزار مانگتے ہیں ہر جگہ والد صاحب کی شلوار اتاری۔ چلو باپ نے ان کے پیسے ادا کر دیے اور بیٹے کو سمجھایا کہ سنبھل جائے گا۔ اگلے دن اطلاع آئی کہ آج فلاں کی بیٹی پر ہاتھ ڈال دیا فلاں جگہ یہ واردات کر دی، تو پھر باپ یہ کہتا ہے کہ کوئی شخص جا کر اس کی کھوپڑی میں سوراخ کر دے اور اس کا جنازہ کوئی لے آئے تو میں بڑا خوش ہوں گا۔

ہماری یونیورسٹی میں ایسا ہی ایک واقعہ ہوا کہ مجھے کسی نے کہا کہ ہمارے فلاں بابو صاحب کا بیٹا مر گیا ہے۔ یونیورسٹی میں مجھ سے جنازہ اور دعا نہیں چھوٹتے لیکن یہاں کافی دن گزرنے کے بعد میں دعا کے لیے گیا۔ میں نے اس کے بیٹے کی وفات پر افسوس کیا تو اس نے جواباً کہا کہ یار دفعہ کرو۔ خیر میں نے سوچا کہ کوئی ایسی بات ہے جو کہ نہیں پوچھنی چاہیے، پتہ نہیں بیٹے نے باپ کو کیا زخم لگایا ہوا ہے۔ کسی دوسرے آدمی سے میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ تو ڈاکوؤں کے گینگ میں تھا اور چاروں طرف جو واردات ہو رہی تھیں ان سب میں وہ ملوث تھا۔ اور باپ سخت تنگ آیا ہوا تھا اور وہ انہی وارداتوں میں قتل ہوا۔ تو معاف کریں کہ آج مسلمان اس حال کو پہنچا ہوا ہے، آہ! کہ جس پر باپ بھی کہتا ہے کہ میں اس بیٹے کی لاش دیکھنا چاہتا ہوں اور لاش جب آتی ہے تو اس کو غسل بھی دیتا ہے کفن دفن کا انتظام بھی کرتا ہے اور کچھ پیسے صدقہ خیرات بھی کرتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اِس کی بخشش ہو جائے۔ لیکن بہرحال اُس کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ آج مسلمان نے بھی اللہ تعالیٰ کو ناراض

File Adress:

کیا ہوا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گرا ہوا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جگہ جگہ اس پر پریشانیاں اور مصیبتیں ہیں۔

اصلاح کیسے ہو؟

ہم جو آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں تو اپنے لیے اور آپ کے لیے یہ فکر پیدا کرنی ہے کہ کامیابی و فائدہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال و دولت میں نہیں رکھا۔ بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے تعلق میں اور حضور والے اعمال میں رکھا ہے۔ برکتیں اعمال صالحہ میں ہیں اور خسارہ و تباہی معصیت میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے تعلق کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اب اگر کسی بیماری کی تشخیص ہو جائے تو آدمی کہتا ہے کہ اس کا علاج کہاں ہوتا ہے کہ میں وہاں پہنچوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر دور میں انسانوں کی اصلاح کا بندوبست کیا ہے۔ آج کے دور میں بھی ایسی جگہیں ہیں اور ترتیبیں ہیں کہ آدمی کو وہاں سے اصلاح ملتی ہے۔ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ چلے جائیں کام کریں تو آدمی کی زندگی بدل جاتی ہے، کوئی اللہ تعالیٰ کے تعلق والے بندے ہوں تصوف کے صحیح سلاسل والے بندے ہوں اُن سے آدمی بیعت کر لے تو اللہ تبارک و تعالیٰ زندگی بدل دیتے ہیں۔ ہمارا رمضان کے دِنوں میں پشاور میں ۱۰ دن کا اعتکاف ہوتا ہے۔ ایک شخص آیا کہ ہمارا ایک ماموں کسی سیاسی پارٹی میں رہا ہے اور شرابی ہے۔ میں اُس کو اعتکاف میں لانے کو کہا، اللہ کی شان دس دن کے بعد مکمل تبدیل ہو کر اُٹھا۔ اُس نے کہا کہ اب جا کر میں سیاسی جماعت والوں سے بات کروں گا کہ آپ نے تو میری زندگی تباہ کر دی ہے۔ عرض یہ ہے کہ آپ اپنے بننے کی فکر کریں اور جب بننے کے بعد آپ جائیں گے تو ہر جگہ لوگ آپ سے محبت کریں گے اور آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

فردِ کامل کے عمل اور دعوت کا ثمرہ

File Adress:

انسان جب اپنی اصلاح کے لیے فکر مند ہوتا ہے اور اللہ کے احکام کو اختیار کرتا ہے، تو اس کے لیے اگر دنیاوی مفاد کی قربانی دینا پڑے تو وہ پیش کرنے سے نہیں کتراتا، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کا دین بھی رکھتا ہے اور اس کی دنیا کی حفاظت فرماتا ہے، اور اس کے ذریعے باقی لوگوں کو بھی ہدایت عطا فرماتا ہے، انگلینڈ کی عورتیں جب نماز پڑھتیں اور پردہ کرتیں تو لوگ اُن کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اب وہی انگریز پردہ کی ہوئی عورتوں کو کہتے ہیں کہ ''she is a holy lady'' کہ یہ ایک مقدس اور متبرک خاتون ہے۔

جرمنی کے کارخانوں کو چھ لاکھ ترک چلا رہے ہیں۔ جب اُنھوں نے چار چار مہینے لگائے تو اب انھوں نے نماز پڑھنی ہوتی ہے۔ لیکن کارخانے والوں کے ایسے اوقات ہیں کہ انھوں نے نماز پڑھنے سے منع کر دیا۔ بڑی دعائیں مانگیں، اجازت مانگی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آخر اُنھوں نے سوچا کہ اگر مزدوری نہ کریں تو کھائیں کہاں سے اور اگر مزدوری کریں تو یہ ہمیں نماز نہیں پڑھنے دیتے اور وہ کام جس میں نماز نہ پڑھنے دی جائے اس کا کرنا تو مسلمان کو حلال ہی نہیں ہے۔ آخر کافی غور وخوض کے بعد یہ حل نکالا کہ ان سے جا کر بات کریں کہ آپ ہمیں آٹھ گھنٹے کا کام دے دیا کریں اور وقت مقررہ پر ہم سے پورا کام لیا کریں، اور اس دوران ہم جو کچھ کریں نماز پڑھیں مگر کام آپ کو پورا ملے گا۔ وہ لوگ سمجھدار تھے انھوں نے اجازت دے دی۔ خیر اب وہ لوگ نماز پڑھ کر آئے تو انھوں نے ڈیڑھ بجے تک سارا کام ختم کر کے دے دیا اور کام کا معیار بھی اعلیٰ تھا جب کہ دوسروں نے دو بجے دیا۔ عموماً اگر مزدور چھ میں سے چار گھنٹے کام کرے تو چار گھنٹے کے بعد آدمی سُست پڑ جاتا ہے اور ہارمونز (harmones) کم ہونے لگتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کا کام بڑے اعلیٰ معیار کا تھا اور تھا بھی پورا۔ تو انھوں نے تحقیق کرائی، جس سے پتہ چلا کہ یہ لوگ ہاتھ منہ دھوتے ہیں، سر کا اور گردن کا مسح کرتے ہیں اور واشنگ (یعنی وضو) کرتے جس سے فریش ہو

File Adress:

جاتے ہیں اور پھر کچھ ورزش کرتے ہیں (یعنی نماز پڑھتے ہیں) جس سے ان کی کارکردگی بڑھ جاتی ہے بلکہ اور زیادہ اچھی ہوجاتی ہے اور اُس سے اِن کے اندر سکون پیدا ہوتا ہے۔ تو اِس بات پر اُن کو بڑی حیرت ہوئی۔ تو دین کا کام انسان کرنا چاہے ہر جگہ گنجائش ہے اور جس جگہ جاؤ گے وہاں ہاتھوں ہاتھ لیے جاؤ گے۔

لاہور کی جیلوں کی ٹریننگ کالج کے پرنسپل نے مجھے ایک واقعہ سنایا کہ انھیں حکومت پاکستان نے امریکہ، وہاں کی جیلوں کا معائنہ کرنے کے لیے بھیجا کہ وہاں سے کچھ سیکھ کر یہاں کام میں لایا جائے۔ انھوں نے کہا کہ امریکہ میں ۸۰ ہزار جیلیں ہیں اور ان کی ۴ کروڑ کی آبادی جیلوں میں ہے جبکہ کل ۲۴ کروڑ کی آبادی ہے۔ یہ کوئی پانچ سات سال پہلے کا واقعہ ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کی آبادی ۱۲ کروڑ ہے اور ۸۰ جیلیں ہیں۔ اور ۸۰ ہزار قیدی ہیں اِتنا فرق ہے!۔ انھوں نے کہا کہ اِن کے ۴۰ لاکھ بچے دسویں کے امتحان میں شامل ہوتے ہیں۔ ان میں ۲۴ لاکھ پاس ہوتے ہیں اور ۱۶ لاکھ فیل ہوتے ہیں۔ اور یہ ۱۶ لاکھ ۳ سالوں کے اندر اندر جرائم کر کے جیلوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے جیلوں میں ملازمین وافسران کی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں کہ یہ بڑا خطرناک کام ہے۔ مرد اور عورتیں ملازم ہوتے ہیں قیدی اِن کو مارتے ہیں اور عورتوں کے ساتھ بدکاری کرتے ہیں۔ سال کے آخر میں Data جمع کرتے ہیں تو نظام کی اچھائی اور برائی کا موازنہ کرتے ہیں۔ خیر ایک سال کے آخر میں Data سے پتہ چلا کر چند جیلوں میں کوئی ہنگامہ لڑائی اور بدکاری کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ ان جیلوں میں کچھ کالے حبشی مسلمان قیدیوں نے نماز اور تعلیم وغیرہ شروع کی ہے۔ اور مزید تفصیل پر پتہ چلا کہ کچھ مسلمان تبلیغ والے تھے جو کسی وجہ سے جیل میں چلے گئے تھے اور انھوں نے یہاں آ کر بھی نماز اور تعلیم شروع کر دی۔ ۱۹۹۱ء میں جب بڑے بُش نے عراق پر حملہ کیا تو اُسی دوران اس نے یہ

File Adress:

حکم دیا کہ تمام جیلوں میں مسلمانوں کی عبادت وتعلیم شروع کی جائے Muslims worship and teachings should be started in the jails . توصرف ۱۵۰ جیلوں میں نماز وتعلیم شروع کرائی اور امریکی حکومت نے ان کو اجازت دی کہ کھانے کا تم اپنا میس چلاؤ۔ تو کہتے ہیں کہ جب کوئی امریکی لڑکا گرفتار ہوکر آتا تھا تو وہ دیکھتا تھا کہ ایک یہودیوں کا میس ہے، ایک کرسچین میس اور ایک پر لکھا ہے حلال میس۔ تو وہ پوچھتا تھا کہ حلال کیا ہے تو وہ کہتے یہ مسلم میس ہے مسلمانوں کے کھانے کا۔ تو وہ کہتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا کھانا تو کھایا ہوا ہے چلو حلال کا تجربہ کرتے ہیں۔ تو جب کوئی وہاں آتا تو وہ کہتے کہ ہمارے یہاں شراب نہیں ہوگی بلکہ کوئی سافٹ ڈرنک یعنی شربت وغیرہ ہوگا۔ جب وہ امریکی لڑکا تین یا چار بار حلال کھانا کھاتا ہے تو اس کو بڑا مزہ آتا ہے جبکہ حرام کھانے سے اس کے پیٹ میں بخارات کا بننا، بوجھ ہونا اور سر کا بھاری ہونا وغیرہ ہوتا تھا، جو کہ حلال کھانے سے نہیں ہوتا۔ تو جیل کے حکام سے جا کر کہتا کہ اگلا ہفتہ پھر میں مسلم میس میں رہنا چاہتا ہوں۔ جب تیسرے ہفتہ وہ مسلم میس رہنا چاہے تو اسے بتایا جاتا ہے کہ اس کے لیے تمھیں مسلمانوں کے پادری یعنی امام سے اجازت لینی ہوگی۔ اور جب وہ امام سے تیسرے ہفتے میس کی اجازت طلب کرتا ہے تو وہ کہتے کہ دو ہفتے ہمارے میس کا کھانا کھاتے رہے ہو۔ اور نہ ہماری نماز آکر دیکھی اور نہ تعلیم میں بیٹھے ہو یہ تو بڑا مشکل ہے، تو وہ امریکی لڑکا نماز، تعلیم دیکھنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اب جب وہ ان کی تعلیم میں بیٹھتا ہے اور انکے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو چوتھے ہفتے وہ مسلمان ہو چکا ہوتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ اُس پرنسپل صاحب نے بتایا کہ پچھلے سال چار لاکھ جیل کے آدمی مسلمان ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ ایک امریکی جماعت میں بیوی سمیت آیا۔ مجھے ساتھیوں نے پیغام بھیجا کہ تم آؤ اور اسکولے کر اسلامیہ کالج کے پروفیسروں اور طالب علموں سے ملواؤ۔ اُس نے ایسی

File Adress:

خوبصورت پگڑی باندھی ہوئی تھی اورتہہ کی ہوئی چادر اُس نے کندھے پر ڈالی ہوئی تھی اور ہاتھ میں لاٹھی لی ہوئی اور چھ فٹ اُس آدمی کا قد۔ جواس نے سنا کہ یہ سنت ہے بس اُس نے اُس کو لے لیا۔ خیر اُسکو میں لے گیا اور پہلے پروفیسروں سے ملایا تو انھوں نے کہا کہ طلباء کو جمع کر کے ان کی تقریر ہونا چاہیے۔ انھوں نے طلباء کو جمع کر لیا تو یہ آدمی تقریر کے لیے کھڑا ہوا۔ اس نے انگریزی میں بیان کیا ایک کیمسٹری کا پروفیسر کیمونیزم سے متاثر تھا، اُس کا دماغ چکرایا ہوا تھا۔ تو اس نے امریکی سے سوال کیا کہ آپ کہہ رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، آخرت ہے، مگر آپ کوئی عقلی ثبوت نہیں دے رہے، ہمیں تو ہر بات کا عقلی ثبوت دیں۔ وہ امریکی مسلمان بڑے جذبے میں آیا اور اُس نے پروفیسر کو کہا کہ دیکھو! میں دلائل سے مسلمان نہیں ہوا ہوں، میں عمل سے مسلمان ہوا ہوں۔ میں نے اِن لوگوں کا عمل دیکھا ہے اور میں جو کھڑا تقریر کر رہا ہوں تو تیرا کیا خیال ہے میں کوئی عالم ہوں ۔ میں عالم نہیں ہوں بلکہ ” There is fire in my heart which makes me speak. (کہ میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے تو مجھے بُلوا رہی ہے۔) اُس نے جب یہ بات کہی تو میں نے دیکھا کہ میرے اردگرد جو گیارھویں و بارھویں کے طلباء بیٹھے ہوئے تھے اُن کی آنکھوں میں آنسو جاری ہوئے۔ تو میں نے تھوڑی دیر کے لیے سوچا کہ یا اللہ! یہ اُس ملک کا باشندہ ہے جہاں فحاشی وعریانی کی حد ہوگئی ہے، اس نے اسلام قبول کیا ہے اور کیسے طریقے سے بیان کر رہا ہے۔ کہیں کل ایسا نہ ہو جائے کہ اسلام لا کر کامیابی کے سارے نقشے ان کے ہاتھ میں آ جائیں اور ہم اِسی جگہ پڑے رہ جائیں۔

ایک امریکی کالج کا طالب علم تھا مسلمان ہو کر رائے ونڈ میں آیا ہوا تھا۔ یرقان کی بیماری سے آنکھیں پیلی تھیں اُس کو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ میں جب وہاں گیا تو انھوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب تم جلدی جاؤ ہسپتال میں امریکی داخل ہے۔ اُس کے ساتھ رہو گے، ہسپتال

File Adress:

میں اُس کا علاج ہو رہا ہے، اُس کا خیال بھی رکھو گے اور تعلیم بھی کیا کرو گے۔ انگریزی میں کتاب پڑھو گے کہ اُس کا دل لگا رہے اور ہسپتال کے چار دن میں اُس کا ذہن نہ بدل جائے۔ میں چلا گیا اور اس سے ملا، ظہر کی اذان ہوئی، وہ اور میں اٹھے اور نماز پڑھ کر آئے۔ اس نے کہا کہ see, people around us are muslims. کہ کیا ہمارے اردگرد مسلمان ہیں؟ میں نے کہا: جی ہاں تو اس نے کہا کہ وارڈ کے لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ میں نے کہا: مسئلہ یہ ہے کہ دراصل یہ نسلی مسلمان ہیں نماز تب پڑھیں گے جب ان کو نماز کی تبلیغ کی جائے گی۔ اس نے کہا: اچھا جی۔ خیر میں نے کہا: آپ لیٹ جائیں اور میں ہسپتال کے پاس ایک چوک ہے گوالمنڈی کی طرف چلا گیا، وہاں سے کچھ سیب اور انگور وغیرہ لانے تھے۔ جب میں واپس آیا تو وہ بڑا خوش چار پائی میں بیٹھا تھا۔ اس نے کہا کہ دیکھو جب تم چلے گئے ناں تو میرا دل چاہا کہ میں سب لوگوں کو تبلیغ کروں۔ تو میرے پاس چار پائی پر دوسرا آدمی ہے میں اُس آدمی سے کہا کہ تجھے انگریزی آتی ہے؟ اس نے کہا کہ آتی ہے۔ تو اس کو ساتھ لیا اور ان ۳۲ کے ۳۲ مریضوں کو اور ان کے رشتہ داروں کو میں نے تبلیغ کی ہے۔ اب جب عصر کی نماز کا وقت ہوگا تو ہم نماز کے لیے ان کو لے کر جائیں گے۔ عصر کی اذان ہوئی تو وہ کھڑا ہوا اور کہا کہ come on, come on for prayer یعنی آؤ آؤ نماز کے لیے۔ یا اللہ! امریکی طالب علم انگریزی کالج کا اور نسلی مسلمانوں کو اُٹھا کر نماز کے لیے جا رہا ہے۔ سبحان اللہ۔ اور چار دن میں اللہ تعالیٰ نے اِس کو شفا دے دی اور جس دن میں اس کو لے جا رہا تھا۔ تو وارڈ کے مریض اور ان کے رشتہ دار، نرسیں، ڈاکٹر اور سب لوگ کھڑے تھے اور اُس نے عربی لباس پہنا ہوا تھا اور سر پر رومال ڈال ہوا ہے اور سب جلوس بنا کر اُس کے پیچھے گئے کہ آج عبداللہ یاسین جا رہا ہے۔ ایک برطانوی مسلمان ہوا تو اُس کو پشاور یونیورسٹی بھیجا۔ میں نے کہا: آئیں! میں آپ کو

File Adress:

لے جاتا ہوں کہ آپ طلباء سے تھوڑی سی بات کریں وہ انگریزی سمجھتے ہیں۔ اُس کو میں بیان کے لیے لے گیا تو اُس نے کہا کہ دیکھوتم لوگوں کے اندر کوئی خاص کشش نہیں تھی کہ میں تمہاری وجہ سے مسلمان ہوا ہوں۔ بلکہ میں اُس زندگی کی گندگیوں سے جو میں وہاں گزار رہا تھا تنگ آ کر مسلمان ہوا ہوں۔ بیان کے بعد اُس نے کہا کہ

Now the things which we have spitted you are liking them.

''کہ وہ چیزیں جنہیں ہم نے تھوکا ہے تم انہیں چاٹ رہے ہو۔''

اِس آدمی نے تہبند پہنی ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنی ہے لہٰذا میں بھی پہنوں گا۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مدار فلاح

ہم کو سنت پر فخر ہونا چاہیے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر فخر ہونا چاہیے اور اگر تو فخر نہیں کرے گا تو کافر مسلمان ہو کر اِس کو لے گا اور اس پر فخر کرے گا۔ اور اللہ اُس کو ساری دنیا کی سرداری دے گا۔ اس امت پر وہ دور بھی گزار ہے کہ ترکیہ کا عثمانی سلطان سال میں ایک مرتبہ تاج وشاہی لباس پہن کر آتا تھا اور بیت اللہ شریف میں جھاڑو دیتا تھا، پھر مسجد نبوی میں جاتا اور روضہ مبارک پر جھاڑو دیتا تھا اور گرد کو اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتا اور جھاڑو کو اپنے دربار میں رکھتا تھا۔ اور جب بادشاہ کی تخت نشینی ہوتی اور اُس کو تخت پر بٹھایا جاتا تو جھاڑو اُس کے تاج پر رکھا جاتا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر استعمال ہونے والا جھاڑو ہمارے تاج پر رکھا جائے۔ اِس قدر تعلق تھا مسلمان کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

سلطان عبدالمجید نے مسجد نبوی کو بنایا ہے۔ جو اگلا حصہ ہے یہ سلطان عبدالمجید نے بنایا

File Adress:

ہے۔ ابھی بھی قبلے کی مخالف سمت کا جو درمیانی دروازہ ہے اُس کو بابِ مجیدی کہتے ہیں۔ جب علماء نے کہا کہ بادشاہ سلامت مسجد نبوی تیار ہوگئی ہے اب اِس کا افتتاح کرنے کے لیے آپ آئیں، تو اس نے کہا کہ یہ منہ اِس قابل نہیں ہے کہ میں اِس مسجد کا افتتاح کروں، میں اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد کے افتتاح کے قابل نہیں پاتا۔ علماء نے بڑا کہا کہ آپ آئیں گے، آپ نے بڑی محبت سے بنائی ہے۔ اس کا ایک ستون ہے پورا ایک سنگِ سرخ سے بنا ہوا ہے وہ اندر سے خالی ہے اور اس کے اندر لوہا ڈال کر بھرا ہوا ہے۔ سعودی حکومت نے نئی تعمیر کرنے کے لیے ان ستونوں کو گرانا چاہا، ان کی کرینیں فیل ہوگئیں مگر ان ستوتوں کو نہ گرا سکیں۔ ایسی محبت اور اخلاص سے انھوں نے بنایا ہے۔ تو سلطان نے کہا کہ مجھے رسیوں سے اور زنجیروں سے باندھ کر مجرموں کی طرح لے جا کر دروازے پر کھڑا کرو گے۔

چلا ہوں ایک مجرم کی طرح میں جانب طیّبہ
نظر شرمندہ شرمندہ قدم لرزیدہ لرزیدہ

سلطان کو اس طرح لا کر کھڑا کیا گیا اور یہ ادا اتنی پسند آئی ہے کہ سب دروازوں کا نقشہ بدل گیا مگر باب المجیدی اب بھی ہے اور شاید قیامت تک رہے گا۔

دیکھ کر ان کو شاہوں کے سر جھک گئے
ان کے ادنیٰ غلاموں میں شامل ہوئے
سلاطین ہیں غلامانِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
غلامانِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں سلاطین
آرزو آدم و عیسٰی نے تمہاری کی ہے
کتنے معصوم رسولوں کی تمنا تم ہو

File Adress:

لَقَدْ جَاۗءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِمْ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبۃ:۱۲۸، ۱۲۹)

''یقینا تمہارے پاس آیا رسول تمہاری جنس کا، تمہارے انسانوں میں سے آیا تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس سے ان کو بہت تکلیف ہوتی ہے ان کو یہ بات بڑی گراں ہوتی ہے تمھیں خیر پہنچنے کی ان کو بہت زیادہ چاہت ہے، ایمان والوں پر مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔''

علماءِ تفسیر کہتے ہیں کہ یہ دو باتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کے بارے میں بھی چاہتے ہیں۔ کفار جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں ان پر بھی کوئی تکلیف آتی ہے تو اس سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف ہوتی ہے اور بالمؤمنین رؤف رحیم کو علیحدہ کر کے کہا گیا کہ مومنین کے لیے تو خاص طور سے مہربانی والے ہیں اور بڑی رحمت والے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا:

اے امت والو! ایسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تم منہ پھیرتے ہو، تو اے پیغمبر آپ اِن سے کہہ دیں کہ میرے لیے میرا اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور وہ اتنے بڑے عرش کا مالک ہے۔ لہٰذا تیری میری، ذاتِ عالی صفات کو ضرورت نہیں ہے اور تمہیں اور مجھے ان کی ضرورت ہے۔

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بروزِ قیامت آپ کہاں ملیں گے۔ تو فرمایا کہ یا تو میں حوضِ کوثر پر ملوں گا یا پھر اعمال کے ترازو کے پاس ملوں گا اور جب تک امت کی مغفرت نہیں ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پریشان کھڑے ہوں گے۔

تو اور میں چاہت و محبت نہیں کرتے ہیں ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بہت چاہت اور محبت ہے۔

File Adress:

وہ ذاتِ مقدس خود جو یائے محبت ہے

پھر دیکھ تو لے کر کے ان سے کوئی یارانہ

مولانا زکریاؒ صاحب نے فضائل درود شریف لکھی ہے، حضرت تھانویؒ نے زادالسعید لکھی علامہ سخاویؒ نے قول بدیع لکھی ہے، اس کو پڑھیں۔ فضائل درود شریف میں واقعہ لکھا ہے:

محمد بن مالکؒ کہتے ہیں میں قاری ابوبکرؒ کے پاس گیا تا کہ وہاں کچھ پڑھوں ان کی مجلس میں ایک بڑے میاں آئے جن کے سر پر بہت ہی پرانا عمامہ تھا ایک پرانا کرتہ اور ایک پرانی سی چادر تھی ابوبکرؒ ان کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے انھیں اپنی جگہ پر بٹھایا، اہل وعیال کی خیریت پوچھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ رات میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے گھر والوں نے مجھ سے گھی اور شہد کی فرمائش کی۔ شیخ ابوبکر ان کا حال سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اسی حال میں ان کی آنکھ لگ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اتنا رنج کیوں ہے، علی بن عیسیٰ وزیر کے پاس جا اس کو میری طرف سے سلام کہنا اور یہ علامت بتانا کہ تو ہر جمعہ کی رات اس وقت تک نہیں سوتا جب تک مجھ پر ایک ہزار مرتبہ درود نہ پڑھ لے اور اس جمعہ کی رات میں تم نے سات سو مرتبہ پڑھا تھا کہ تیرے پاس بادشاہ کا آدمی بلانے آ گیا تو وہاں چلا گیا اور وہاں سے آنے کے بعد تو نے اس مقدار کو پورا کیا۔ یہ علامت بتانے کے بعد اس سے کہنا کہ اس نومولود کے والد کو سو دینار دے دے تا کہ یہ اپنی ضروریات میں خرچ کرے۔ قاضی ابوبکر اٹھے بڑے میاں کو ساتھ لیا وزیر کے پاس پہنچے اور کہا ان بڑے میاں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ وزیر کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنی جگہ بٹھایا اور ان سے قصہ پوچھا۔ شیخ ابوبکرؒ نے سارا قصہ سنایا وزیر کو بہت خوشی ہوئی ایک توڑا نکال کر لایا اس میں سے سو دینار بڑے میاں کو دیے سو اور نکالے تا کہ شیخ ابوبکر کو دے لیکن شیخ نے لینے سے انکار کر دیا۔ وزیر نے اصرار کیا کہ ان کو

لے لیجئے اس لیے کہ یہ اس بشارت کی وجہ سے ہے جو آپ نے اس واقعہ کے متعلق سنائی۔ اس لیے کہ یہ ایک ہزار درود شریف والا واقعہ ایک راز ہے جس کو میرے اور اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

تو ابھی بھی تجھ پر جو تکلیف آتی ہے اس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محسوس فرماتے ہیں ان کو دکھ ہوتا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ایک لڑکی تھی اس کے گردے فیل ہو گئے تھے اور اس زمانے میں گردے کی صفائی (dialysis) کا انتظام نہ تھا۔ ایک انجکشن ہوتا تھا (lasix) اس کی کافی مقدار (heavy doze) لگائیں تو اس سے گردہ چل پڑتا تھا۔ بہر حال اس لڑکی کو شفا تو نہ ہوئی البتہ اس پر نزع طاری ہو گیا۔ نزع کی حالت میں اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ ہٹ جائیں ہٹ جائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ اولیاء کے ایک گروہ ہے کہ ان کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لاتے ہیں۔

بڑی ہی چاہت ہے تیرے لیے اُس طرف سے، تو بھی اگر چاہ لے تو کام بن جائے گا۔ سبحان اللہ! تو اس بات پر غور کریں اور اپنے لیے فیصلہ کریں کہ منزل بہت دور نہیں ہے تیرے اپنے ہاتھ میں ہے تیرے اپنے آگے ہے۔ تیرے اسی قدم کے نیچے ہے جہاں تو کھڑا ہے۔ بس یہیں توبہ تائب ہو جا، نیت کر لے، یہیں فیصلہ ہو جائے گا، آگے لمبا مسئلہ نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

File Adress:

فرمایا کہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کسی بھی مقام اور حالت کے پکے ہو جانے کے بعد بےفکر نہیں ہو جانا چاہیے بلکہ اس حالت کی حفاظت کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ بعض حضرات کے ساتھ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کوئی اچھی حالت حاصل ہو گئی تو بے فکر ہو گئے اور نفس و شیطان نے اپنا داؤ چلا لیا اور آدمی کو پھر مزے اور چسکے والی زندگی کی طرف کھینچ لیا۔ اس طرح رُوحانی تنزل شروع ہو جاتا ہے جس کو اصطلاح میں ''رجعت'' کہتے ہیں۔ رجعت والے آدمی کی حالت بہت خطرے میں ہوتی ہے، اگر وہ اپنی فکر نہ کرے اور مزوں اور معصیت میں بڑھتا چلا جائے تو نیک مجالس میں جانے سے گھبرانے لگتا ہے کہ یہ لوگ مجھ سے پھر وہی پابندی والی زندگی شروع کروا دیں گے۔ رجعت سے بھی آگے گمراہی کا ایک قدم ہے جس کو ''وحشت'' کہتے ہیں اور اگر یوں ہی آدمی چلتا رہے تو دِین والے لوگوں سے دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے اور وہ بُرے لگنے لگتے ہیں، یہ حالت بہت خطرناک ہے اس کو ''عداوت'' کہتے ہیں ایسے آدمی کے سوءِ خاتمہ (کفر پر موت) کا خدشہ ہوتا ہے، اس لیے آخری سانس تک محنت اور کوشش میں لگے رہنا چاہیے جیسا کہ کسی عارف کا قول ہے:

اندر ایں رہ می تراش و می خراش

تا دمِ آخر دمِ فارغ مباش

ترجمہ: اس راہ میں تراش خراش کرتے رہو۔ آخری سانس تک ایک پل کے لیے بھی غافل مت ہو۔ (از: ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم)

File Adress:

جذبۂ محبت

File Adress:

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس کے اندر کئی جواہر رکھے، جوہر محبت وہ ہے جس سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف کشش ہو۔ یہ جوہر انسان کے اندر ڈال دیا گیا اور انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا۔ ازل میں اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ارواح پر ربوبیت کی تجلّی ڈالی اور کہا ''**اَلَسۡتُ بِرَبِّکُم**'' کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب ارواح نے کہا ''**بلیٰ**'' کہ کیوں نہیں! آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ تو اس تجلّی ربوبیت کی وجہ سے جو کشش اور جذبہ محبت انسان کے دل کے اندر رکھا گیا اس کی تسلی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے ہو سکتی تھی۔ محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا کیا ہے اور اس میں زندگی بخشی اپنی تجلّی سے اور اس کے بعد انسان کی فطرت اللہ کی عاشق بن گئی۔ عشق ہماری فطرت میں سمو دیا گیا۔ مٹی کے ڈھیلے کی طرح وہ شخص بے کار ہے جس کا دل عشق کی آگ سے نہ بنا ہو۔

File Adress:

خطبہ مأثورہ!

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ۔ (بقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: اور جو مومن ہیں اُن کو (صرف) اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔

محترم بھائیو اور دوستو! یہ آیت میں نے پڑھ لی اس میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ ایمان والے بہت شدت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ محبت کرنے والے ہیں۔

جذبہ محبت: طاقتور باطنی قوت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر جو قوتیں رکھی ہیں اِن میں سے ایک قوت محبت کی ہے۔ جس طرح موٹر گاڑی ہوتی ہے اُس کی فرسٹ گیئر، سیکنڈ، تھرڈ اور فورتھ گیئر ہوتی ہے اور ایک ٹاپ گیئر ہوتی ہے۔ اب ہر گیئر کے لئے اپنی اپنی رفتار ہوتی ہے۔ ٹاپ گیئر کی رفتار فرسٹ گیئر میں نہیں ہوتی ہے۔ تو اس طرح انسان کے اندر بھی اللہ تبارک و تعالیٰ نے استعدادیں اور قوتیں رکھی ہیں اور ان قوتوں میں ایک قوت محبت کی ہے۔ اور اس کا مادہ کم زیادہ ہر انسان کے باطن اور قلب میں ہوتا ہے۔ علم طب کی جدید تحقیقات کے مطابق اُس کے ساتھ متعلقہ Enzymes اور Hormones ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس جذبے کا احساس باطن میں محسوس ہوتا ہے۔ بعض آدمیوں میں بہت کم ہوتا ہے، بعض میں زیادہ ہوتا ہے اور بعض سراپا جذبہ ہی جذبہ ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی قوت بہت اور بڑی توانائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر رکھ دی ہے۔ اس جذبے کا استعمال اگر درست اور صحیح طریقے سے ہو جائے تو ایسا آدمی بہت بڑے کارنامے سرانجام دیتا ہے

File Adress:

اور استعمال اگر غلط ہو جائے تو اس کے نتیجے میں انسان کی یہ قوت ضائع ہو جاتی ہے اور اس سے آدمی کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ جو بڑا ڈاکو بنا ہوا ہے اُس کے اندر بڑا جرنیل بننے کی استعداد تھی لیکن تربیت غلط ہوئی جس کے نتیجے میں بجائے بڑا جرنیل بننے کے بڑا ڈاکو بن گیا اور اُس کی جرأت، شجاعت، حوصلہ اور دل کی قوت اُس میں استعمال ہو گئی۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اس کے اندر کئی جواہر رکھے، جو ہر محبت وہ ہے جس سے انسان کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف کشش ہو۔ یہ جو ہر انسان کے اندر ڈال دیا گیا اور انسان کی فطرت میں سمو دیا گیا۔ ازل میں اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح میں ارواح پر ربوبیت کی تجلّی ڈالی اور کہا "اَلَسْتُ بِرَبِّکُم" کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب ارواح نے کہا "بلیٰ" کہ کیوں نہیں! آپ ہمارے پروردگار ہیں۔ تو اس تجلّی ربوبیت کی وجہ سے جو کشش اور جذبہ محبت انسان کے دل کے اندر رکھا گیا اس کی تسلی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی سے ہو سکتی تھی۔ محبت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پیدا کیا ہے اور اس میں زندگی بخشی اپنی تجلّی سے اور اس کے بعد انسان کی فطرت اللہ کی عاشق بن گئی۔ عشق ہماری فطرت میں سمو دیا گیا۔ مٹی کے ڈھیلے کی طرح وہ شخص بے کار ہے جس کا دل عشق کی آگ سے نہ بنا ہو۔ محبت تسلی چاہتی ہے۔ جتنے بھی محبوب سے ملنے اور جدا ہونے کے قصے ہیں یہ سب تسلی چاہنے کے قصے ہیں کہ کسی طور پر دل کو تسلی ہو جائے۔

لگا کے برف میں ساقی صراحئ مے لا
جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا

یعنی محبت کی جو آگ دل میں لگی ہوئی ہے اس سے سکون اور تسلّی مل جائے۔ دل چاہتا ہے تسلّی کو اور جو محبت کا جذبہ انسان کے دل میں موجزن ہے، اس کی کامل تسلّی ذات ذوالجلال سے دل لگانے میں ہے۔ انسان جب دنیا میں آیا تو بے قرار دل کے ساتھ آیا۔

File Adress:

اس کے قرار کیلئے کہیں عورت کے پیچھے پڑا تو کہیں دولت کے پیچھے اور کہیں شہرت کے پیچھے غرض اس دل کے ہزاروں ٹکڑے کر دیے لیکن اسے سکون وقرار نہ مل سکا اور اسی کا متلاشی بنا پھر رہا ہے۔

محبت کی بنیاد پر عمل کی چار کیفیات

جب یہ جذبہ ذات ذوالجلال کے ساتھ قائم ہوجائے تو اسی کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے احکام انسان کے قالب سے وجود میں آتے ہیں اور اس درجۂ محبت کی کمی اور زیادتی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے تعلق کے مختلف درجات وجود میں آتے ہیں۔جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ اس جذبہ کا لگاؤ نصیب فرمایا ہے، ان کا تذکرہ قرآن کریم نے انعام یافتہ طبقات کے طور پر کیا ہے اوران کی چار قسمیں بیان کی ہیں: مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِين۔ ان میں سب سے اونچا درجہ انبیاء کرام ہے، جو کسب سے حاصل نہیں ہوسکتا، یہ اللہ تعالیٰ کے خاص منتخب شدہ لوگ ہیں۔ پھر صدیق، پھر شہید اور پھر صلحاء ......اس کے ساتھ عمل کی بھی چار درجے ہوجاتے ہیں، عمل ایک ہی ہوگا، جو نبی بھی کر رہا ہو گا، صدیق بھی کر رہا ہوگا، شہید بھی کر رہا ہوگا، صالح بھی کر رہا ہوگا، لیکن چاروں کے درجے الگ الگ ہیں۔ جب عمل کے وقت ایسا جذبہ محبت ہو کہ یہ سنت کے مطابق ہوجائے اور اس میں ظاہری ریا نہ رہے اور اخلاص کے ساتھ ہو تو یہ صالحین کا عمل ہو گیا۔ شہید اور صدیق میں تھوڑا فرق ہے۔ عام طور سے ہم شہید اُسے کہتے ہیں کہ اسلام کی خاطر میدان جنگ میں اترا ہو اور جان قربان کی ہو۔ وہ بھی شہید ہے اور اللہ کے تعلق اور ولایت کا اونچا درجہ ہے۔ مفتی شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں لکھا ہے کہ اس جگہ شہداء سے مراد اولیاء اللہ کا وہ گروہ ہے جن کا مشاہدہ ہوتا ہے لیکن مشاہدۂ بعیدہ (دور کا مشاہدہ)، صدیقین سے مراد وہ اولیاء اللہ ہیں جن کا مشاہدۂ قریبہ ہو اور انبیاء کا مشاہدہ عینی ہوتا ہے۔ تصوف کا مطالبہ یہ ہے کہ اَنْ

File Adress:

تَعۡبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ تصوف آپ کو مشاہدے والے مقام تک پہنچانا چاہتا ہے۔ کہ جب تو کام کرے تو ایسی کیفیت ہو جیسے تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔ تو ان میں ہر ایک کے عمل کی کیفیت جدا ہے، انبیاء کرام اللہ کے لیے جو کچھ کرتے ہیں، اس میں ان کو ذات ذوالجلال سے عشق ومحبت اور لگاؤ کا وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ گویا عینی مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس کے بعد صدیقین کا تعلق، پھر اولیاء شہداء کا اور پھر عام صالحین کے عمل کی کیفیت ہے۔ جب یہ ذات ذوالجلال سے یہ لگاؤ پختہ ہو جائے، اور ذات ذوالجلال کے انوار حسن کا مشاہدہ نصیب ہو تو پھر تو گردن کٹتے ہوئے بھی معلوم نہیں ہوتا اللہ کی ذات میں ایسی محویت ہو جاتی ہے۔

مجنون کی محویت

یہ حال تو اللہ والوں کا ہے، دنیا کی چیزوں سے اور فانی حسن وجمال سے بعض لوگوں کو ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ وہ اس میں خود کو فنا کر دیتے ہیں۔ بندہ کے شیخ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ فرمایا کرتے کہ لیلیٰ مجنوں والا قصہ ۶۰ھ میں گزرا ہے۔ مجنوں ایک قبیلے کے سردار کا بیٹا تھا اور اس کا نام قیس عامری تھا۔ حضرت امام حسینؓ کے زمانے میں یہ موجود تھا۔ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قافلہ کربلا کے صحرا سے گزر رہا تھا تو یہ وہاں بے ہوش پڑا تھا۔ اس قافلے میں ایک اونٹنی کا نام لیلیٰ تھا۔ اس کے سوار نے اپنی اونٹنی کو آواز دی۔ جونہی یہ آواز مجنوں کے کان میں پڑی تو اس کے ہوش وحواس بحال ہو گئے اور وہ اُٹھ بیٹھا اور بولا ''لیلیٰ! میری لیلیٰ! کہاں ہے میری لیلیٰ!'' لیلیٰ اس کے چچا کی بیٹی تھی۔ عربوں میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کے عشق معاشقے کی بات ظاہر ہو جاتی اور لوگوں میں اس کا چرچا ہو جاتا تو پھر اسے رشتہ نہیں دیتے تھے۔ تو مجنوں پر بھی پابندی تھی کہ لیلیٰ کو نہیں دیکھ سکے گا۔ اس کا جی گھل رہا تھا کہ اب تو مر رہا ہوں بس کسی طرح لیلیٰ کا دیدار ہو جائے۔ یہ چلا گیا لیلیٰ کو دیکھنے۔ پر کیسے دیکھے۔ کسی نے کہا کہ بھکاری بن کر جاؤ۔ ہمارے علاقے کی پشتو میں اسے

File Adress:

'خیر وند' کہتے ہیں، جو گھر گھر آواز لگا رہے ہوتے ہیں 'خیر دے دو اللہ کے نام پر'، جس طرح مدرسے کے طالب علم پہلے آیا کرتے دروازے پر اور کہتے ''وظیفہ دے دو''۔

ہمارے بچپن میں گاؤں میں ایک تو خیر مانگنے والا آیا کرتا، وظیفے مانگنے والے طالب علم ہوتے، اور ایک 'چھٹ' مانگنے والا ہوتا۔ چھٹ مانگنے والا علاقے کا ایک معزز شخص ہوتا چونکہ ہوٹلوں کا زمانہ تھا نہیں تو مسجد میں جس دن مہمان زیادہ ہو جاتے اور ایک آدمی اپنے گھر سے کھانا پورا نہ کر پاتا تو وہ گاؤں میں پھر کر آواز لگاتا اور چھٹ جمع کرتا۔ لوگ بھی اس کا لحاظ رکھتے ہوئے جو اضافی کھانا ہوتا نکال دیتے اور نہ بھی ہوتا تو خود سوکھی روٹی کھا لیتے اور کھانا اس معزز آدمی کو مہمانوں کے لئے چھٹ میں دے دیتے اور اس طرح بھی ہوتا کہ محلے کا کوئی غریب آدمی فاقے یا تکلیف سے ہوتا اور اس کا کوئی اور بندوبست نہ ہوتا تو اسی طرح ایک معزز شخص گاؤں میں پھر کر اس کے لئے چھٹ جمع کرتا۔ مجھے اپنے گاؤں کا 'عجب کا کا' ابھی بھی یاد ہے کہ بالٹی لے کر نکلتا اور سارے گاؤں سے آٹا جمع کر کے جس کے گھر فاقہ ہوتا اس کو پہنچا دیتا۔

مجنوں کو بھی کسی نے مشورہ دیا کہ خیر وند بن کر جاؤ کیونکہ خیر لیلیٰ خود نکالا کرتی ہے تو تمہیں اس کا دیدار ہو جائے گا۔ اس نے پوچھا کہ کیا مانگوں کہ جس میں وقت بھی زیادہ مل جائے۔ آپ تو ماچس کے دور والے لوگ ہیں۔ ہم نے پہلا زمانہ دیکھا ہے جب کہ ایک دوسرے کے گھر سے آگ لینے جایا کرتے تھے۔ گھر آ کر اس پر کاغذ اور کپڑے وغیرہ رکھ کر پھونکیں مارتے تو آگ جل اُٹھتی۔ ایک سفید پتھر ہوتا تھا اس کو رگڑتے تو اس سے بھی آگ جل اُٹھتی تھی۔ میں نے ایک دفعہ گاؤں سے وہ پتھر لا کر بچوں کو دکھایا کہ ہمارے بڑے ماچس سے پہلے کے زمانے میں اس سے آگ جلایا کرتے تھے تو وہ حیران ہو گئے۔

مجنوں کو بھی کسی نے کہا کہ تم آگ مانگنا، اس میں وقت زیادہ لگے گا اور تم ذرا زیادہ

File Adress:

دیدار کرلو گے۔ یہ گیا لیلیٰ کے دروازے پر آگ مانگنے۔ جب وہ آگ لے کر نکلی اور اسے تھمانے لگی تو، عربوں کے کرتے کی آستینیں چونکہ بہت لمبی ہوا کرتی تھیں، مجنوں کی آستین نے آگ پکڑ لی۔ لیلیٰ فوراً بول اُٹھی کہ آگ لگ گئی، آگ لگ گئی، تمہارے بازو کو آگ لگ گئی! مجنوں نے حسرت سے جواب دیا: ''دل میں جو آگ لگی ہے وہ تو تمہیں نظر ہی نہیں آ رہی۔'' جس کے دل میں آگ لگی ہوئی ہو اسے اس آستین والی آگ کا کیا پتہ چلتا ہے۔

جب سے تمہیں دیکھا ہے جب سے تمہیں پایا ہے
کچھ ہوش نہیں مجھ کو ، اک نشہ سا چھایا ہے
بادل برسے ہر کوئی جانے
آنکھیں برسے کوئی نہ جانے
دل کی لگی کو دل ہی جانے

مجنون کی داستان میں لکھا ہوا ہے کہ جب وہ مکتب میں پڑھتا تھا تو یہ دونوں بچے اکٹھے بیٹھتے تھے۔ اُستاد نے لیلیٰ کی پٹائی کی۔ جب مجنون گھر پر آیا تو اس کے بدن پر پٹائی کے نشانات پڑے تھے یعنی یک جان دو قالب ہو کر اس نے اس پٹائی کے اثر کو اتنا محسوس کیا کہ گویا اس کے بدن پر یہ ضربیں آ رہی ہیں اور یہ بچپن میں اس کو محسوس ہوا۔ جب عشق و محبت اس درجہ کامل ہو تو محب کے آثار محبوب اپنے اوپر محسوس کرتا ہے۔

حضرت مولانا صاحبؒ نے سنایا کہ جب اس کا والد بہت پریشان ہوا کہ بچہ بہت خراب ہو گیا ہے، اس کا میں کیا کروں۔ کسی آدمی نے کہا کہ آدمی جب بیت اللہ شریف جاتا ہے اور پہلی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے تو اس وقت جو دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہے۔ اسے وہاں لے جاؤ۔ جب والد صاحب اس کو لے گئے، اس کو سمجھایا کہ دیکھو جب بیت اللہ شریف پر تیری نگاہ پڑے تو فوراً اس وقت دعا مانگنا کہ یا اللہ! میں توبہ کرتا ہوں لیلیٰ

File Adress:

کی محبت سے، تا کہ وہ تیرے دل سے نکلے اور تیرا علاج ہوجائے۔تو جب گئے اور بیت اللہ شریف پر نگاہ پڑی تو اس نے پھر عربی کے اشعار پڑھے ہیں:

؎ إلٰهی تُبتُ مِن کُل المَعَاصِی

وَلٰکِن لا اَتُوب من حُبِ لَیلیٰ

کہ یا الٰہی! میں نے سارے گناہوں سے توبہ مانگ لی، لیکن لیلیٰ کی محبت سے میں توبہ نہیں کرتا ہوں۔تو یہ تدبیر ان کی نا کامیاب ہوگئی۔

حضرت مولانا صاحبؒ فرماتے تھے کہ دوسری تدبیر یہ بنائی کہ ایک کالی بکری لی جائے اور اس کو ذبح کیا جائے اور اس بکری کو پورا سالم پکایا جائے اور اس کا دل نکالا جائے وہ اس کو کھلایا جائے تو اس کا علاج ہوجائے گا۔ایک عورت کو دیا پکانے کے لیے، عورت نے اس کو پکایا، پکانے کے بعد دل ڈھونڈنے لگے کہ دل نکال لیں اور اس کو کھلایا جائے۔تو عورت اتنی ہوشیار تھی کہ اُس نے سوچا کہ اگر دل میں ہی کھالوں تو کسی کو کیا پتہ چلتا ہے پوری بکری میں۔ڈھونڈا گیا، ڈھونڈا گیا لیکن دل نہیں ملا، جب دل نہیں ملا تو اس پر قیس نے چھلانگ لگائی، ناچا اور شعر پڑھا:

کیف تداوی شاۃٌ قلبہ لیس لہ قلب

کہ وہ بکری اس کے دل کا کیا علاج کرے گی جس کا اپنا دل ہی نہیں۔

اس کے بعد ہوش وحواس مکمل اُڑے اور فنائے کلی ہوا، فنائے کلی میں کیا ہوتا ہے؛

؎ میں میں نہ رہوں، تو تو نہ رہے

یعنی ایک دوسرے میں کھوجائیں۔

پھر اس نے ایک شعر کہا ہے:

؎ إنا لیلیٰ و لا لیلیٰ سوائی

File Adress:

کہ اب تو میں خود ہی لیلیٰ ہو گیا اور میرے سوا لیلیٰ ہے ہی نہیں۔اس علاقے کے ایک سردار نے سنا کہ قیس کو ایک عورت کی محبت ہوئی ہے، بڑا عالم ہے، بڑا شاعر ہے، اس کے پیچھے دیوانہ ہوا ہے تو سردار کو بڑا شوق ہوا کہ اس کو دیکھنا چاہیے۔گلستان میں حضرت شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے۔وہ آیا اور دیکھا تو اس نے قیس سے کہا: تو اتنا سمجھ دار آدمی ہے اور تو نے اپنے آپ کو ایک عورت کے پیچھے پاگل کیا ہوا ہے۔اس میں کیا اتنی خوبصورتی ہے۔تو اس نے کہا کہ ''حیف تو مجنون نیستی'' افسوس کہ تو مجنون نہیں ہے، ورنہ تجھے پتہ چل جاتا۔

بعض مجازی محبت کی داستانیں بزرگوں نے لکھوائی ہیں۔ان کے لکھوانے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ مجاز ایسی چیز ہے جس کو آدمی دیکھتا ہے، محسوس کرتا ہے اور اُس کے واسطے سے حقیقت کو آدمی پہچان سکتا ہے، اس لیے یہ محبت حقیقی تک رسائی اور اس کی معرفت اور پہچان کے لیے وسیلہ بن جاتی ہیں۔فارسی کی ایک کتاب ہے 'یوسف زلیخا' جس میں زلیخا کی محبت کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور ایک کتاب قیس عامری مجنون کے بارے میں ہے، قیس عامری کا عربی زبان میں اپنا بھی پورا دیوان ہے۔ہمارے حضرت مولانا صاحبؒ کبھی کبھی اس کے اشعار سنایا کرتے تھے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ اس میں درجہ بہ درجہ فنا کی ساری منزلیں طے ہوئی ہوئی ہیں۔لیکن وہ اللہ کے لیے طے نہیں ہوئی ہیں، وہ لیلیٰ کے لیے طے ہوئی ہیں۔اسی طرح ہیر رانجھا کی داستان ہے اور بھی کئی داستانیں ہیں۔ہیر کا تو باقاعدہ میلہ ہوتا ہے، یہ حضرت وارث شاہؒ ایک بزرگ ہیں ان کی لکھی ہوئی ہے۔واقعی اُس میں بڑی زبردست کیفیت اور تاثیر ہے۔اسی طرح 'سیف الملوک' اشعار کا مجموعہ ہے۔کشمیر کے ایک بزرگ میاں محمد صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے۔میرے پاس بھی ہے، اُس کی بھی بہت بلند و برتر تاثیر ہے، عجیب وغریب کلام ہے، پنجابی زبان میں ہے۔'سیف الملوک' میں اتنی روانی ہے جیسے اُونچائی کی طرف سے نیچے بہنے والا دریا ہو۔اِس بڑھاپے کے دور میں میری

File Adress:

پڑھی ہوئی ہے اور اِس عمر کی پڑھی ہوئی چیز یاد نہیں رہتی۔ شکر ہے کہ بچپن میں ہم نے اقبال کی اردو فارسی شاعری کو پڑھ لیا تھا جو یاد رہ گئی ہے۔ اقبال ہمارے پہلے شعراء کا نعم البدل بنا ہے۔ اُس نے خود کہا ہے: ما از پئے سنائی و عطار آمدیم ......' کہ سنائی و عطار کے بعد میں آیا ہوں۔' واقعی اس کے کلام نے کمال کیا ہے۔ تو عرض کر رہا تھا کہ محبت ایک جذبہ ہے، ایک قوت ہے جو صحیح استعمال ہو جائے تو آدمی کو ٹاپ گیئر لگتی ہے اور پھر اس کی سپیڈ اور رفتار کے کیا کہنے۔ اس جذبے کو سنبھال کر اور بچا کر صحیح استعمال کرنا ہوتا ہے۔

محبت اور شیوئنِ فنا

زندگی کا خلاصہ ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، کہ اس محبت کو خاص کرنا ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ، اس محبت کو خاص کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باکمال کے ساتھ۔ اگر محبت میں غلبہ ذاتِ الٰہی کی محبت کا ہو گیا تو اس سالک کو فنا فی اللہ کہتے ہیں اور اگر یہ جذبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے خاص ہو گیا اور اس میں فنا ہو گیا تو اس کو فنا فی الرسول کہتے ہیں۔ تو فنا فی الرسول بھی ایک انعکاسی فنا فی اللہ ہے جو براہ راست نہیں ہے لیکن عکس ہے کہ آئینہ میں عکس آ رہا ہے اصل ہی کا آ رہا ہے۔ اس لیے فنا فی الرسول بھی حقیقت میں فنا فی اللہ ہی ہے۔ اور کسی آدمی کا یہ جذبہ خاص ہو جاتا ہے جہاں اس کا بیعت کا تعلق ہے اپنے شیخ کے ساتھ، تو اس کو فنا فی الشیخ کہتے ہیں، تو یہ بھی دراصل دو عکسوں سے گزر کر فنا فی اللہ ہے۔

ایک ڈاکٹر اہلحدیث ہو گیا تھا اُس نے بندہ سے کہا کہ یہ کیا بات ہے فنا فی اللہ، فنا فی الرسول، فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول کیا ہے؟، فنا فی الشیخ کیا ہے؟ اُس سے جب میں نے یہ تشریح کی کہ فنا فی اللہ، فنا فی الرسول، فنا فی الشیخ اسے کہتے ہیں۔ تو اس نے کہا اس طرح تو ٹھیک ہے، دراصل وہ توحید کے اس طرح قائل تھے جیسے حکیم الامت، مجدد الملت حضرت

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اُن کو توحید کا ہیضہ ہو گیا ہے۔ سبحان اللہ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عشق شبنمی

تو محترم بھائیو اور دوستو! یہ جذبۂ محبت تربیت پاتا ہے اور خاص ہوتا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے خاص کیا اس کو اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ باکمال کے لیے۔ حضرت شیخ مولانا زکریا صاحبؒ نے حکایات صحابہ میں اس پر پورا باب لکھا ہے، ''صحابہ کرامؓ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کے واقعات''۔ حضرت زاہد الحسینی صاحبؒ نے اپنی کتاب ''با محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باوقار'' میں پورا ایک باب اس موضوع پر لکھا ہے، اور بھی بزرگوں نے اس کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! جس وقت آپ مجھے یاد آتے ہیں، میں اگر آ کر زیارت نہ کرلوں تو مجھے غالب گمان اس بات کا ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی، وفات کے بعد تو آپ اُونچے درجوں پر چلے جائیں گے ہم وہاں پہنچ نہیں سکیں گے تو آپ کی زیارت کے بغیر ہمارا وقت کیسے گزرے گا؟ اس طرح کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واقعات حضرت شیخؒ نے لکھے ہوئے ہیں۔ ان سب واقعات کے جواب میں ایک آیت نازل ہوئی ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاo ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًاo (النساء:۶۹،۷۰)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی (جنت میں) اُن حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے (کامل) انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء (علیہم السلام) اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے دوست ہیں۔

File Adress:

یہ (رفاقت) فضل ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں۔

تو محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آدمی محبوب و معشوق کے رنگ میں رنگ جائے اور اُس کا ہو جائے، اس کی ہر چیز اس کو پسند آتی ہو، بھاتی ہو۔ اس کی ساری ادائیں، سارے طریقے، ساری باتیں آدمی اپنا لے۔ پھر محبوب سے متعلق کسی بھی چیز پر کسی اور چیز کو ترجیح نہیں دیتا، اُس کو سب پر ترجیح دیتا ہے۔

ے چن لیا میں نے تجھے سارا جہاں رہنے دیا
چاہ نہ کرنا یہ دل کہتا رہا کہنے دیا
ے تجھ سے مانگوں میں تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالوں سے یہی ایک سوال اچھا ہے
ے فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از اُو غیر او تمنائے

ترجمہ: ملاقات اور جدائی کیا چیز ہے دوست کی رضا طلب کرو کیونکہ اُس سے سوائے اُس کے کسی غیر کی تمنا کرنا بہت افسوس کی بات ہے۔

عشق کی دو قسمیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی جانوں اور مالوں کو لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں نثار کیا۔ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا جو تعلق تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ ان کے عقل و حواس اور ہوش اڑا دیتا بلکہ انہوں نے پورے ہوش و حواس کی بحالی کے ساتھ سب کچھ لٹایا۔ عشق کے دو مرتبے ہوتے ہیں۔ ابتدائی مرتبہ میں معشوق کی محبت کا ایسا حال دل پر طاری ہوتا ہے کہ عاشق عالم تحیر میں ڈوب جاتا ہے اسے کچھ ہوش و حواس نہیں رہتا اگر اس کا بدن کاٹ دیا جائے تب بھی اسے احساس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ زلیخا نے

File Adress:

مصر کی خواتین کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کے لیے جمع کیا اور ان کے سامنے پھل رکھ ہاتھوں میں چھریاں پکڑائیں جب ان عورتوں کی نگاہ جمال یوسفی پر پڑی تو وارفتگی اور تحیر کے اس عالم میں ڈوب گئیں کہ پھل کاٹنے کی بجائے ہاتھوں کو کاٹ دیا لیکن انہیں اس کی مطلق خبر نہ ہوئی۔ جیسے ہمارے سلسلہ چشتیہ میں سماع کے وقت کاملین کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ بدن کاٹو تو پتہ نہیں چلتا۔ لیکن عشق کا ایک مرتبہ اس سے بھی اوپر درجے کا ہے کہ معشوق سے ایسا قلبی تعلق ہوجائے کہ مکمل ہوش وحواس اور قرار کی کیفیت میں بھی محبوب ومعشوق کے نام پر سر کٹانے کا مرحلہ آجائے تو خود ہی سر پیش کر دے، سر کٹ جائے لیکن زبان سے آہ بھی نہ نکلے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کے ساتھ ایسا ہی عشق تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے والیوں نے تو صرف ہاتھ کاٹے اور میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال کو دیکھنے والوں نے سر کٹوا دیے۔ یہ عشق دھیرے دھیرے باطن میں جمتا ہے، جیسے شبنم رات کو گرتی ہے اور اس کی نمی سے صبح کی بادصبا، چمن، پھول، زمین ہر چیز نم ہوتی ہے اور یہ نمی گہری ہوتی ہے، یہی حال اس عشق کا ہے گویا یہ شبنمی عشق ہوتا ہے، جس کا درجہ تحیر والے عشق سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔

غزوہ تبوک کا چندہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیا تو فقط ایک گٹھڑی تھی جس کو سر پر اُٹھا کے لائے تھے کیونکہ حالت فقر اور تنگدستی کی تھی، سب کچھ لٹا دیا تھا، سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ حضرت عمر فاروق گھر کا آدھا مال لے کر آئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک تہائی لشکر کا خرچہ لے کر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے بعد اگر عثمان کوئی عمل نہ کرے تو اس کے لیے کافی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے پوچھتے گئے کہ کیا لائے ہو؟ پھر اللہ کے یہ بندے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آئے جن کا

File Adress:

مال ایک گٹھڑی تھا اس کو سر پر لائے، ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے، آگے گریبان کو ببول کے کانٹوں سے بند کیے ہوئے۔ ان سے سوال پھر صدیقیت کا سوال تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ ان سے فرمایا کہ کیا چھوڑ کے آئے ہو؟ کیا لے کر آئے ہو نہیں فرمایا، بلکہ فرمایا: کیا چھوڑ کے آئے ہو؟ وہ سب کچھ لے آئے تھے اپنے پہننے کے کپڑے بھی لے کر آئے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے، وہی ٹاٹ کے کپڑے پہنے ہوئے اور ببول کے کانٹوں سے اس کو سیا ہوا۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آج عرش سے لے کر فرش تک سارے فرشتے اس لباس میں ہیں، کیونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعزاز میں یہ لباس پہنا گیا ہے۔ تو ان سے فرمایا کہ کیا چھوڑ کے آئے ہو؟ یہ نہیں فرمایا کہ کیا لے کے آئے ہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جواب کو اقبال نے کیا خوب تعبیر کیا ہے:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

ایسی محبت اور ایسا عشق صدیقیت ہی کا مقام ہے۔

میدان احد کے اندر صحابہ دیوانہ وار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارگرد کٹتے رہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہاتھ پر تیر روک رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے تھے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کندھے سے اوپر جھانکتے تا کہ حملہ کا اندازہ کر سکیں تو آواز لگاتے: نَحرِیْ دُوْنَ نَحرِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ۔ میرا سینہ حاضر ہے یا رسول اللہ! آپ اپنا سینہ پیچھے رکھیں کہ اگر کوئی تیر آئے تو مجھے لگے آپ محفوظ رہیں۔ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اس حال میں جب تیروں کی بارش تھی اور تلواروں کی جھنکار تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کرنا گوارا نہیں فرما رہے

File Adress:

تھے اور پشت دشمن کی طرف پھیر کر سینے سے آپ کو ڈھانپ رکھا تھا۔ واقعی ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

حضرت زید بن سکن رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام نے زخموں سے چور حالت میں اٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جانا چاہا لیکن جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑی، ان کے کندھے سے اتر گئے، کہ اب ادب کے خلاف ہے کہ میں کندھے پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک جاؤں، اور گھسٹتے ہوئے قدموں تک پہنچے، اپنے دونوں ہاتھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک تھامے، ان کو رخسار سے لگایا اور جاں جان آفرین کے سپرد کر دی۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ تیرے قدم تک پہنچا

آہا! بھئی یہ تھا صحابہ کا عشق کہ کٹے بدن، اکھڑتی سانسیں اور آخری لمحات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پہنچ کر اپنی وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں، حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کو اپنے قبیلے کے لوگ تلاش کرتے رہے، میدان احد میں گھوڑوں کے قدموں تلے روندے ہوئے آخری سانسیں لیتے ہوئے ملے، تو فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا پیغام دینا کہ ہم آپ کو آپ کے احسان کا کچھ بدلہ نہ سکے، اللہ تعالیٰ ہی ہماری طرف سے آپ کو بہترین جزا عطا فرمائے اور اے میری قوم! خبردار کہ جب تک تم زندہ ہو، تمہاری جانوں میں جان ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی طرف سے ان پر کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

ایک صحابی کو تختہ دار پر لٹکایا جا رہا ہے۔ کافر پوچھتے ہیں کہ کیا تمہیں گوارا ہو گا کہ تمہاری جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پھانسی دی جائے۔ یہ سن کر طیش میں آئے اور للکار کر

File Adress:

بولے اللہ کے دشمنو! مجھے یہ بھی گوارا نہیں کہ میری پھانسی کے بدلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا چبھ جائے۔یعنی مجھے اس بدلے رہا کیا جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا چبھو دیں تو میں اس پر بھی راضی نہیں۔

کاواں کھائیو سارا بدن، چن چن کھائیو ماس
پر یہ دو نیناں نہ کھائیو ناں پیا ملن دی آس

مجوسیوں میں ایک طریقہ ہے کہ مردے کو دہی مل کر دخنہ کنواں ہوتا ہے اس کے طاق میں رکھ دیتے ہیں۔ پرندے آ کر اس کا گوشت نوچ لیتے ہیں، اس کی ہڈیاں کنویں میں گر جاتی ہیں۔ یہ کوئی مجوسی شاعر ہے جو مرنے کے بعد اپنی دخنے میں رکھی ہوئی لاش کے بارے میں پرندوں کو کہہ رہا ہے کہ میرے بدن کے سارے گوشت کو نوچ لینا اور کھا لینا لیکن دیکھو خیال کرنا میری ان دو آنکھوں کو نہ کھانا کیونکہ ان کو ابھی بھی دوست کے ملنے کی تمنا اور آس لگی ہوئی ہے۔

ہمارے سلسلہ کی ایک عظیم شخصیت بابا فرید گنج شکرؒ ایک خاص قسم کا چلہ کاٹ رہے تھے، دورانِ چلہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور یاد میں اتنی محویت ہوتی تھی کہ پرندے آ کر ٹھونگیں مار کر اُن کا گوشت نوچتے تھے، جس پر آپ یہی شعر پڑھتے تھے۔ جب عشق اس مقام پر پہنچتا ہے تو پھر یوں ہوتا ہے کہ سوائے اس دید کے کوئی جذبہ ہی باقی نہیں رہتا۔

عشق حقیقی کا ثمرہ

جنت کی نعمتیں عطا ہے، لقاء ہے، رضا ہے۔ رضا تو ایک بار اعلان ہو کر ہو جائے گی۔ لقاء دائمی رہے گی۔ عطا جنت کے کھانے پینے، جنت کے نغمے، جنت کے باغات، اس کے پرندے، جنت کے پھول پھلواریاں، چشمے، بہتی نہریں، حور وقصور، ان کا حسن و جمال، ان کی کشش ہے یہ تو عطا ہے اور لقاء جو ہمیشہ باقی رہے گی یعنی دیکھنا، دید۔ وہ جو دنیا میں

File Adress:

اللہ کی ذاتِ ذوالجلال کے دھیان اور تصور میں سراپا دید ہوجائیں اُن کے لیے جنت کی نعمتوں میں سے دید کی نعمت کو دائمی کیا جائے گا۔ اقبال نے جو کہا ہے:

ے جس کا عمل ہو بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادۂ وجام سے گزر
تیری نماز بے سرور، تیرا امام بے حضور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر

سبحان اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ یہ دولت دے دے تو یہ دنیا ہی جنت ہے۔ فرمایا گیا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ○ (الرحمن: ۴۶)

ترجمہ: اور جو کوئی اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرا اُس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہیں۔

ایک اجازت یافتہ ساتھی نے خط لکھا کہ پیشہ ایسا ہے کہ عورتوں کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے اور کبھی کشش ہوجاتی ہے۔ اس کا علاج کیا کیا جائے؟ میں نے ان کو لکھا؛

حُوْرٌ عِیْنٌ ○ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ○ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (واقعہ: ۲۲ تا ۲۴)

ترجمہ: اور اُن کے لئے گوری گوری، بڑی آنکھوں والی عورتیں (حوریں) ہوں گی جیسے (حفاظت سے) پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ اُن کے اعمال کے صلہ میں ملے گا۔

دوسرا اس کا جواب یہ تھا:

دنیا کسی کے چاہ میں جنت سے کم نہیں
اک دلربا ہے دل میں حوروں سے کم نہیں

دلربائے حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا دھیان، جنت اور اُس کے حور وقصور کے لطف سے

File Adress:

کہیں زیادہ ہے۔

لوندخوڑ کے مدرسے میں علماء سے بیان میں مَیں نے کہا کہ سماع ڈھول باجے والا تو جائز نہیں ہے،کل کوئی بریلوی گدی نشین آئے تھے مسئلہ میں پھنس گئے تھے،ان کو اندازہ ہوا کہ اب نکلنا مشکل ہے گدی سے نہیں ہوسکتا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ آپ سماع سنتے ہیں تو میں نے کہا کہ ہم کلام والا سماع سنتے ہیں اُسی کو برداشت نہیں کر سکتے،جان نکلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ باقی سماع کے سننے کی طاقت ہی نہیں ہوتی، وہ کہہ رہے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کی شادی نہیں ہوئی تھی،توان سے میں نے کہا: جو کیفیاتِ وجد اصحابِ چشت کو بوقتِ سماع ہوتی ہیں ان کی کشش دس شادیوں سے زیادہ ہوتی ہے، اگر کوئی سالک شادی سے پہلے جوانی میں بحالت سماع شیخ کی نظر میں آجائے تو اس کے سارے قویٰ Harmones,Enzymes اِدھر سے اُدھر ہوجاتے ہیں۔بس اس کا اتنا مزہ ہوتا ہے کہ پھراس کو کسی چیز پرقربان نہیں کرسکتا،وہ پھرایسا ہوتا ہے کہ:

؎ اِک دلربا ہے دل میں حوروں سے کم نہیں

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ کن کہ تا اللہ شوی

ایں سخن حق است واللہ مے شوی

اتنا اللہ اللہ کرو کہ بس اللہ اللہ ہی ہوجائے، یہ سچی بات ہے خدا کی قسم ایسے ہوجاتا ہے۔

ہم ایک دفعہ ایک خانقاہ میں گئے۔ بڑے بزرگ جو تھے ان کے ایک خلیفہ تھے۔ وہ خلیفہ بوڑھے آدمی تھے، ان کا طریقہ تھا کہ لوگوں کی پٹائی کرتے تھے۔مجسٹریٹ، ڈپٹی کمشنر اور سیکرٹری صاحبان ان سے پٹائی کراتے تھے۔ واقعی جن کی پٹائی انھوں نے کی ہے

File Adress:

بعد میں اُن کی بڑی بڑی پروموشنیں ہوئی ہیں۔ ہر ایک کی پٹائی کرتے تھے۔ ہم نے کہا کہ حضرت سے ہم بھی مصافحہ کرلیں لیکن بہر حال پٹائی سخت کرتے ہیں اور ہماری تو اتنی صحت بھی نہیں ہے اور مار کھانے کی ہمت بھی نہیں ہے۔ تو میں بھی ان سے مصافحہ کرنے کے لیے آگے گیا تو کسی نے بتایا کہ یہ حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے تعلق والا ہے، تو اللہ کی شان ہماری پٹائی نہیں کی۔ پشتو میں کہا کہ ''د ے د ہ شپے مستی کئی، د ے د ہ شپے مستی کئی'' یہ رات کو مستی کرتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ جہری ذکر جو چشتیہ کا ہے یہ رات کی مستی ہے۔

ایک دوسرے مجذوب بزرگ کے پاس میں گیا، وہاں کچھ لوگ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، بزرگوں نے ان سے کہا کہ ''د ے د ہ شپے ڈھپڑئی غگئی'' یعنی یہ رات کو طبلہ بجاتا ہے۔'' واقعی یہ جہری ذکر جو ہمارا ہے کچھ عرصہ بعد آدمی کو دل بجتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پھر رگ رگ بجتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور واقعی اس کی گرمی کو آخر میں ہڈی کا گودا محسوس کرتا ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کا شعر ہے:

نام ان کا اور جاں کے ساز پر

ہر رگِ جاں سازِ الا اللہ ہے

جہری ذکر میں ایک کیفیت ہوتی ہے سلطان الاذکار۔ اس میں انسان لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو باقاعدہ محسوس ہوتا ہے کہ رگ رگ، ہر اک بال بلکہ پورے بدن سے الا اللہ کی آواز شروع ہو جاتی ہے۔ 'تربیت السّالک' میں حکیم الامّت، مجد دالملّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے کئی مریدوں نے اس بات کو لکھا ہے کہ ہمیں دورانِ ذکر یہ حال محسوس ہوا، تو آپ نے فرمایا: مبارک ہو یہ سلطان الاذکار ہے۔

مجنون کو لیلیٰ کے نام میں مزا آتا تھا کیونکہ نام میں جو لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے وہ نام والی ذات کی وجہ سے آتا ہے۔ حضرت سید سلیمان ندویؒ کا قول ہے: اسم میں کشش مسمیٰ

File Adress:

کی وجہ سے آتی ہے اور وہ جو مدلول ہے اس کی وجہ سے آتی ہے۔ اسی طرح رب کے نام میں لذت رب کی وجہ سے ہے، جو اللہ والے اپنی ایک ایک رگ میں اور رواں رواں میں محسوس کرتے ہیں۔ مجنوں ایک دفعہ صحرا میں بیٹھا ہوا انگلی سے کچھ لکھ رہا تھا، کسی نے پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا

گفت مشقِ اسمِ لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلّی می دہم

ترجمہ: بولا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں اور دل کو تسلی دے رہا ہوں۔

کر رہا ہوں نامِ لیلیٰ کی میں مشق
تا کہ اپنے دل کو ہو بس آسرے کا اک سبق

نام اپنے مدلول پر دلالت کرتا ہے۔ نام میں محبوبیت محبوب کے وجود کی بنا پر آتی ہے۔ ذکرِ الٰہی میں جو تسلی ہے وہ اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچا دیتا ہے۔

محبت کی اقسام

مضمون جذبہ محبت کا چل رہا تھا تو محبت نفسیات کے رو سے دو قسم کی ہوتی ہے: ایک کو کہتے ہے طبعی محبت اور دوسری کو کہتے ہیں عقلی محبت۔

ایک آدمی پیاسا ہو، اس کو پانی ملنے کی چاہت اور محبت ہو۔ پیاس اس شدت سے وہ اپنے اندر محسوس کر رہا ہے اور اس کو اس وقت ایک کشش اور جذب پانی کی طرف ہو رہا ہے تو یہ محبت ہے طبعی۔ اس کو اندر محسوس کر رہا ہے، اس کو پانے کی کوشش کر رہا ہے یہاں تک اس کو پا لیتا ہے۔ اس کو پی لیتا ہے تو اس کو تسلی ہو جاتی ہے، گویا اس کے اندر اس اٹھنے والی محبت کے تحت جو جذبہ تھا اس کا مداوا اور علاج ہو گیا۔

جب کہ ایک دوسرا آدمی ہے جس نے بارانی علاقے میں اپنی زمین میں دو من گندم

File Adress:

کاشت کر لی۔ دو من گندم تقریباً بیس کنال زمین میں کاشت ہوتی ہے۔تخم والی گندم ملتی ہے اٹھارہ سو روپے من، دو ہزار روپے من۔چھتیس سو روپے کی اس نے گندم کاشت کی، اس کے علاوہ بھی خرچہ ہوا۔اب اگر بارش ہوگی تو یہ اُگ جائے گی، فصل ہوگی، بارش نہیں ہوگی یہ نہیں اُگے گی اور جو پانچ چھ ہزار روپے خرچہ کیا تھا وہ بھی ضائع ہو جائے گا۔اب اس آدمی کو بھی پانی کی چاہت اور طلب ہے، اس کو بھی چاہت ہو رہی ہے کہ بارش ہو اور فصل کو پانی ملے۔لیکن اس کی اور پہلے آدمی کی چاہت میں فرق ہے، اس کو نہ تو اندر دل میں محسوس ہو رہا ہے پیاس کی طرح اور نہ اس کو پیاسے کی طرح پانی کی کشش ہو رہی ہے۔لیکن عقلی طور پر اسے زیادہ اہمیت کے ساتھ محسوس کر رہا ہے کہ پانی کی ضرورت ہے ورنہ فصل نہیں ہوگی، ایک تو کیا ہوا خرچہ پانچ چھ ہزار کا ضائع ہوگا اور دوسرا یہ کہ فصل نہیں ہوگی تو میرے بال بچے کیا کھائیں گے، محتاج ہونا پڑے گا، بھیک مانگنی پڑے گی۔تو اس آدمی کو ایک درجے میں پہلے آدمی سے زیادہ پانی کی طلب اور چاہت ہے لیکن اس کو محسوس نہیں کر رہا ہے یہ عقلی محبت ہے۔پانی کی یہ عقلی محبت اور چاہت اور عقلی خوشی طبعی کیفیت سے کسی صورت میں کم نہیں۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مؤمنین کی شدت محبت بیان کی گئی ہے:

''وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ''(البقرہ:۱۶۵)

ترجمہ: مؤمنین بہت شدت (بہت زور دار طریقے) سے اللہ تعالیٰ (کی ذاتِ ذوالجلال) سے محبت کرنے والے ہیں۔

اس محبت کا اثر ہوتا ہے کہ محبوب کی ذات وصفات میں انسان کشش محسوس کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔تو میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! قرآن تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرماتے ہیں کہ

File Adress:

سنائیں؟ فرمایا: ہاں! میرا دل چاہتا ہے کہ آپ سنائیں۔ کہا: میں نے پڑھنا شروع کیا:
وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَھِیْدًا۔

وہ کیسا وقت ہوگا جس وقت کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ساری امتوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا اور پھر اس گواہی کو پکا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب پر گواہ لایا جائے گا اور یہاں تک کہ اس امت کی گواہی پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی پر ساری اقوامِ عالم کا محشر کے میدان میں فیصلہ ہو جائے گا) کہتے ہیں کہ یہ آیتیں جب پڑھیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے کیونکہ محبوب کا کلام، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ذوالجلال کا کلام، اس کا تذکرہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا خطاب، اس لئے اتنی کشش تھی۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تذکرے بھی آئے ہوئے ہیں۔ ایک صحابی ؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! رات جب میں تلاوت کر رہا تھا، اس وقت میں نے ایک خاص کیفیت محسوس کی، اس وقت ایک تو بادلوں کا ابر آیا اور ایک یہ کہ میرا گھوڑا اُچھلنے لگا اور ہنہنانے لگا اور مجھے خطرہ ہوا کہ میرا چھوٹا بیٹا ہاشم جو پاس پڑا تھا کہیں اچھلنے کودنے سے گھوڑے کے قدموں کے نیچے نہ آجائے، اس لئے میں نے تلاوت موقوف کی۔ پھر جب میں پڑھنے لگا پھر وہ جوش کی کیفیت اندر طاری ہوئی۔ اپنے آپ پر محسوس ہوئی، گھوڑے پر وہ کیفیت طاری ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو پڑھنا جاری رکھتا تو یہ مدینہ منورہ کی پہاڑ اور وادیاں یہ بھی تیرے ساتھ پڑھتیں۔ کیونکہ جس کیفیت کو آپ محسوس کر رہے تھے اور اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام کو پڑھ رہے تھے تو یہ گھوڑا بھی دراصل اس وجد کو محسوس کر رہا تھا اس لئے وہ بھی اچھلنے لگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو پہاڑوں پر اور پرندوں پر بھی کیفیت مستی کی اور وجد کی طاری ہوتی تھی۔ پہاڑ اور

File Adress:

پرندے بھی ان کے ساتھ پڑھنے لگتے تھے۔

ایک دفعہ عبداللہ بن ابی اوفیٰ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور تلاوت کر رہے تھے۔ انہوں نے پڑھا: ''فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ ط فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ ط عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ'' (مدثر:۸،۹،۱۰)

ترجمہ: جب وہ صور پھونکی جائے گی، پس وہ دن بڑا سخت ہوگا، کافروں پر آسان نہ ہوگا۔

تو اس میں قیامت کے برپا ہونے کے حالات کا تذکرہ ہے۔ اس کو بار بار پڑھنے لگے اور ان پر حال اور کیفیت اور وجد طاری ہوا۔ وہ بار بار پڑھ رہے تھے، پڑھ رہے تھے۔ خالی کمرہ تھا یہاں تک کہ ایک کونے سے آواز آئی کہ تو اس کو پڑھنا بند کر، کب تک تو اس کو پڑھتا رہے گا؟ تیرے پڑھنے سے تین جنوں کی تو موت ہوگئی۔ ایسی کیفیت جنوں پر آئی کہ اس کو برداشت نہ کر سکے اور اُن کی جان نکل گئی۔

تو یہ طبعی کشش ہے جو کہ ''اشد حبا للّٰہ'' کا طبعی پہلو ہے۔ نفسیات کی رو سے میں نے اس کو بیان کیا۔ سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے تعلق کی کیفیتیں ہیں، شانیں ہیں، جو اس راستے پر محنت کرنے والوں، پرہیز کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہیں، ان پر طاری ہوتی ہیں۔

محبت عقلی اطاعت کا نام ہے

اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کے دوسرے پہلو کو عقلی محبت کہتے ہیں اور اطاعت کہتے ہیں۔ اطاعت میں خوب کوشش کرنا کہ جو جو احکامات دیئے گئے ہیں، جیسے جیسے دیئے گئے ہیں۔ خوب کوشش کے ساتھ بجالانا۔ فرض، واجب، یہاں تک کہ مستحبات کو بجالانا اور خوب کوشش کرنا کہ خطا نہ ہوجائے تو یہ محبت کا عقلی پہلو ہے یعنی اطاعت کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ

File Adress:

وسلم کے ساتھ محبت کے بارے میں آیا ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔(آل عمران: ۳۱)

یعنی اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو، تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہے ہیں تو اس کا ثبوت یہ دینا پڑے گا کہ تم میرا اتباع کرو۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو مانا جائے، تو یہ گویا ثبوت ہے محبت کا اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ذوالجلال سے اور محبت کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با کمال سے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کر رہے ہو تو اللہ پاک کی اطاعت کرو گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرو گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں پر چلو گے۔

ہندوستان میں مرزا بیدل فارسی کا ایک شاعر گزرا ہے۔ اس کا زبردست فارسی کا کلام ہے، زبردست نعتیں ہیں۔ یہ کلام ایران پہنچا تو ایران کے فارسی والوں نے بہت قدردانی کی۔ ایک آدمی نے کہا کہ یہ تو بہت اللہ کا ولی ہے اور بہت بڑا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان کو ان کے اشعار اور ان کی نعتوں سے بڑا مزہ آیا۔ انہوں نے کہا کہ میں ہندوستان جا کر مرزا بیدل سے ضرور ملاقات کروں گا۔ ملاقات کرنے کے لئے پہنچ گئے۔ انہوں نے پوچھا کہ مرزا بیدل "کُجا است" مرزا بیدل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا کہ "بحمام رفتہ است" حمام پر یعنی نائی کے دُکان پر گیا ہوا ہے۔ ان کو اتنی تڑپ اور کشش تھی کہ میں وہاں جا کر فوراً ملوں۔ وہاں جب گئے تو پوچھا کہ مرزا بیدل کون سے ہیں؟ تو انہوں نے دیکھا کہ بیٹھے ہیں اور داڑھی ترشوا رہے ہیں، کتروا رہے ہیں۔ ان کو بڑی حیرت ہوئی انہوں نے کہا: اوہو! آغا ریش می تراشی؟ (داڑھی کو کتروا رہا ہے؟) وہ بڑا سمجھدار اور دانشور آدمی تھا۔ اس نے فوراً کہا: "ریش می تراشم ولی دلی کسی را نمی خراشم۔"

(داڑھی تو کتر وا رہا ہوں لیکن کسی کا دل زخمی نہیں کرتا) اس نے کہا: ''آغا دلِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم را می خراشی'' (آغا تو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو چھیل رہا ہے، ان کے دل کو دکھا رہا ہے۔ مرزا چونکہ تھا واقعی عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن کچھ کوتاہی، غلط فہمی، گرد وپیش کے ماحول کے اثرات کی وجہ سے اس طرح کر رہا تھا۔ تو وہ فوراً وہاں پر توبہ تائب ہوا اور یہ شعر کہا:

؎ جزاک اللّٰہ کہ چشم باز کردی

مرا با جان جاں ہم راز کردی

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے تو نے میرے آنکھیں کھول دیں اور مجھے جان جاناں یعنی محبوبوں کے محبوب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم راز کر دیا۔

وہیں سے توبہ تائب ہو کر اٹھے۔ تو یہ محبت ہے عقلی۔

ایک آدمی ہو جس کے دو بیٹے ہوں۔ ایک بیٹا پاس کھڑا ہے، کہتا ہے: ابا جان آپ مجھے بہت پسند ہیں اور واہ واہ ابا جان! آپ کی کیا خوبصورت شکل وصورت ہے، کیا گھنے آپ کے بال ہیں، اور کیا خوبصورت آپ کی آنکھیں ہیں، اور کتنے سرخ آپ کے ہونٹ ہیں، کتنے سفید آپ کے رخسار ہیں، اور میں تو آپ مر رہا ہوں اور آپ تو مجھے بہت ہی پسند ہیں۔ باپ کہتا ہے کہ بیٹا! مجھے پانی لا کر دے۔ بیٹا پانی تو لا کر نہ دے بلکہ پھر وہی تعریف شروع کر دے کہ آپ مجھے پسند ہیں، رخسار بھی پسند ہیں اور ہونٹ بھی پسند ہیں۔ باپ پھر کہتا ہے کہ مجھے پانی لا کر دو۔ وہ پھر وہی گیت گانا شروع کر دے اور دوسرا بیٹا پہلے ہی حکم پر جا کر پانی لے آئے تو آپ بتائیں باپ کو کس کے ساتھ حقیقی محبت محسوس ہوگی اور بیٹوں میں سے باپ کو کس کی محبت مفید ہے؟ اس لئے کہتے ہیں کہ اصلی محبت تو محبتِ عقلی ہے یعنی اتباع کرنا، بات ماننا۔ اور محبت عقلی اور محبت طبعی دونوں نصیب ہو جائیں تو یہ بہت بڑی بات

File Adress:

ہے۔محبت عقلی تو لازمی ہے اور اختیاری ہے۔طبعی محبت عطائی ہے۔عطا ہوتی ہے تو ہوتی ہے ورنہ نہیں ہوتی۔کاملین کو دونوں محبتیں حاصل ہوتی ہیں۔محبت عقلی بھی حاصل ہوتی ہے اور محبت طبعی بھی حاصل ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر روتے دھوتے ہیں اور ان کی باتیں بھی مانتے ہیں اور اتباع کرنے میں پوری کوشش کرنے والے ہوتے ہیں اور ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّالِلّٰہِ'' کا پورا مصداق ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ محبت الٰہی کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ اللہ کا کلام سننے میں مزہ آئے، اللہ کا ذکر کرنے مزہ آئے، اللہ کا نام لینے میں مزہ آئے، اللہ کی یاد میں مزہ آئے، یہ طبعی پہلو ہے۔اور اللہ پاک کی احکامات کو ماننے، اس میں کوشش کرے، یہ اس کا عقلی پہلو ہے۔تو ایسا نہ ہو کہ نعت تو ہم نے پڑھ لی اور رونا دھونا کرلیا لیکن احکامات ماننے میں کند چھری کی طرح ہو جو کہ کام نہیں کرتی۔اعمال سے اور اتباع سے آدمی اپنی محبت کا ثبوت پیش کرے۔ اس لئے فرمایا گیا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔(ال عمران:۳۱)

یعنی اے پیغمبر(صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان سے فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو اس کا ثبوت یہ دینا پڑے گا کہ تم میرا اتباع کرو، اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی تجلی تم پر ڈالے گا اور تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے۔

انسان کو اعمال کا مکلف ہی اس لیے بنایا گیا کہ اس میں جذبہ عشق تھا، اگر اس کے پاس عشق کی دولت نہ ہوتی تو یہ کبھی اس بارگراں کو قبول نہ کرپاتا۔قرآن میں اس حقیقت کا بیان ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَھَا وَاَشْفَقْنَ مِنْھَا وَحَمَلَھَا الْاِنْسَانُ، اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَھُوْلًاO (الاحزاب۔۷۲)

File Adress:

ترجمہ: ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو اور پہاڑوں کو، پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے، اور اٹھالیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشہ لبِ بام ابھی

آسمان بار امانت نتواں برداشت
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ترجمہ: آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھا سکا، آخر قرعہ مجھ دیوانے کے نام نکلا۔

ہمارے اکابر کا قول ہے کہ اگر ہم عاشقِ ربّ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم کو شریعت کی دولت و امانت نہ دیتے۔

تو محبت عقلی میں یہ بات ہے کہ اللہ و رسول کی کامل اتباع حاصل کرنی ہے، چاہے حکم سمجھ میں آئے چاہے نہ آئے غلام کے ذمہ تعمیل ہوتی ہے اور اپنی مرضی اور چاہت مٹانی ہوتی ہے۔ محمود غزنویؒ کا ایک وزیر تھا ایاز نام کا، جوان کا آزاد کردہ غلام تھا، اس کو محمود غزنویؒ سے طبعی محبت کے ساتھ عقلی محبت حاصل تھی، یعنی اس نے محمود غزنویؒ کے سامنے اپنی ہر چاہت مٹادی تھی، یہی اس کا کمال تھا۔ محمود اگر کسی بات کے متعلق اس سے پوچھتا تھا کہ اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ تو کہتا تھا کہ جو جناب کی رائے ہے، وہی میری رائے ہے۔ محمود غزنوی کے باقی مقرّبین اور درباریوں نے محمود سے شکایت کی کہ آپ نے ایاز کو بہت سر چڑھایا ہے اور ہر کام میں اس کو آگے آگے کرتے ہیں۔ محمود نے درباریوں کو بتانے کیلئے کہ کیوں میں ایاز کو آگے آگے کرتا ہوں اور اس کی قدر کرتا ہوں۔ ایک قیمتی ہیرہ مقرّبین کو دیا کہ اس کو توڑو۔ ہر ایک درباری نے کہا کہ حضرت یہ اتنا قیمتی لعل ہے، اس کو

File Adress:

میں نہیں توڑسکتا ضائع ہو جائے گا۔ اس کے توڑنے سے کیا فائدہ ہوگا! اس طرح ہر درباری نے یہ جواب دیا۔ جب ایاز کو دیا تو اس نے فوراً توڑ دیا۔ سب درباریوں نے اس پر طعن کیا کہ اتنا قیمتی لعل توڑ دیا۔ محمود نے کہا کہ مجھے اس کی یہ ادا پسند ہے کہ میرے حکم کو دیکھتا ہے اور میری منشاء کو دیکھتا ہے، اپنی نہیں چلاتا۔ بہرحال انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنے کو ایسا مٹائے کہ یہ حال ہو جائے۔

زندہ کنی عطائے تو، ور بکشی رضائے تو

دل شدہ مبتلائے تو، ہر چہ کنی فدائے تو

ترجمہ: اگر زندہ رکھیں تو آپ کی عطا، مار ڈالیں تو آپ کی رضا۔ دل ہوا آپ کا مبتلا (عاشق)، جو کریں آپ پہ فدا (قربان)۔

جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی تعمیل میں مٹا دیا تو وہ کمال کو پہنچ جائے گا۔ جب انسان پامال ہوتا ہے تو ترقی کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کے طریقوں پر چلنے کو وظیفہ حیات بنا لیا جائے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ''

ترجمہ: جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے اطاعت کی اللہ کی۔

اطاعت رسول دراصل اطاعتِ الٰہی ہے، دوسری جگہ پر دونوں کو ملا کر بیان فرمایا گیا ہے:

''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ''

کہ اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی۔

اس سے بھی یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ سارے احکامات قرآن پاک بیان

File Adress:

نہیں کرے گا، احکامات کا ایک حصہ وہ ہوگا جو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھوڑا جائے گا، اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کریں گے۔اس لئے قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ ''اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ'' (نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو)۔ باقی کیسے پڑھو، کس ترتیب سے پڑھو، کتنی رکعتیں پڑھو، یہ بات ثابت نہ ہوئی۔ اس لئے اُن کے اوقات کو حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور جبرئیل علیہ السلام آئے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن امامت کروائی اور آپ کے سامنے رکوع، سجدہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی شکل میں اس کو بیان کر کے امت کے پاس اس کا record چھوڑا اور عملی طور پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے کر کے ان کی تفصیلات بتائیں۔ کہ جبرئیل علیہ السلام ایک دن آئے اور انہوں نے ظہر کی نماز کا پہلا وقت بتایا پھر آخری وقت بتایا تو اوقات کی تفصیل جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتائی کہ یہ سب سے پہلا وقت ہے اور یہ سب سے آخری وقت ہے تاکہ انسانوں پر سختی نہ رہے اور کافی وقت کی گنجائش ہو۔ کیونکہ کسی نے اگر سفر پر جانا ہے، کسی کی نوکری ہے، ملازمت ہے، پوری گنجائش ان کو دی ہے کہ صبح کی نماز کا وقت آج کل ۵:۴۵ پر شروع ہوتا ہے اور ۷:۱۷ تک ہوتا ہے۔ اب پڑھنے کے لئے افضل وقت کیا ہوگا، افضل وقت ایسا ہو کہ جب خوب روشنی پھیل جائے تاکہ بوڑھے آدمیوں کو، کمزور نظر والے آدمیوں کو آتے ہوئے تکلیف نہ ہو، راستہ ان کو نظر آئے، راستے پر چلتے ہوئے روشنی ہو۔ اتنی روشنی ہو کہ سانپ، بچھو نظر آ رہا ہو۔ پرانے زمانے میں شیر، بھیڑیا وغیرہ ہوتے تھے، جب روشنی پھیل جاتی تھی تو وہ بھی راستوں کو چھوڑ کر، کھلی جگہوں کو چھوڑ کر، پناہ کی جگہوں پر چلے جاتے تھے۔ تو یہ ساری تفصیلات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں۔ پھر اُمت کے ذمے اپنے وقت میں پیش آنے والے حالات کے مطابق غور و فکر کی مزید گنجائش چھوڑی ہے۔ یہ غور و فکر فقہ کے چار اماموں نے کیا ہے:

File Adress:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَ لَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ (نحل: ۴۴)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی یہ قرآن اتارا ہے تا کہ جو ہدایت (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے) لوگوں کے پاس بھیجی گئی ہے وہ ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو واضح کر کے سمجھا دیں اور تا کہ وہ ان میں غور وفکر کیا کریں۔

الغرض قرآن، حدیث اور فقہ کی شکل میں جتنے احکام دین ہیں، سب پر عمل پیرا ہونا محبت عقلی کا تقاضا ہے، اگر ان میں سے کسی حکم کی اہمیت خدانخواستہ دل میں کم ہو یا اسے لا پروائی سے ترک کیا جا رہا ہو تو تلاوت اور نعت میں جتنا رونا دھونا کر لے اور ھوحق کے نعرے لگا لے، اس شخص کا ایمان کامل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: تم میں سے کوئی ایک ہرگز (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اسے میں اپنے والد، اپنی اولاد اور سارے لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جس میں یہ بات ہوگی وہ ایمان کی حلاوت اور مٹھاس کو پالے گا:

مَنْ کَانَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِمَّا سِوَاھُمَا۔ (بخاری)

ترجمہ: وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوا ہر شئ سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔

محدثین نے ان احادیث پر بحث کی ہے اور راجح بات یہ لکھی ہے کہ ان احادیث میں ذکر کی گئی محبت سے مراد محبت عقلی ہے۔ چونکہ محبت عقلی اطاعت کا نام ہے، لہٰذا ارشادات کا مفہوم یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے بغیر محبت کا

File Adress:

دعویٰ بے اصل ہے اور محبت اسی میں منحصر ہے کہ محبوب کا ہر حق حکم دل و جان سے عزیز ہو۔

تصوف کی اونچی منزل سالک کو محبتِ طبعی، محبتِ عقلی اور محبتِ شرعی کی کیفیتوں سے ہمکنار کرنا ہے۔ ان خانقاہوں میں حاضری کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا تعلق اور محبت حاصل کرنا ہے، تصوف صرف ذکر اذکار کے نصاب پورا کرنے کا نام نہیں ہے کہ نقشبندیہ کے یہ اسباق ہیں، یہ میں پورے کرلوں، قادریہ کے یہ اسباق ہیں، یہ میں پورے کرلوں۔ تصوف مکمل دین پر اخلاص سے چلنے کا نام ہے، پورا دین اس کا موضوع ہے۔ جب پورے دین کی اطاعت نصیب ہوگی تب جا کر بات بنے گی۔

دھیانِ الٰہی: محبت کا زینہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق اور محبت کو دل میں پیدا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کے نتیجے میں اللہ کا دھیان حاصل کرنا ہے اور ولایت کا دروازہ تو دھیان اور یادداشت سے ہی کھل جاتا ہے۔ جب یہ دھیان حاصل ہو گیا کہ اللہ مجھے ہر جگہ دیکھ رہا ہے، مسجد میں دیکھ رہا ہے، دکان میں دیکھ رہا ہے، تولتے ہوئے دیکھ رہا ہے، بولتے ہوئے دیکھ رہا ہے، ہر جگہ جب یہ احساس اور دھیان شروع ہو جائے تو اس کے قدم ولایت کے دروازے سے داخل ہو گئے۔ اب یہ آگے ترقی کرے گا۔ لہٰذا پہلی چیز دھیان ہے، اس کے ساتھ چاہت و محبت کا جذبہ ہے جو دل کو ذاتِ ذوالجلال کی طرف کھینچتا ہے۔ اس کے بعد پھر مشاہدہ ہے۔

سچ بات ہے کہ ہم ذرا نماز کی پابندی کرلیں اور اشراق تک بیٹھنا شروع کر دیں یا تہجد پڑھنا شروع کر دیں بس پھر کسی کو بھی اپنی دُم کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے، اس قدر ہم میں مستی اور کبر آ جاتا ہے۔ حضرت مولانا الیاس رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے کہ گناہ پر استغفار نیکی پر استکبار سے افضل ہے۔ انسان سے گناہ ہو جائے تو ٹوٹ پھوٹ جائے اور کہے کہ یا اللہ! مجھ

File Adress:

سے تو بڑا گناہ ہو گیا، مجھے معاف کر دے تو یہ اس شخص سے افضل ہے کہ اس نے تہجد پڑھی اور سر اٹھا کر گردن ٹیڑھی کی اور خیال کیا کہ میں بزرگ ہوں اور میں عالم ہوں اور میں اہلِ تصوف ہوں اور میں تہجد گزار ہوں۔

دھیان الٰہی کا ثمرہ: توحید کامل کا حصول

جب اللہ تعالیٰ کا دھیان باطن میں جمتا ہے تو اس سے انسان کو توحید کی حقیقت حاصل ہو جاتی ہے، ایسے شخص ذات ذوالجلال پر ایسا یقین بنتا ہے کہ دنیا کی ساری قوتیں اسے خاک و خاشاک نظر آتی ہیں۔ اسلام آباد میں علماء کا ایک سرکاری اجتماع تھا۔ اس میں بہت سے توحیدی بھی مدعو تھے۔ مجھے کہا گیا کہ بیان آپ کریں گے۔ میں نے بیان کیا کہ قبروں سے مانگنا اور سوال کرنا یہ سب تو شرک ہے اور اسے چھوڑنا چاہئے اور خالص توحید کو اپنانا چاہئے، یہ تو بہت ہی ضروری اور بنیادی بات ہے، اس سے تو کسی کا انکار نہیں ہے۔

اصل توحید کسے کہتے ہیں؟

اصل توحید یہ ہے کہ جب سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کو حجاج بن یوسف نے اپنے دربار میں کھڑا کیا اور جلاد سے کہا کہ تلوار نکال کر لہراؤ، پھر انھیں ڈرایا دھمکایا تا کہ وہ معافی مانگ لیں تو یہ چرچا ہو جائے گا کہ بڑے بڑے علماء بھی جو کہ حجاج کو گمراہ سمجھتے تھے اس کے زیر اثر آ گئے۔ جب بہت کوشش کر لی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا تو حجاج نے کہا کہ میں تو تمہارا سر اتارنے والا ہوں۔ حضرت سعید بن جبیرؓ نے جواب دیا کہ اگر میں تمہیں اپنی زندگی اور موت کا مالک سمجھتا تو تمہیں اپنا معبود نہ بنا لیتا! یہ سن کر حجاج کو غصہ آ گیا۔ جلاد نے تلوار چلائی اور ان کا سر دور جا گرا اور خون کا ایک فوارا پھوٹ پڑا۔ حجاج نے شاہی طبیب سے پوچھا کہ ہم نے اتنے قتل کئے، ان میں تو خون ہی نہیں ہوتا، اس سے اتنا خون کیوں بہہ رہا ہے؟

File Adress:

طبیب نے کہا کہ دراصل ان کے دل پر آپ اور آپ کی تلوار کا ذرہ برابر خوف نہیں تھا۔ جب غیر اللہ کا خوف، غیر اللہ کا شوق، غیر اللہ کا رعب، غیر اللہ کی حیثیت، حکومتوں کا دبدبہ، اسلحوں کی دہشت اور وحشت اور مال و دولت کی چکا چوند، یہ سب چیزیں تیرے آگے خاک اور راکھ ہو جائیں تو اس وقت انسان پر توحید کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہ صرف قبروں کے بارے میں بیان بازی کرنا اور حیات کا انکار کرنا اور اس طرح سے توحید بیان کرنا، محض اتنی سی بات نہیں ہے۔ توحید صرف اتنی بات نہیں جتنی تم سمجھ پا رہے ہو۔ توحید تو گہری حقیقت ہے جس کا حال اللہ تعالیٰ سے پختہ تعلق، محبت اور مجاہدات کے بعد طاری ہوتا ہے۔

توحید کامل کا ثمرہ: شان ہیبت

اللہ تعالیٰ کے پختہ دھیان کے نتیجے میں جب انسان کو اللہ کا تعلق خاص نصیب ہوتا ہے تو اس پر توحید کامل کا حال طاری ہو جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے ایک خاص رعب اور ہیبت نصیب فرما دیتے ہیں، جس کے سامنے اہل باطل تو تاب ہی نہیں لا سکتے، جبکہ اللہ تعالیٰ اپنے عام بندوں کے قلوب میں بھی اس کا رعب بٹھا دیتے ہیں۔

ہندوستان کا ایک بادشاہ سلطان محمد تغلق گزرا ہے جو کہ عالم بھی تھا اور اتنا خوفِ خدا والا انسان تھا کہ اس نے اتحاد بین المسلمین کی خاطر ترکی کے خلیفہ کی طرف ایک آدمی تحفے تحائف سمیت یہ پیغام دے کر بھیجا کہ پوری دنیائے اسلام کے خلیفہ آپ ہیں اور میں آپ کا ماتحت ہوں، میری طرف سے علامت کے طور پر یہ تحفے قبول کریں۔ جواب میں انھوں نے تغلق کو ایک تلوار بھیجی اور کہا کہ آپ کی بات ہمیں قبول ہے اور ہندوستان میں آپ ہمارے نمائندہ ہیں۔ اسے خدا نے اتنا رعب و دبدبہ دیا تھا کہ جو بھی اس کے دربار میں آتا اس پر لرزا طاری ہو جاتا۔

ایک بزرگ تھے، انھوں نے اپنے بیٹے کو ساتھ لیا اور دربار کو چل دیئے۔ کہ ذرا

File Adress:

دیکھیں تو کیسا دبدبہ ہے۔ وہ دربار کے قریب پہنچے تو بیٹے پر لرزا طاری ہو گیا اور وہ کانپنے لگا۔ اتنا رعب تو بادشاہ کا دربار سے باہر تھا۔ بزرگوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے کہا: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ پھر وہ دربار میں داخل ہوئے اور جوں تخت کے نزدیک ہوئے تو ان اللہ والوں نے محمد تغلق سے باآواز بلند کہا: السلام علیکم۔ ان کا سلام سنتے ہی تخت پر بیٹھے بادشاہ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مولانا روم نے فرمایا ہے:

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست

ہیبتِ ایں از مردِ صاحبِ دلق نیست

یہ حق کی ہیبت ہے، اس گدڑی پوش فقیر کی ہیبت نہیں، یہ اللہ کی ہیبت ہے جو بادشاہ پر بھی طاری ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لوگوں نے کہا کہ شیر آ گیا ہے اور اس نے راستہ روک رکھا ہے، ہمیں بڑی تکلیف ہے، جانے کا رستہ نہیں ہے۔ آپؓ تشریف لے گئے اور شیر سے مخاطب ہو کر کہا: ''جس کو کھانے کے لئے مقرر ہوئے ہو آگے بڑھ کر اس کو کھا لو اگر اس میں تمہارا رزق ہے، اور اگر کوئی نہیں تو پھر ویسے لوگوں کو کیوں تنگ کرتے ہو، رستہ چھوڑ دو۔'' یہ کہا اور ساتھ ہی ایک تھپڑ اس کے کان پر دے مارا۔ شیر نے سر جھکایا اور رستہ چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔ شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے:

ہر چہ از حق ترسد و تقویٰ گزید

ترسد از وجن وانس و ہر کہ دید

جو اللہ سے ڈرا اور تقویٰ اختیار کیا اسے جن، انسان اور جو کوئی بھی دیکھے اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ ہمارے حضرت مولانا یوسف بنوری صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے توحید کامل کی نعمت سے نوازا تھا، توحید پر پختہ ایمان کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہیبت عطا فرمائی تھی جو

File Adress:

بادشاہوں اور وزیروں کے حصے میں کہاں!! جب ختم نبوت کی تحریک چل رہی تھی اور اس سلسلے میں حکومت کے ساتھ مذاکرات اور ملاقاتیں ہورہی تھیں، تو اس دوران ایک دن ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحبؒ کے ہاں تشریف لائے، اور ذوالفقار بھٹو سے ملاقات کی کارگزاری سنائی۔ فرمایا: جب میں اس کے گیا تو اللہ نے اسے میرے سامنے چپڑاسی کردایا۔ میں اس سے کہا کہ آپ قادیانیوں کے کفر کے فیصلے پر دستخط کریں تو وہ کہنے لگا کہ مولانا صاحب! آپ تو مجھے مروانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ اگر اس راستے میں تجھے موت نصیب ہوگئی تو اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی۔ تو یہ اللہ والوں کی ہیبت ہوتی ہے، جس کے سامنے ملکوں کے حکمران، فرمان روا اور بادشاہ لرز جاتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے محبت اور وابستگی کا ایسا تعلق نصیب ہوتا ہے، کہ ان کی نگاہ میں دنیا کے ان فانی طاقتوں کی ایک ذرہ حیثیت نہیں ہوتی۔

محبت: سفر سلوک کا محرک

ان ساری باتوں کے حصول کا محرک محبت ہے کہ بندہ اللہ سے لو لگا لے، دل لگا لے۔

صوفی نہ شود صافی تا در نہ کشد جامے
بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

صوفی اس وقت تک صاف نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ کی محبت کا جام نہ پی لے۔ یہ بہت طویل سفر ہے، اُس کے بعد کہیں جا کر کچی چیز پکی ہوتی ہے۔

واقعی جہاں دل لگ گیا، جس کو دل دے دیا، بس یہ تو اسی کا ہو گیا۔ اس کی بات ماننا، اس کے لئے مشکلات برداشت کرنا، قربانیاں دینا بلکہ جان تک لٹا دینا بہت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ یہ محبت تو دل میں ایک آگ جلا کے چھوڑ دیتی ہے جس کے نتیجے میں اندر سے آہ و

File Adress:

بکا اور ہوک کی کیفیت اٹھتی ہے۔ احیاء العلوم میں اس سوز و گداز اور گریہ وزاری کے عجیب تذکرے موجود ہیں جن کے پڑھنے میں اتنا لطف ہے تو ان کے کرنے والوں نے کیا مزے لُوٹے ہوں گے۔ چنانچہ صحابہ کرام اور امت کے تابعین اور تبع تابعین کے دور کے لوگوں کی قربانیاں اور خوشی خوشی جانیں قربان کرنے کے واقعات اس کا عملی ثبوت ہیں۔ یہ کیفیتِ محبت جب سوز و گداز، رونے دھونے، گریہ وصیحہ کی شکل میں ہوں تو محبتِ طبعی کہلاتے ہیں۔ اس محبتِ طبعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکموں کا مکمل لحاظ اور شریعت کا مکمل اتباع ہو تو یہ محبتِ طبعی محبت عقلی وشرعی ہے۔ ورنہ نری کیفیت ہے۔ جب محبت حاصل ہو جائے تو ایک ذاتِ واحد کا خیال اور دھیان اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ صرف ایک وجود کی موجودگی ہی باطن کا دھیان ہو جاتا ہے۔ ساری موجودات جو نظر آ رہی ہیں اسی ذاتِ واحد کی قدرت وصنّاعی اور امرِ کُن کا پرتَو نظر آتا ہے۔ اس مقام پر بعضے سالک منصور حلاّج کی طرح گم ہو جاتا ہے جو کہ تصوف کا ایک حادثہ ہے جب کہ پار ہو جانے والا سالک ہر غیر سے فارغ ہو کر اللہ کی ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ گہری وابستگی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اس کے سامنے مال ودولت، عزت وشوکت، اسلحے وقوت، شاہ وسپاہ، ہر شے کی حیثیت پرِ کاہ (تنکا) جیسی ہو جاتی ہے۔

باقی 'انا' کا ہوش ابھی 'حق' کے ساتھ ہے
ہے بےخودی تمام ابھی منصور کی نہیں
ہُو میں اتنا کمال پیدا کر کہ جز ہُو کے تو نہ رہے
تیری ہستی کا رنگ وبو نہ رہے

اس محنت کے لئے کمر باندھنا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

File Adress:

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے امر کا اسباب کے پیچھے چھپا ہونا اور حالات کا اسباب سے ظاہر ہونا ایسا معمہ ہے کہ اس کی وجہ سے سب ہی لوگ حالات کا بدلنا اسباب سے جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری بڑی غلطی یہ ہے کہ مال و اسباب کے مطلق حصول کو اپنا مقصد جانتے ہیں خواہ ظلم سے ہو خواہ انصاف سے، خواہ جھوٹ سے خواہ سچ سے۔ ان کے نزدیک چونکہ حالات کا تعلق براہ راست صرف اسباب سے ہے اس لئے اسباب ہی کا حصول نصب العین اور مطمعِ نظر ہوتا ہے۔ اب جو لوگ قواعد و ضوابط سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کو توڑ کر اور حق و صداقت کو چھوڑ کر مال و اسباب کے پیچھے لگتے ہیں وہ ایک طرح کے عملی کفر کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں، گویا مال کو ہی عملاً حقیقی مشکل کشا سمجھ رہے ہیں۔ اگر ان سے مناظرہ کیا جائے تو ایک درجہ میں اس بات کو مان لیتے ہیں کہ حالات مال و اسباب کے نہیں بلکہ امرِ الٰہی کے محتاج ہیں لیکن اپنے کمزور ایمان کی وجہ سے ہم اس کے حصول کے لئے ضوابط کی پابندی نہیں کرتے۔ ان لوگوں کا عمل تو خراب ہوا لیکن عقیدہ محفوظ رہ گیا۔ جبکہ ایک گروہ تو اس بات کی کوشش میں لگ جاتا ہے کہ اپنی ناقص عقل کو استعمال کر کے اور قرآن و حدیث سے دلائل لا کر اپنی ناجائز اور خراب ترتیبوں کو ہی درست ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں احادیث کی تشریحات اور سلف صالحین و ائمہ مجتہدین کی آراء کو نظر انداز کر کے زندقہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيْئَةٍ۔ کے تحت مال کے پیچھے ایسے پڑتے ہیں کہ اس کی محبت دل میں گھر کر جاتی ہے اور مال کی وجہ سے نفسیاتی مریض (Psychiatric Patient) بن جاتے ہیں۔ کئی ایسے خاندان جن میں بعض بھائی پڑھ لکھ کر اور کاروبار وغیرہ کر کے اور باہر ممالک جا کر مالدار ہو گئے جبکہ دوسرے بھائی اس تگ و دو میں پیچھے رہ گئے۔ ان پیچھے رہنے والوں کو بندہ نے نفسیاتی امراض (Psychiatric Diseases) مثلاً اضطراب (Anxiety)، اضمحلال (Depression) بلکہ مراق (Schizophrenia) میں مبتلا ہوتے دیکھا۔

از: ڈاکٹر فدا محمد مدظلہم

File Adress:

وساوس وخیالات

حقیقت، اثرات اور علاج

File Adress:

اگر آدمی کا یہ خیال ہو کہ وہ ایک ہی دن میں کامل ہو جائے اور اس کو محنت وغیرہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو ایسا کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔ آپ چلیں گے، خطا ہوگی، توبہ کریں گے، پھر خطا ہوگی۔ جس طرح کوئی سائیکل چلانا سیکھتا ہے تو کبھی دائیں گرتا ہے تو کبھی بائیں گرتا ہے لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے۔ جب مقررہ مشق پوری ہو جاتی ہے تو پھر نہیں گرتا۔ کبھی کبھی پھر بھی گر سکتا ہے، مثلاً سڑک پر پھسلن تھی یا کسی ایسی جگہ پھنس گیا کہ آگے سے بھی آدمی آ گیا اور دائیں بائیں سے بھی اور اتنے پریشانی کے حالات ہو گئے کہ گر پڑا۔ لیکن عام طور پر نہیں گرتا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ کامل ہونے کے بعد بھی آدمی سے خطا ہو سکتی ہے، اجتہادی خطا کا ہونا تو بہت زیادہ ممکن ہے، اور غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسی خطا سے اللہ تعالیٰ کا تعلق نہیں ٹوٹتا کیونکہ جوں ہی آگاہی ہو جائے تو ایسے آدمی کے فوراً توبہ کرنے کے حالات ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے اور رونے دھونے سے وہ پہلی خطا بھی معاف ہو جاتی ہے اور پہلے سے زیادہ تعلق مع اللہ ہو جاتا ہے۔

File Adress:

خطبہ ماثورہ!

اللہ تعالیٰ نے انسان کو روح اور مادہ سے مرکب بنایا ہے، اس کی دائمی کامیابی کا دارومدار تو روحانی تقاضوں کو پورا کرنے پر ہے لیکن چونکہ یہ سارا عمل اس مادی کائنات میں مادی جسم کے ذریعے انجام پانا ہے اس لیے مادی تقاضے بھی ضرورت کے تحت برتنے لازمی ہیں۔ انسان کے مادی جسم کی کئی ضروریات ہیں جن کے لیے انسان کے باطن میں عقل، نفس اور قلب کے ادارے رکھ دیئے گئے ہیں، وہ ان سے کام لے کر اعضاو جوارح کے ذریعے عمل کرتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہے، چونکہ یہ دنیا آزمائش کا گھر بھی ہے اس لیے ان اداروں کی مثبت کارکردگی کے ساتھ ساتھ ان میں کچھ منفی جذبات اور قوتیں بھی رکھ دی گئی ہیں، جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر شیطان یا نفس کی تحریک کی وجہ سے برانگیختہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ شیطان کسی کو ہاتھ سے پکڑ کر گناہ نہیں کرواتا بلکہ وہ ان نفسانی منفی جذبات کو حرکت دینے کا کام شروع کرتا ہے جس سے رفتہ رفتہ انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، شیطان کی طرف سے اس حرکت کو پیدا کرنے کے کئی درجات ہیں۔ ہر دوسرا درجہ پہلے سے قوی اور مضبوط ہوتا ہے، گناہ سے بچنے کی کوشش پہلے درجہ پر کی جائے تو بہت آسان رہتی ہے اور پھر یہ رفتہ رفتہ مشکل ہوتی جاتی ہے۔ یہ درجات پانچ ہیں:

پہلا درجہ وسوسہ ہے، یہ گناہ کی ایک رو یا لہر ہوتی ہے جو دل میں آ کر گزر جائے۔ اسے قرار نہیں ہوتا، اس کا علاج یہی ہے کہ اس کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں۔

دوسرا درجہ حدیث نفس ہے، اگر وسوسہ کی طرف التفات ہو اور اسے ذہن میں قدرے

File Adress:

قرار مل جائے اور ذہن میں گزرنے کے بعد پلٹ آئے، تو یہ خیال اور حدیث نفس بن جاتا ہے۔ تیسرا درجہ میل ہے، جب بندہ خیال کے مزے لینا شروع کرتا ہے تو وہ خیال نہیں رہ پاتا بلکہ اس کے ساتھ نفس کا مزہ شامل ہو کر شہوت کو تحریک دینا شروع کر دیتا ہے اور گناہ کی طرف طبیعت میں کشش محسوس ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ''میلان طبعی'' یا ''میل'' کہلاتا ہے۔ فقہ ظاہری کی رو سے یہ تینوں درجات قابل مؤاخذہ نہیں لیکن محققین صوفیاء فرماتے ہیں کہ باطن کی تباہی کا سامان حدیث نفس یعنی خیال سے شروع ہو جاتا ہے۔

چوتھا درجہ اعتقاد ہے، جب باطن میں گناہ کی جانب طبعی میلان جمنا شروع ہوتا ہے تو انسان کی عقل گناہ کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دیتی ہے اور انسان خود کو اس منصوبہ بندی کے مطابق آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے گناہ کے بارے میں اسے کرنے کا داعیہ پیدا ہونے لگتا ہے، اس درجہ کو اعتقاد کہتے ہیں۔ یہ درجہ اختیاری ہے۔

پانچواں درجہ ھم (یعنی قصد وارادہ) ہے، جب باطن میں اٹھنے والے اختیاری داعیہ سے انسان گناہ کو عمل میں لانے کی نیت اور ارادہ کر لے تو یہ ''ھم'' کہلاتا ہے۔ یہ بھی اختیاری ہوتا ہے، اس کے بعد اگر بندہ ضمیر کی ملامت کی وجہ سے یا خود کو کسی اور کام میں مشغول ومصروف کر کے گناہ سے بچ گیا تو اس کا گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ گناہ سے بچنے کی اس کوشش پر اسے اجر ملتا ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اب یہ ھم عمل کے درجے پر پہنچ گیا۔

وساس کے ذریعے شیطانی حملے

انسان فرشتوں سے مختلف بنایا گیا ہے۔ اسے کھانے پینے، بیاہ شادی، مال ودولت اور حفاظت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا اس پر طرح طرح کے خیالات اور جذبات طاری ہوتے رہیں گے اور اس کو طرح طرح کے گناہ کے وسوسے آتے رہیں گے۔ شیطان

File Adress:

وساوس کے ذریعہ سے انسان کو پریشان بلکہ گمراہ کر دیتا ہے۔ ہر انسان کے اندر نفس کا مادہ ہے جس کی بہت ساری خواہشات ہیں۔ مال، دولت، جاہ، آرام پسندی، شہوانیت وغیرہ۔ شیطان ان چیزوں کے متعلق وساوس پیدا کرتا ہے۔ شیطان کے یہ وساوس کئی قسم کے ہیں۔

۱۔ توحید کے متعلق وساوس ۲۔ تقدیر کے متعلق وساوس

۳۔ عبادت کے متعلق وساوس ۴۔ ایمان کے متعلق وساوس

۵۔ شہوانی جذبات کے متعلق وساوس

۱۔توحید کے متعلق وساوس:

مسلمان کے دل میں توحید کے متعلق شکوک وشبہات پیدا کر کے شیطان پریشان کرنے کی کوشش کرتا ہے، جیسے تمام جہان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کی ذات کیسی ہوگی وغیرہ قسم کے خیالات و وساوس۔اس کا علاج یہ ہے کہ انسان بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات میں سوچنے کے اللہ تعالیٰ کی صفات کا دھیان کرے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت جو کہ کائنات میں بکھری ہوئی ہے اس پر غور کرے۔

۲۔تقدیر کے متعلق وساوس

جیسے ہر انسان اپنی تقدیر ساتھ لاتا ہے کوئی جنتی ہے تو پیدائشی جنتی اور کوئی جہنمی ہے تو پیدائشی جہنمی۔تو پھر نیک اعمال کی کیا ضرورت؟ اگر تقدیر میں جہنم لکھا گیا ہے تو پھر میری نماز، روزے کا کیا فائدہ۔ان وساوس کا علاج یہ ہے کہ اگر کسی کو پورا علم ہو کہ میں دوزخ میں جاؤں گا تو بے شک نیک عمل نہ کرے ہمیشہ گناہ کرتا رہے کیونکہ اسے معلوم ہو گیا ہے کہ مرنے کے بعد ویسے بھی میرا ٹھکانہ جہنم ہے، لیکن جسے معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد میرا کیا

File Adress:

ہوگا جنت یا دوزخ، تو پھر اس بندہ کے ذمہ ہے کہ نیک کام کرے، تا کہ جنت والے راستے پر گامزن تو ہو۔ یاد رکھیں! جنت کا راستہ یہی نیک اعمال والا راستہ ہے۔

ایک شخص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیعت کی غرض سے حاضر ہوا۔ حضرت نے ان کے حال کا مراقبہ کیا تو آپ پر منکشف ہوا کہ یہ شخص شقی (جہنمی) ہے، حضرت نے انھیں بیعت نہیں فرمایا۔ وہ شخص ایک دوسرے بزرگ (احمد کبیر رفاعیؒ) کے پاس گئے اور ان سے بیعت ہوئے۔ کچھ عرصہ ان کے پاس رہ کر اپنی اصلاح کی، اُن بزرگ نے انھیں خلافت عطا فرمائی اور رخصت کرتے وقت فرمایا کہ حضرت شیخ (عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ) کی زیارت کرتے ہوئے جائیں۔ یہ شخص جب حضرت شیخؒ سے ملا تو حضرت نے فرمایا کہ میں اس معاملہ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ اُنہی کا کمال ہے کہ شقی کو سعید بنا دیا۔ تو تقدیر تو اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا نام ہے، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ فلاں شخص بد بخت ہے لیکن وہ فلاں فلاں عمل کرے گا تو سعید ہو جائے گا۔ لہٰذا عمل میں لگنا چاہیے، کسی کو اپنے بارے میں حتمی علم تھوڑا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دو بیٹے ایک استاد کے پاس پڑھا کرتے تھے۔ استاد ہمیشہ اُن سے کہتا کہ حضرت کی خدمت میں عرض کر دیں کہ میرے لیے دعا کیا کریں، حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ پر منکشف ہوا کہ یہ استاد شقی ہے۔ بڑا افسوس ہوا لیکن برابر ان کے لیے دعا فرماتے رہے، تقریباً ایک سال بعد ان پر دوبارہ منکشف ہوا کہ یہ سعید ہو گئے۔ تو وہ دعا بھی تقدیر ہی کا حصہ تھی کہ اس کے لیے دعا ہوگی، وہ قبول ہوگی اور اس کی شقاوت سعادت میں بدل جائے گی۔

بہر حال ہمیں اپنے انجام کا پتا نہیں، لیکن سبب اختیار کرنا ہمارے ذمہ ہے کہ ہم نیک عمل کرتے رہیں، گناہوں کو چھوڑ دیں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ بڑے قدر دان

File Adress:

ہیں، وہ ظالم نہیں کہ ہمارے اعمال کو ضائع کردیں وہ تو اپنے ہر بندہ سے ستر ماؤں کی محبت سے زیادہ محبت فرماتے ہیں، وہ کیوں چاہیں گے کہ میرا بندہ جو میری اطاعت میں لگا ہوا ہے اسے میں جہنم میں جھونک دوں۔ہم اپنے اللہ کی طرف چل کر تو دیکھیں وہ کیسے ہماری طرف دوڑ کر چلتے ہیں۔حدیث قدسی ہے:

اناعند ظن عبدی بی، و أنامعه اذا ذکرنی، فأن ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی، و ان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منهم، و ان تقرب الی بشبر تقربت الیه ذراعا۔و ان تقرب الی ذراعاتقربت الیه باعا، و ان أتانی یمشی أتیته هرولة۔(بخاری، باب قول اللہ تعالیٰ ویحذرکم اللہ نفسہ، رقم:۷۴۰۵)

ترجمہ: میں ہر بندے سے اس کی گمان کے موافق معاملہ کرتا ہوں، اگر وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔اگر وہ میرا مجمع میں ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر مجمع میں (یعنی فرشتوں کے) اس کا ذکر کرتا ہوں، اگر وہ میری طرف ایک بالشت متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اُدھر متوجہ ہوتا ہوں، اگر وہ ایک ہاتھ متوجہ ہوتا ہے تو میں دو ہاتھ اُدھر متوجہ ہوتا ہوں، اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر چلتا ہوں۔

۳۔عبادات کے متعلق وساوس

کبھی شیطان دل میں یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ میرا دل تو گناہوں سے بھرا ہوا ہے، دل میں گندے خیالات آتے ہیں، ایسے گندے دل کے ساتھ نماز پڑھنا گناہ ہے، یا یہ کہ میری نماز ریاکاری ہے، میری عبادتیں اللہ کے یہاں مقبول نہیں، اس لیے بہتر یہی ہے کہ نماز ہی نہ پڑھی جائے، روزہ ہی نہ رکھا جائے، صدقہ ہی نہ دیا جائے وغیرہ۔ یا نماز کے دوران وسوسہ ڈالتا ہے کہ تمہارا وضو ٹوٹ گیا ہے، پیشاب کے قطروں کے متعلق وسوسے پیدا کر کے انسان کو بڑی پریشانی میں ڈالتا ہے، ان تمام وساوس کا علاج یہ ہے کہ ان کی طرف دھیان

File Adress:

ہی نہ دیا جائے۔ میں تو اسی حالت میں ہی نماز پڑھوں گا، اللہ تعالیٰ قبول کرے یا نہ کرے ،میرے ذمے تو حکم پر عمل کرنا ہے۔ ان شاءاللہ اس دھیان سے تمام وسوسے ختم ہوجائیں گے۔

۴۔ایمان کے متعلق وساوس:

دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوجانا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہیں یا نہیں، مجھے دیکھ بھی رہے ہیں کہ نہیں وغیرہ۔ اِن وساوس کا علاج یہ ہے کہ باوجود ان وسوسوں کے آنے کے میں اللہ تعالیٰ کی وجود کا قائل ہوں، میں اللہ تعالیٰ کو سمیع وبصیر مانتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتا ہوں، اب چاہے یہ وساوس دن میں ایک کروڑ مرتبہ کیوں نہ آئیں اس سے ہمارے ایمان میں کوئی کمی نہیں آتی بلکہ ان شاءاللہ رفع درجات کا سبب ہیں۔ یہ وساوس آنا کوئی عیب کی بات نہیں ہے بلکہ جس آدمی کی ایمانی حالت جتنی ترقی کررہی ہوتی ہے اس کو اتنے ہی زیادہ وساوس آتے ہیں اور شیطان زیادہ مقابلہ کرتا ہے۔ اب آدمی اگر ان وساوس سے پریشان ہو تو شیطان خوش ہوتا ہے، کیونکہ اگر شیطان کچھ بھی نہ کرسکے تو اس کی آخری کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ مؤمن بندہ پریشان تو رہے۔

۵۔شہوانی جذبات کے متعلق وساوس

اسی طرح نوجوانوں کو شہوانی اور شادی بیاہ کے خیالات آتے ہیں، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تباہ وبرباد ہوگئے۔ حالانکہ جب تک آدمی گناہ کے تقاضے پر عمل نہ کرے تو اس کو گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس تقاضے کی مخالفت کا ثواب ہوتا ہے، اور اس کی ترقی ہوتی ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے کہ ’’کوئی بات جب تک تیرے نفس کے اندر ہو تو یہ عیب نہیں ہے، عیب تب بنتا ہے جب تو اس کے تقاضے پر عمل کرلے‘‘۔

File Adress:

جب تک تقاضا نفس کے اندر ہوتا ہے اور انسان اس پر عمل نہیں کرتا تو اسے نفس کی مخالفت کرنے کا ثواب مل رہا ہوتا ہے۔

مایوسی: شیطان کا مہلک وار

ایک اور راستہ شیطان کا یہ ہے کہ آدمی کو مایوس کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ تو نیک مجالس اور مساجد وغیرہ میں جانے کے قابل نہیں ہے۔ اس طرح اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ آدمی کو نیک ماحول سے کاٹ دے۔ جب آدمی مایوس ہوکر صالح ماحول کو ترک کر دیتا ہے تو شیطان کا راستہ کھل جاتا ہے۔ حالانکہ آدمی جتنا بیمار ہوتا ہے اس کو علاج کی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ ماں باپ کو بھی جو بچہ بیمار ہو اس پر زیادہ شفقت ہوتی ہے، اور اس کی زیادہ فکر ہوتی ہے، اس لیے آدمی سے اگر گناہ ہو بھی جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ اگر چہ دن میں سو بار گناہ ہو تو سو بار توبہ کرنی چاہئے، توبہ تو اس کو کہتے ہیں کہ جب آدمی توبہ کر رہا ہو تو اس وقت سچے دل سے اس کا ارادہ یہ ہو کہ آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا، گو ایک گھنٹے بعد پھر وہی گناہ ہو جائے۔ آدمی دن میں جتنی بار توبہ کرے گا اسے اتنی بار ہی ثواب ملے گا۔ ہر انسان کو چاہئے کہ توبہ تائب رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بار بار رجوع کرنے والا ہو۔ شیطان اور نفس سے یہ مقابلہ مرتے دم تک کا ہے، بس شرط یہ ہے کہ توبہ زبانی جمع خرچ نہ ہو بلکہ آئندہ گناہ نہ کرنے کے پختہ عزم کے ساتھ ہو۔

مقصود اعمال ہیں کیفیات نہیں

بعض ساتھی یہ شکایت کرتے ہیں کہ اعمال میں دل نہیں لگتا، طبیعت نہیں چاہتی اور بوجھ آتا ہے وغیرہ۔ شیطان انہیں ان وساوس میں گھیرتا ہے کہ اصل تو ان اعمال میں مزہ آنا اور کیفیت طاری ہونا ہے، وہ جب تجھے حاصل نہیں تو تیری عبادت کس کام کی۔ تو اس سلسلے میں

File Adress:

محققین کا یہ قول ہے کہ اعمال بذات خود مقصود ہیں، چاہے ان میں دل لگے یا نہ لگے، مزہ آئے یا نہ آئے۔ اعمال سے نہ تو مزہ مقصود ہے اور نہ ہی کیفیت طاری ہونا مقصود ہے، یہ تو ثانوی چیزیں ہیں۔ جو آدمی سیکھنے والا ہو تو اس کو تو تکلیف ہو رہی ہوتی ہے۔ جیسے کوئی سائیکل چلانا سیکھ رہا ہو تو سخت مشقت میں ہوتا ہے، لیکن جب آدمی سیکھ لیتا ہے تو اس کو پھر خوب مزہ آ رہا ہوتا ہے اور اس کا دل لگ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح دکان پر بیٹھنے والے آدمی کی آمدنی ہو رہی ہوتی ہے، چاہے اسے مزہ آئے یا نہ آئے۔ اصل چیز تو فائدہ ہے وہ اعمال پر بھی بصورت اجر ملتا ہے، اعمال کرنے والے کو اجر مل رہا ہوتا ہے۔

تربیت فوری نہیں تدریجی عمل ہے

اگر آدمی کا یہ خیال ہو کہ وہ ایک ہی دن میں کامل ہو جائے اور اس کو محنت وغیرہ کچھ بھی نہ کرنا پڑے تو ایسا کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتا۔ آپ چلیں گے، خطا ہو گی، توبہ کریں گے، پھر خطا ہو گی۔ جس طرح کوئی سائیکل چلانا سیکھتا ہے تو کبھی دائیں گرتا ہے تو کبھی بائیں گرتا ہے لیکن پھر اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور کام شروع کر دیتا ہے۔ جب مقررہ مشق پوری ہو جاتی ہے تو پھر نہیں گرتا۔ کبھی کبھی پھر بھی گر سکتا ہے، مثلاً سڑک پر پھسلن تھی یا کسی ایسی جگہ پھنس گیا کہ آگے سے بھی آدمی آ گیا اور دائیں بائیں سے بھی اور اتنے پریشانی کے حالات ہو گئے کہ گر پڑا۔ لیکن عام طور پر نہیں گرتا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ کامل ہونے کے بعد بھی آدمی سے خطا ہو سکتی ہے، اجتہادی خطا کا ہونا تو بہت زیادہ ممکن ہے، اور غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ایسی خطا سے اللہ تعالیٰ کا تعلق نہیں ٹوٹتا کیونکہ جوں ہی آگاہی ہو جائے تو ایسے آدمی کے فوراً توبہ کرنے کے حالات ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے اور رونے دھونے سے وہ پہلی خطا بھی معاف ہو جاتی ہے اور پہلے سے زیادہ تعلق مع اللہ ہو جاتا ہے۔

File Adress:

وساوس وجذبات کا آنا منافی کمال نہیں

اگر آدمی یہ چاہے کہ اس پر کوئی جذبات ہی طاری نہ ہوں تو یہ تو نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے انسان کے باطن میں ان جذبات کو رکھا ہے، انہی جذبات کو دبانا اور ان کے تقاضے کو روکنا تو انسان کا امتحان ہے ، اسی پر تو انسان کی اخروی کامیابی کا دارومدار ہے۔ **فالھمھا فجورھا وتقوٰھا** میں اسی طرف تو اشارہ ہے۔ یہ جذبات تو کاملین پر بھی طاری ہوتے ہیں، ہاں جو ماہرین ہوتے ہیں ان کو فاسد خیالات جلد زائل کرنے کی مشق ہوتی ہے۔ جوں ہی خیال آیا تو اسے متبادل خیال سے ٹال دیا اور طبیعت کو دوسری طرف لگا دیا، اس طرح پہلا خیال زائل ہوجاتا ہے۔لیکن اگر مشق نہ ہو تو آدمی اپنے خیال کے مزے میں چلتا رہتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ تصوف پچاس فیصد فن ہے اور پچاس فیصد اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ان فاسد خیالات کو فنی مشق کے ذریعے ہی ٹالنا ہوتا ہے اور ان کا مقابلہ کرنا ہوتا ہے۔

File Adress:

اصلاح کامل کے لیے اسباب معصیت کا ترک لازمی ہے

انسان گناہ میں اس لیے پڑتا ہے کہ گناہ کے اسباب اور ترتیب کو اختیار کرتا ہے، اس ترتیب میں اس کے خیالات محفوظ نہیں رہ پاتے ، وہ خیالات سے بڑھتا بڑھتا گناہ کے دلدل میں پہنچ جاتا ہے، آدمی معصیت کے اسباب کو اختیار کر رہا ہو جو باطن میں ہیجان اور پریشانی پیدا کریں ، اور پھر یہ بھی چاہے کہ اصلاح بھی ہوجائے تو یہ نہیں ہوسکتا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ بعض خطا اور نسیان تو اختیاری نہیں ہوتے لیکن ان کے اسباب اور مقدمات اختیاری ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی آدمی صبح کے وقت سویا رہ گیا اور نماز قضا ہوگئی تو یہ بات غیر اختیاری ہے لیکن صبح جاگنے کا سبب جو اسے اٹھنے میں مدد دیتا وہ اختیاری ہے۔ اب اگر آدمی دنیا کمانے میں اتنا تھکا کہ صبح اٹھنے کا ہی نہ رہا، یا اتنی مصروفیات

اپنے ذمے لگائی ہوئی ہوں کہ باطن میں سکون ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس سے اندر ذکر جمے تو اب اتنی زیادہ مشغولیتوں کو اپنے ذمے سے ہٹانا تا کہ باطن میں سکون پیدا ہو یہ بات آدمی کے اختیار میں ہے۔ اسی طرح خراب ماحول میں جانا، خراب دوست بنانا وغیرہ آدمی کے اختیار میں ہے۔ اگر کوئی خراب مجلس میں جائے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر نہ جائے تو کوئی کھینچ کر لے جا نہیں سکتا۔ لیکن اس کے بعد آدمی کے باطن میں اثرات نہ آئیں اور باطن میں بے سکونی اور پریشانی پیدا نہ ہو، تو یہ نہیں ہوسکتا۔ یا آدمی نے خود غلط لٹریچر پڑھا، اور غلط تصاویر کو دیکھا تو اس کے اثرات ضرور آئیں گے۔

اب ہمارے ملک میں کوئی اخبار بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم اسے گھر لا سکیں اور بالغ بچے، بچیوں کے دیکھنے کے قابل ہو۔ ان لوگوں نے عورت کو اشتہار کا ذریعہ بنایا ہوا ہے۔ جنوبی افریقہ میں بے پردگی بہت ہے تو وہاں کے دکاندار و تاجر حضرات نے پوچھا کہ ہم کیا کریں! دکان نہ چلائیں تو کھائیں کیا! اور دکان چلائیں تو نیم برہنہ عورتیں آتی ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو بہت آسان بات ہے، سودا بیچتے وقت بات کرنے کی ضرورت ہے دیکھنے کی تو ضرورت نہیں۔ تو نگاہ کو جھکائے ہوئے اس سے بات کریں، یہ بات تو آپ کے اختیار میں ہے۔ مزے اور چسکے سے تھوڑا صبر کرنا ہے۔ جب کسی آدمی کو کوئی ڈاکٹر یہ کہہ دے کہ فلاں چیز کھانے میں تمہارا نقصان ہے تو آدمی اس چیز کو باوجود چاہت کے ترک کر دیتا ہے۔ یہ تو دنیا کا ایک عارضی نقصان ہے جس کے لیے آدمی اتنا مجاہدہ کرتا ہے تو جہاں آخرت کا دائمی نقصان ہو اس کو آدمی ذہن میں لاکر نہ چھوڑے تو کتنے خسارے کی بات ہے؟

ایک NGO والوں نے اپنے ایک سیمینار میں مجھے بلایا، وہاں ہر دانشور یہ بحث کر رہا تھا کہ لوگ نشہ آور ادویات کیوں استعمال کرتے ہیں، معاشرے میں سکون نہیں ہے۔ جو پاکستانی NGO کو چلانے والے ہیں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اعداد و شمار پیش کر

File Adress:

رہے ہیں اور بیان دے رہے ہیں کہ معاشرے میں یہ، یہ قباحتیں ہیں۔ ہم تو اپنی جان اور وقت کو قربان کرنے کے لیے تیار ہیں، ہم کو پیسہ دو۔ بیچ میں ایک میں تھا اور ایک شعبہ نفسیات کی پروفیسر صاحبہ تھی جو unpaid تھے۔ وہ تھی تو عورت لیکن بہت بہادر تھی، اس نے کہا کہ یہ آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں! آپ لوگ جو پاکستان کی تصویر پیش کر رہے ہیں ایسا قطعاً نہیں ہے۔ NGO والوں نے کہا کہ جو بات تم کہہ رہی ہو اس کا ثبوت پیش کرو اور اعداد و شمار پیش کرو۔ واقعی تحقیقی جگہ پر بات ثبوت سے کہی ہوتی ہے۔ اس سوال پر انھوں نے پروفیسر صاحبہ کو لاجواب کر دیا۔ خیر جب میری باری آئی تو میں نے ان سے کہا کہ میں ہر ہفتے کوئی ڈیڑھ ہزار آدمیوں سے ملتا ہوں (جمعہ کا اجتماع، مجالس ذکر، کالج کی کلاسیں، کالج اور گھر میں ملنے کے آنے والے حضرات وغیرہ) میرے پاس تو ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں آتا جس کو یہ مسائل درپیش ہوں جن کو آپ لوگ کہہ رہے ہیں۔ تو جو انگریز عورت پوری تنظیم کی سربراہ تھی اس نے کہا کہ "may be your religeous society is not having these short comings" یعنی ''ہوسکتا ہے کہ تمہارا جو مذہبی طبقہ ہے اس میں یہ قباحتیں نہ ہوں''، خیر وہاں کچھ چالیس سال سے اوپر کے سنجیدہ پاکستانی مرد جو تھے ان سے میں نے کہا کہ بھائی معاشرے میں بے اطمینانی اور ہیجان کیسے پیدا نہیں ہوگا! جبکہ ٹیلی وژن گندگی کو پھیلا رہا ہے، اخبار میں تصاویر ہیں، اور جگہ جگہ فحاشی پھیلانے کے لیے ویڈیو کی دکانیں کھلی ہیں۔ اگر تم واقعی انسانیت کے ہمدرد ہو تو ان قباحتوں کو روکنے کی کوشش کرو تا کہ یہ قباحتیں درمیان میں سے ہٹیں اور سکون پیدا ہو، اور یہ لوگ جو منشیات کے عادی ہوتے ہیں اور ڈاکے ڈالتے ہیں یہ بات ختم ہو۔ تو ایک جو سنجیدہ آدمی بیچ میں تھا اس نے کہا کہ اگر آپ نے یہ باتیں ان سے کہیں تو یہ کہیں گے کہ یہ قدامت پسند (conservative) آدمی ہے۔ اسباب گناہ ان کے اپنے پھیلائے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ معاشرہ کی اصلاح ہو

File Adress:

جائے ،بغیر ان اسباب کے ختم کیے اصلاح کیسے ہوسکتی ہے۔امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر نہ ہو تو امر بالمعروف کے اثرات بھی پوری طرح ظاہر نہیں ہوتے اور اس کی کامل افادیت سامنے نہیں آتی۔

ایک بار جنوبی افریقہ میں ایڈز پر کانفرنس ہوئی۔ایڈز وہ بیماری ہے جو یورپ، امریکہ میں بدکاری کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔اب ہر ایک نے اپنی رائے پیش کی۔آخر میں ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے جو سلسلے میں بیعت بھی ہیں نے کہا کہ اس مسئلے کا تو بڑا آسان حل ہے۔کیا آپ کی کتاب انجیل میں نہیں لکھا ہوا کہ شادی سے پہلے جنسی حرکتیں کرنا گناہ ہے؟ وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا، نہ ہاں نہ ناں۔تو مسائل کا جہاں حل ہے اس کو یہ لینا نہیں چاہتے۔یہ تو وہی بات ہوئی کہ آگ بھی جلاتے جاؤ اور پانی بھی ڈالتے جاؤ۔تو ان اسباب کو ہم خود اختیار کرتے ہیں اور پھر ان کے نتیجے میں جو گندگی آتی ہے اس سے جان نہیں چھڑا سکتے۔

ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ پشاور میں جذبات درست تھے، یہاں کراچی میں آکر جذبات بدل گئے۔تو میں نے ان سے کہا کہ شادی شدہ اور بڑی عمر کے جو لوگ ہیں جن کے جذبات ٹھنڈے ہوں ان کے پاس بیٹھا کرو۔جب آپ ایسے لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں جن پر فاسد جذبات طاری ہیں تو آپ پر بھی طاری ہو جاتے ہیں۔انسانوں کی مثال دو بیٹریوں کی طرح ہے۔جس بیٹری میں کرنٹ زیادہ ہوتا ہے اس سے چھوٹی بیٹری کی طرف بہنا شروع ہو جاتا ہے۔جس بیٹری میں زیادہ voltage ہے اس کی زیادہ بجلی ہے، اور کم بجلی والی بیٹری اس کے تعلق میں آ گئی تو کرنٹ اس میں چلا جائے گا۔اب آدمی اس کو روک ہی نہیں سکتا اور شخصیت تباہ ہو جاتی ہے۔

بڑے قابل طلباء کو میں نے یہاں اس گندگی کے ہاتھوں تباہ ہوتے اور خودکشی کے قریب

File Adress:

تک پہنچتے دیکھا ہے۔ ہمارے ہاں ایک دفعہ ایک ڈاکٹر صاحب آیا تھا، وہ اپنے نام کے ساتھ لکھا کرتا تھا کہ فلاں ایم۔بی۔بی۔ایس، ایکس۔جی۔پی لندن۔لوگ سوچتے ہوں گے کہ یہ ایکس جی۔پی لندن بھی کوئی ڈگری ہے۔ پتا چلا کہ اس کا مطلب ہے سابقہ جنرل پریکٹیشنر لندن۔ میں نے کہا کہ اس نے وہاں بیس پچیس تو سال گزارے ہیں پر ایکس جی۔پی کیسے ہو گیا! معلوم ہوا کہ وہاں انگریز عورتوں کے ہاتھ چڑھا ہوا تھا، وہ اسے کھا رہی تھیں اور سارا خون اس کا چوس لیا، تو وہاں وہ کیا سیکھتا۔لہٰذا بغیر ڈگری کے واپس ہونا پڑا۔

ہمارا ایک کلاس فیلو تھا اس نے اپنے انگلینڈ کے حالات سنائے۔ بہت گندگی کے حالات تھے۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ عمر بہت تھوڑی ہے، بدن میں خون چل رہا ہے اور تجھے ان قباحتوں کا مزہ آ رہا ہے۔ جب بڑھاپا طاری ہوگا اور کسی کام کے نہ رہو گے تو کوئی پوچھنے والا نہیں ہوگا۔ اس لیے کچھ خون باقی بچا کر پاکستان آ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ قوت تجھے گھر آباد کرنے کے لیے دی ہے، کہ تیرے بڑھاپے کا سہارا بنے اور اور تیرے گردو پیش حفاظت کا ماحول بنے۔ تو وہ آدمی میری بات کو بڑے غور سے سن رہا تھا کہ یہ آدمی تو فائدے کی اور حق بات کہہ رہا ہے...... اس کو اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق عطا فرمائی اور ہنستا بستا گھر نصیب ہوا۔

اثراتِ معصیت سے بچاؤ کی تدبیر

تو یہ اثرات زور سے نہیں آتے بلکہ ہم خود ان کے اسباب کو اختیار کرتے ہیں۔ ان اثرات سے بچنے کے لیے ذکر کا اہتمام ضروری ہے۔ اگر ذکر صرف آدمی کی زبان پر ہی ہو اور دل میں بالکل دھیان نہ ہو تو یہ ذکر بھی آدمی کے جذبات کو درست رکھنے کے لیے کافی مددگار ہوتا ہے۔ سبحان اللہ ہمارے پاس دعا ہے، ذکر ہے، صلوٰۃ الحاجت ہے، تلاوت ہے، اللہ کے پیارے نام ہیں، آیت الکرسی ہے اتنی بڑی دولتیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں۔ ان کو اثرات معصیت سے بچاؤ کے لیے ڈھال بنائیں۔

File Adress:

اورادووظائف محض نفسیاتی حربہ نہیں

ایک بار پروفیسر عالمگیر صاحب گاؤں گیا تو آیت الکرسی پڑھ کر سارے گھر کا حصار بنا گیا۔ گاؤں سے واپس آیا تو گھر کا تالا ٹوٹا ہوا تھا اور دروازہ کھلا تھا، لیکن ایک تنکا بھی کوئی نہیں لے جاسکا۔ اب ڈاکٹر حضرات یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ وظیفہ تو ایک نفسیاتی حربہ ہے جو مریض کی توجہ کو دوسری طرف مصروف کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ذکر کی جو برکت اور رحمت ہے جس کی وجہ سے بگڑا کام بنا، اس کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا۔ عقیدے کے لحاظ سے یہ بہت ہی گھٹیا سوچ ہے۔ آدمی کو یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ کا نام لینے سے رحمت نازل ہوتی ہے اور اس کی برکت سے کام بنتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صحابہ کرام آتے اور تنگ دستی کی شکایت کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعا پڑھنے کو فرماتے تو اللہ تعالیٰ انہیں فراخی عطا کردیتے۔

اسی طرح ایک صحابی کفار کی قید میں آگئے، ان کو کفار نے باندھ رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پیغام بھیجا کہ ''لقد جاء کم رسول۔۔۔ الخ'' پڑھیں۔ وہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ ایک دن تسمے خود ہی کھل گئے، اور قید سے چھوٹ کر آ گئے۔

لہٰذا محترم بھائیو اور دوستو نفس کو اعمال میں لگا کر پابند کرنا ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ گھوڑے کو کھینچنا پڑتا ہے، اس کی باگوں کو اور لگاموں کو۔ جو تربیت دینے والا ہوتا ہے پانچ ہزار کا ٹٹو خریدتا ہے، چھ مہینے اس کی تربیت کرتا ہے اور پھر اسے پچاس ہزار میں فروخت کرتا ہے۔ اسی طرح نفس کو بھی سدھایا (Train) جاتا ہے، اگر سدھایا جائے تو سدھ جاتا ہے۔ اب کوئی سدھانے کی کوشش تو کرے، طریقہ تو معلوم کرے۔ بے راہ روی اور معصیت کی جو زندگی ہوتی ہے وہ آخرت کو تو تباہ کرتی ہی ہے دنیا بھی برباد کردیتی ہے۔ نفس تو بس یہ کہتا ہے کہ میرا وقتی مزہ پورا کرو، اس کے بعد تم مرتے ہو یا تباہ ہوتے ہو اس کی نفس کو کوئی پروا نہیں۔

File Adress:

اب کل ہی میرے پاس ایک ڈاکٹر صاحب آیا اور کہنے لگا کہ لوگ شراب پیتے ہیں، گندگیاں کرتے ہیں اور ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور ہم کچھ بھی نہیں کرتے، نمازیں بھی پڑھتے ہیں پھر بھی ہمارا کام نہیں ہوتا۔ اب میں نے سوچا کہ میں اس کو کیسے سمجھاؤں کہ تو ایک لڑکی کے پیچھے پڑا ہوا ہے اس نے ایسی بے برکتی پیدا کی ہے کہ جہاں بھی تو جاتا ہے تمہارا کام نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ تجھ میں ناشکری ہے، اعتراض ہے۔ ناشکری اور حق تعالیٰ شانہٗ پر اعتراض سے تو آدمی شرابی کبابی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے جو ظاہری معصیت میں پڑا ہے۔ حضرت مولانا زکریاؒ نے معصیت کی دو قسمیں لکھی ہیں: معصیت شہوانی اور معصیت عقلی۔ بدکاری وغیرہ یہ معصیت شہوانی ہیں اور یہ کم گناہ ہیں بمقابلہ معصیت عقلی کے۔ کبر عقلی گناہ ہے، ناشکری عقلی گناہ ہے، اللہ و رسول پر اعتراض عقلی گناہ ہے۔ اب تجھے میں کیا سمجھاؤں کہ جس کے اندر ناشکری اور اعتراض ہوتا ہے اس کی زندگی ڈانواں ڈول رہتی ہے۔

تو محترم بھائیو اور دوستو اپنی صحبت کو درست کرنا ہوگا، اور صحبت صرف بیٹھنا اٹھنا ہی نہیں ہے، بلکہ تو جس چیز کو دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، جس کو بول رہا ہے، تیرے پاس کونسی کتاب ہے یہ ساری چیزیں مل کر صحبت بنتی ہیں۔ یہاں تک کہ کاملین میں بھی اگر نورانیت کامکمل خاتمہ نہ ہو تو کمی ضرور آتی ہے۔ غلط مجلس میں جانے سے باطن میں ضعف ضرور آتا ہے۔ یہ ہسپتال والے ڈاکٹر حضرات جب مجھے رمضان میں بلاتے ہیں تو میں اپنے ساتھ دس بارہ آدمیوں کو ساتھ لے کر جاتا ہوں، تاکہ ہمارے ذاکرین پاس بیٹھے ہوں اور ہمیں قوت محسوس ہو، اور معصیت کے اثرات نہ آئیں۔ ورنہ آدمی میں اثرات آتے ہیں۔ تو ان شاء اللہ تعالیٰ ذکر اذکار سے قوت پیدا ہوگی اور اعمال صالحہ سے قوت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق سے نوازیں۔ آمین

File Adress:

فرمایا: مغرب نے مسائل کا حل جنسی آزادی میں سمجھا چنانچہ انہوں نے معاشرے کو آزاد کر دیا اور سکولوں میں جنسی تربیت شروع کروادی اور معاشرہ کو ایسی بے راہ روی کا شکار کر دیا کہ الامان والحفیظ۔ چنانچہ تعلیم وتربیت کے بے پناہ وسائل کے باوجود آج ان ملکوں کو باہر کی دنیا سے ڈاکٹر، انجینئر اور مختلف شعبوں میں تربیت یافتہ (Qualified) لوگوں کو نقل مکانی (Immigration) کے ذریعہ اپنے ملکوں میں لانا پڑتا ہے کیونکہ اپنی ضرورت کے مطابق یہ لوگ مقامی تربیت یافتہ افراد مہیا نہیں کر سکتے۔ ان کے لڑکے لڑکیاں جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر بامقصد تربیت سے فارغ ہو چکے ہیں اور ملکی ضروریات پورا کرنے کے لیے رجالِ کار (Qualified Persons) کی کمی ہے۔ جبکہ ہمارے پاس بے روزگار ڈاکٹروں اور انجینئروں کی پوری کھیپ موجود ہے۔ بندہ کے ایک شاگرد ڈاکٹر صاحب انگلینڈ سے آئے اور بتایا کہ سال (۲۰۰۳ء) میں برطانیہ نے نرسیں فلپائن سے منگوائی ہیں کیونکہ ان کے اپنے شہریوں میں تربیت یافتہ نرسوں کا فقدان تھا۔ وجہ وہی ہے کہ ان کے نوجوان تربیت کے وقت کو جنسی بے راہ روی کے لطف میں ضائع کر کے اپنے اور اپنے ملک کے لئے تباہکاریوں کا ذریعہ بن رہے ہیں۔

از: ڈاکٹر فدا محمد صاحب مدظلہم

File Adress:

آداب معاشرت

File Adress:

اصل میں جو آداب معاشرت ہیں وہی انسانی حقوق ہیں بلکہ اسلام میں جو دوسرے کا حق ہے وہ آپ کا فرض ہے، اس لیے یہاں حقوق حقوق کی چیخ وپکار کی بجائے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے، جب آپ کا فرض پورا ہوگا تو لازماً دوسرے کا حق ادا ہوگا۔ لیکن NGOs کے خبیثوں نے ان چیزوں کو انسانی حق قرار دیا ہے کہ عورتوں کو فحاشی اور بدکاری کی اجازت دینا انسانی حق ہے، یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری عام ہوجائے۔ یہ لوگ جن چیزوں کو انسانی حقوق (Human rights) کہتے ہیں تو یہ ان کی خباثت ہے اور ایک سازش ہے جو یہ دنیائے اسلام میں فحاشی و بدکاری عام کرنے کے لیے چلا رہے ہیں۔

File Adress:

معاشرت دین کے بنیادی پانچ شعبوں میں سے ہے، ''معاشرت'' کا مطلب انفرادی اور سماجی سطح پر دین نے جو حقوق و فرائض لازم کیے ہیں ان کی ادائیگی ہے۔ سالک کے لیے اپنی معاشرت کی اصلاح بھی از حد ضروری ہوتی ہے، اس کے بغیر وہ کبھی تربیت یافتہ انسان نہیں کہلا سکتا۔ اس پر ہمارے علماء نے کافی کتابیں لکھی ہیں، احادیث کی کتابوں میں معاشرت کے تمام شعبوں پر مشتمل کئی کئی ابواب ہیں جن میں والدین، بیوی بچوں، شوہر اہل خاندان، رشتہ داروں، مہمانوں، پڑوسیوں، ماتحتوں، افسروں، مسلمانوں، اساتذہ، شاگردوں، علماء کرام، اولیاء عظام، مساجد، مجالس ملاقات، حتیٰ کہ جانوروں تک کے حقوق بیان کیے گئے ہیں اور اس میں تربیت کا ایسا سامان ہے کہ اگر اسے برتا جائے تو زمین جنت بن جائے اور کسی کو کسی دوسرے سے اذیت پہنچنے کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔

معاشرتی آداب کا حصول جزء تربیت ہے

بعض اوقات انسان مجاہدات و ریاضات کی کثرت کی وجہ سے کیفیات بھی حاصل کر لیتا ہے لیکن کسی تربیت یافتہ شخصیت سے استفادہ نہ کر سکنے کی وجہ اس کی معاشرتی آداب کی اصلاح ناقص رہ جاتی ہے۔ ایک دفعہ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے پاس ایک آدمی آئے، جو ساتھی ان کو لے کر آئے تھے انھوں نے کہا کہ موصوف بڑے کشف والے ہیں اور ان کو انوارات نظر آتے ہیں، لیکن جب وہ مجلس میں آ کر بیٹھے تو جو بھی بات کرے، یہ اس کی بات کاٹیں۔ حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ ''خودرو'' ہیں، تربیت

File Adress:

یافتہ نہیں ہیں۔ کثرت ذکر سے کشف تو شروع ہو گیا ہے اور انوارات بھی نظر آنے لگے ہیں لیکن جو کامل تربیت یافتہ شخصیت ہوتی ہے وہ نہیں ہے کیونکہ مجلس میں بیٹھ کر بات کرنے کا طریقہ نہیں آتا اور دوسروں کی بات کاٹتے ہیں۔

اسی طرح جب کوئی بات کر رہا تو تو اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیے، ایسے وقت میں ادھر ادھر دھیان رکھنا، یا باہم باتیں کرنا آداب میں بڑی کوتاہی ہے۔ میں کالج میں جس ڈیپارٹمنٹ کو چلا رہا ہوں وہاں بیس پچیس ڈاکٹر ہوتے ہیں، میرا تجربہ ہے کہ جب میں بات کروں تو بعض ایسے آدمی ہوتے ہیں جو دوسری طرف متوجہ ہوتے ہیں یا آپس میں بحث شروع کر دیتے ہیں یا بات کاٹتے ہیں تو ایسے آدمی کی ترقی نہیں ہوتی۔

آداب کی رعایت چاپلوسی نہیں

بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ اگر ہم اپنے افسروں کا ادب کریں گے اور ان کی رعایت رکھیں گے تو اسے ہماری چاپلوسی سمجھا جائے گا، اور یہ خوشامد کے زمرے میں آئے گا جو کہ ممنوع ہے۔ ہمارے ایک پولیس کے افسر تھے، انھوں نے چار مہینے لگا لیے تو کہنے لگے کہ ''ماشاء اللہ پورا یقین حاصل ہو گیا ہے، میں ان سینئر افسروں کی کوئی پروا نہیں کرتا، یہ میرا کیا بگاڑ سکتے ہیں، ان کے ہاتھ میں کیا ہے؟'' تو میں نے ان سے کہا کہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ یہ سوچنا ہوتا ہے کہ یہ سینئر افسر ہیں ان کی بات سننا، ان کا احترام کرنا اور محکمانہ امور میں ان کے احکام ماننا ان کا شرعی حق ہے وہ تو میں ادا کروں گا، لیکن یہ میرا کچھ بنا نہیں سکتے، نفع نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ چاپلوسی تو تب ہوتی جب کوئی دنیا کا مفاد حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے تواضع اور آؤ بھگت کا رویہ اختیار کرے۔ جو خوشامد دینی مفاد کے لیے ہو جیسے استاد یا شیخ کی خوشامد کرنا وہ بھی ممنوع نہیں۔ بلکہ ہمارے بزرگ تو لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے خوشامد کرتے

File Adress:

تھے۔حضرت مولانا الیاسؒ ان پڑھ جاہل لوگوں کی منتیں کرتے ،ان سے عاجزی سے ملتے ،ان کے پاؤں کو ہاتھ لگاتے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ علم کا وقار گرا رہے ہیں تو مولانا الیاسؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے میں یہ دنیا کے مفاد کے لیے نہیں کر رہا، بلکہ ان لوگوں کا دین درست کرنے کے لیے کر رہا ہوں۔

ملاقات میں مخاطب کی رعایت ضروری ہے

کسی کے پاس ملاقات کے لیے جائیں تو یہ ضروری ہے کہ اس کی راحت وآرام کا خیال رکھیں اسی طرح یہ بھی سوچیں کہ آپ کی وجہ سے اس کے ضروری کاموں کا حرج نہ ہو،اسے اپنی آمد کی اطلاع پہلے سے دیں تو بہت بہتر ہے تا کہ وہ حسب ضرورت انتظام کر سکے یا اپنے کو ذہناً ملاقات کے لیے تیار رکھے،بغیر اطلاع کے کھانے کے وقت پہنچنا یا رات کے لیے اطلاع دیئے بغیر وارد ہو جانا بے تربیتی کی علامت ہے،اب وہ بے چارہ ناوقت کھانے اور رہائش کے انتظام میں لگے گا تو اسے کتنی کوفت ہوگی۔ ہمارے صوابی کے ایک بوڑھے آدمی ہیں جو مختلف کاموں کے لیے پشاور آتے رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی سمجھ دی ہے کہ جب میری کلاس نہیں ہوتی اور میں فارغ ہوتا ہوں اس وقت آتے ہیں،شاید کہیں بیٹھے رہتے ہیں۔جتنی دیر میں چائے کی پیالی پیتے ہیں اتنی دیر میں ساری بات بھی بتا دیتے ہیں۔ میں ان کے کاموں کے لیے کسی کو مقرر کر دیتا ہوں۔اگر ظہر کے وقت آنا ہو تو ظہر کی نماز میں موجود ہوتے ہیں،ہمارے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور اس دوران ساری بات بھی بتا دیتے ہیں۔ میں ان کا کچھ نہ کچھ بندوبست کر دیتا ہوں۔ جب وہ گھر پر جاتے ہیں تو بڑی تعریف کرتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں۔انہی بزرگوں کا ایک بیٹا ہے جو مالدار ہے،وہ ایک دفعہ آیا،شاید اس نے سوچا کہ میں ڈاکٹر صاحب پر کھانے کا بوجھ نہیں ڈالتا اس لیے ظہر کی نماز سے پہلے نہیں آیا۔ جب میں ظہر کی نماز پڑھ کر کھانا کھا کر لیٹا اور

File Adress:

جوں ہی نیند آئی تو گھنٹی بج گئی۔ اب میں معدے کا مریض، اور یہ آرام کا وقت، اگر نیند آتے ہوئے کوئی جگا دے تو سارا دن تکلیف میں گزرتا ہے۔ اب اس شخص نے مجھے مالی بوجھ سے تو بچا لیا لیکن ذہنی کوفت دی۔ اب اس وقت صحیح طرح بات بھی نہیں ہو سکتی تھی، لہٰذا یہ ہوشیار آدمی جب گھر گیا تو کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بڑا خشک آدمی ہے۔

ہمارے ایک ماسٹر صاحب ہیں جنھیں تعویذ گنڈوں اور دَم کا بہت شوق ہے۔ ماسٹر صاحب کو مجھ سے پتہ چلا کہ ایک افسر کے پاس عرق النساء (Sciatica) کے دَم کی اجازت ہے۔ وہ اس افسر کے پاس دم کی اجازت لینے چلے گئے اور ایسے وقت میں گئے کہ جب افسر صاحب ڈیوٹی سے تھکے ہوئے آئے تھے اور جونہی کھانا کھا کر آرام کے لیے لیٹے تو اس نے گھنٹی بجا دی۔ افسر صاحب نے اس کی ڈانٹ ڈپٹ کی۔ جب وہ میرے پاس آئے تو کہنے لگے کہ وہ تو بڑا بدمزاج آدمی ہے۔ مجھے ماسٹر صاحب کی عادت کا اندازہ تھا اس لیے میں نے پوچھا کہ دن کو دو بجے یا تین بجے گئے تھے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ یہ تو اچھا ہوا کہ اس نے تمہاری پٹائی نہیں کی کیونکہ دن بھر کام کرنے کے بعد یہ اس کے آرام کا وقت تھا۔

بعد میں اس ماسٹر صاحب نے بتایا کہ فلاں بزرگ نے خلافت دے دی ہے۔ میں نے کہا کہ بزرگ بھی مزے کرے اور تم بھی مزے کرو۔ صرف چھ لطائف کے چلنے پر خلافت دے دی اور باقی تربیت کا کوئی خیال ہی نہیں کیا۔ اب یہ آدمی جہاں بھی اٹھے بیٹھے گا تو لوگ کہیں گے کہ یہ ہیں جی خلیفہ صاحب! ماشاءاللہ کہ اٹھنے بیٹھنے کا فہم ہی نہیں ہے۔

رعایتِ آداب سے راستے کھلتے ہیں

میں نے ایک دو امتحان لیے تو میرے کچھ تبلیغی ساتھی ہیں جو پورے باشرع اور نماز و نوافل کے پابند ہیں جب کہ ایک بیچ میں داڑھی منڈا آدمی ہے جو میری مجلس ذکر میں آتا

File Adress:

رہتا ہے یہ ان سے آگے نکل جاتا ہے۔ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ یہ اس کا اپنا آدمی ہے اس لیے اس کو آگے نکالتا ہے، حالانکہ ہم نے فیصلہ تو حق کا کرنا ہوتا ہے، جس کا جو حق ہوتا ہے اس میں تو گڑ بڑ نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے۔ اب اس آدمی کے آداب معاشرت ٹھیک ہیں، یہ اپنے سینئر اور اساتذہ کی آنکھ دیکھ کر چلتا ہے، اس کے مطابق اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، بات کرنا سننا وغیرہ سارے آداب کی رعایت کرتا ہے تو یہ قدرتی طور سے آگے نکل جاتا ہے۔ بات یہ نہیں ہے کہ آداب معاشرت کی وجہ سے ہمارا دل اس کے لیے نرم ہو جاتا ہے بلکہ ایسے آدمی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مدد ہوتی ہے۔

کئی آدمیوں کے دنیا کے کام اس لیے رکے ہوئے ہوتے ہیں کہ وہ آداب معاشرت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ میں نے اپنے ایک بھتیجے سے کپڑے کی دکان کھلوائی تو اس نے پیغام بھیجا کہ دکان نہیں چلتی۔ میں نے پوچھا کہ کیوں نہیں چلتی؟ تو اس نے کہا کہ مجھ سے لوگوں کی خوشامدیں نہیں ہوتیں، دوسرے دکاندار آنے والوں کو سلام کرتے ہیں، ان کو بٹھاتے ہیں اور چائے وغیرہ کا پوچھتے ہیں۔ ہم سے ایسی خوشامدیں نہیں ہوتیں۔ تو میں نے اس سے کہا کہ اللہ کے بندے! جو آدمی تیرے پاس آ رہا ہے وہ تو تمہارا مسلمان بھائی ہے، اس کا اعزاز کرنا اور اسے چائے پانی پوچھنا تو اس کا اسلامی حق ہے۔ اگر تیری روزی اس کی جیب سے ہوئی تو اللہ تعالیٰ تجھے دلا دے گا ورنہ ثواب تو کہیں نہیں گیا۔ ہم لوگوں کے بارے میں دل میں بدگمانی کا رویہ لے کر چل رہے ہوتے ہیں اور از روئے حدیث مؤمن تو مؤمن کا آئینہ ہے، تو ہماری بدگمانی کا اثر سامنے والے آدمی کے دل پر آ جاتا ہے اور اس کا دل بھی ہمارے لیے سخت ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المؤمن مرآة المؤمن و المؤمن أخو المؤمن يكف عنه ضيعته ويحوطه من

File Adress:

ورائه (رواہ ابوداؤد: ۴۹۱۸)

''مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے، اور مؤمن دوسرے مؤمن کا بھائی ہے، اس سے اس کی تکالیف روکتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی حفاظت کرتا ہے۔''

اس حدیث کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ مؤمن دوسرے مؤمن کے لیے آئینہ ہے یعنی اسے اس کے محاسن و عیوب پر مطلع کرنے کا آلہ ہے۔ کہ اسے نرمی اور خیر خواہی کے ساتھ تنہائی میں مطلع کرے۔ جبکہ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنے عیوب خودنہیں دیکھ پاتا دوسرا مؤمن اس کے لیے آئینہ ہوتا ہے کہ وہ اسے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے، لہٰذا عیب بتانے والے کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ اور مواجید کے درجہ میں ایک مفہوم اشارۃً اور بھی نکل سکتا ہے جسے عرض کر دیا۔

بہر حال دین نے ہم کو جو آداب معاشرت سکھائے ہیں ان کو برتنے سے اللہ کی رضا اور آخرت کا نفع تو حاصل ہوگا ہی لیکن ساتھ ساتھ دنیا بھی سکھ والی ہوجائے گی۔ میں نے لاہور میں ایک کورس میں داخلہ لیا تو وہاں ٹریننگ دینے والی پروفیسر ایک شیعہ عورت تھی، بال کٹے ہوئے اور بے پردہ۔ پہلے تو اس نے میرے کاغذات وغیرہ دیکھ کر داخلہ دینے سے ہی انکار کر دیا۔ آخر کافی دعاؤں کے بعد داخلہ ہوا تو میں نے دل میں یہ سوچ لیا کہ ہماری استاد ہے اور استاد کا حق ہوتا ہے۔ گو کہ یہ دنیاوی علم ہے لیکن ہمارے لیے ذریعہ معاش ہے اس لیے اگر براہ راست عبادت نہ ہو بواسطہ عبادت ہے۔ اعمال کا دارومدار تو نیت پر ہے۔ آدمی اس میں بھی جہاد کی نیت کر سکتا ہے۔ کسان اس نیت سے غلہ کاشت کرے کہ اگر غلہ نہ ہوگا تو مجاہد کیا لڑیں گے۔ درزی اس نیت سے کپڑے سیئے کہ مجاہدین اور عام مسلمانوں کی ضروریات پوری ہوں تو یہ بھی ایک طرح کی جہاد کی نیت ہے۔ خیر اب وہ پروفیسر صاحبہ یہ سوچے کہ یہ داڑھی والا مولوی صاحب کہاں سے آ گیا ہے۔ کچھ دن تک اس نے میرا رویہ

File Adress:

دیکھا تو اس کی سوچ میرے بارے میں بالکل بدل گئی۔ اتنا لحاظ کرنے لگ گئی کہ ایک دن مجھے کلاس میں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ اس نے پوچھا کہ دیر کیوں ہوئی تو میں نے کہا کہ ذرا انارکلی بازار گیا تھا بیوی کے لیے کچھ کپڑے خریدنے تھے۔ تو اس نے کہا کہ آپ نے مجھے بتایا ہوتا تو میں آپ کے لیے خریداری کرتی۔ پھر اس نے کہا کہ میں پانچ وقت کی نمازیں پڑھتی ہوں اور اب تفسیر بھی پڑھنا شروع کی ہے۔ تو ہم نے اس کو آخرت اور قبر حشر کی کوئی بات نہیں کہی تھی لیکن رویہ درست رکھا تھا۔ جبکہ ہمارا ایک تبلیغی ساتھی تھا جس نے شروع سے ہی اس پروفیسر کے ساتھ چپقلش کا رویہ رکھا اور آخر دو سال بعد فیل ہوکر آ گیا۔ عام طور پر اس تبلیغی ساتھی کا یہ رویہ ہوتا تھا کہ فلاں عیسائی ہے، فلاں شیعہ ہے، فلاں کا مسلک ایسا ہے، وغیرہ۔ اب بات یہ ہے کہ ایک آدمی پاکستان کا شہری ہے۔ میرا تعلق اس کے ساتھ صرف کام تک کا ہے۔ اگر وہ کام ٹھیک کرے تو کافی ہے، اس کے عقیدے یا اس کی ذاتی زندگی کے ساتھ تو میرا کوئی تعلق نہیں ہے وہ جانے اور اس کی قبر حشر جانے۔

ہمارے بعض ساتھی ہم سے بڑے اچھے طریقے سے ملتے ہیں، ہاتھ چومتے ہیں اور عاجزی کرتے ہیں کہ دیکھنے والے یوں سمجھتے ہیں کہ بڑے متواضع ہیں لیکن اگر باہر کی زندگی میں دیکھیں تو ہر جگہ ناکام، ہر جگہ لڑائی جھگڑا۔ ساتھیوں کو بڑی حیرت ہوتی ہے کہ بڑا اچھا ساتھی ہے، کتنی خدمت کرتا ہے اور کتنی محبت کرتا ہے تو میں ساتھیوں سے کہا کرتا ہوں کہ مجھ سے تو کر رہا ہے لیکن باہر نہیں کرتا۔ ایک عالم نے حضرت تھانویؒ کو خط لکھا کہ فلاں جگہ ہم سے آپ کے حق ادا کرنے میں کوتاہی ہوگئی، حالانکہ آپ میرے شیخ و مربی ہیں، آپ معاف فرما دیجئے۔ حضرت تھانویؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ ہمارے سلسلے کو نہیں سمجھے۔ ہمارا طریقہ تو یہ ہے کہ ہر مسلمان کا اپنے ذمے ایسا حق سمجھیں جیسا کہ میرا سمجھتے ہیں۔ ہماری تو یہ چاہت ہے کہ ہمارے ساتھی جہاں بھی ہوں وہاں لوگوں کو ان سے سکھ پہنچے۔

File Adress:

جیسا کہ حضرت تھانویؒ اپنی خانقاہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ

بهشت آن جاکه آزارے نه باشد

"جنت وہ جگہ ہے جہاں آزار نہ ہو"

حضرت تھانویؒ کی باتوں میں تجدیدآداب معاشرت کا کارنامہ بہت خاص ہے، انھوں نے ایسی معاشرت سکھائی اور برتی کہ بڑے بڑے نوابوں اور بادشاہوں کے درباروں میں بھی نہ ہوتی ہوگی۔ اس لیے جب بڑے بڑے رؤسا کی مجالس میں حضرت تھانویؒ کے لوگ جاتے ہیں تو لوگ ان سے دبتے ہیں اور وہ کبھی فیل ہوکر نہیں نکلتے کیونکہ ان کی آداب معاشرت کی ایسی تربیت ہے۔

آداب معاشرت اور انسانی حقوق کا مغربی نعرہ

اصل میں جو آداب معاشرت ہیں وہی انسانی حقوق ہیں بلکہ اسلام میں جو دوسرے کا حق ہے وہ آپ کا فرض ہے، اس لیے یہاں حقوق حقوق کی چیخ و پکار کی بجائے فرائض کی ادائیگی پر زور دیا جاتا ہے، جب آپ کا فرض پورا ہوگا تو لازماً دوسرے کا حق ادا ہوگا۔ لیکن NGOs کے خبیثوں نے ان چیزوں کو انسانی حق قرار دیا ہے کہ عورتوں کو فحاشی اور بدکاری کی اجازت دینا انسانی حق ہے، یہ چاہتے ہیں کہ بدکاری عام ہو جائے۔ یہ لوگ جن چیزوں کو انسانی حقوق (Human rights) کہتے ہیں تو یہ ان کی خباثت ہے اور ایک سازش ہے جو یہ دنیائے اسلام میں فحاشی و بدکاری عام کرنے کے لیے چلا رہے ہیں۔ یہاں ایک NGO نے لڑکیوں کے سکول میں ایک پروفارمہ بھیجا جس میں معصوم بچیوں سے یہ پوچھا گیا تھا کہ تمہارے کتنے لڑکوں کے ساتھ تعلقات ہیں اور کس حد تک ہیں، صرف چھونے کی حد تک ہیں یا چومنے تک وغیرہ۔ میں نے اس کے خلاف کافی ہنگامہ کیا۔ وہ جو عالمی سطح کی عیسائی عورت تھی مدر ٹریسا، اس نے مرتے وقت کہا تھا کہ آئندہ پچاس برسوں میں بنگلہ دیش ایک

File Adress:

عیسائی ملک ہوگا۔

آداب معاشرت حکم شرعی ہے قانونی جبر نہیں

آداب معاشرت پر احادیث مبارکہ میں ڈھیروں انعامات کے وعدے سنائے گئے ہیں اور ان میں کوتاہی پر وعیدیں اور سزائیں بیان کی گئی ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو یہ شعور دیا جا رہا ہے کہ آداب معاشرت دین کا بنیادی حصہ ہے اور ان کی پاسداری عبادت اور اللہ تعالی کا امر سمجھ کر کرنی ہے، جب کسی کام میں عبادت کا تقدس پیدا ہوتا ہے تو وہ محض قانونی مجبوری نہیں رہتی بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کا جذبہ اور بندگی کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ جسے برتتے ہوئے ایک باطنی سکون اور قلبی حلاوت کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اس میں اگر ظاہری مشقت کا سامنا کرنا پڑے تو اس کے منفی اثرات طبیعت پر نہیں آتے۔

پھر قانون صرف نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے ہوتا ہے کام بندہ اپنے شوق سے کرتا ہے۔ اسلام اور مغرب کے تصور حقوق میں یہی فرق ہے کہ وہاں آداب کی رعایت رکھنا ایک قانونی جبر ہے اگر آج قانون اٹھا دیا جائے تو افراد ایک دوسرے کا جینا حرام کر دیں، اللہ تعالیٰ نے تجھ کو وہ نظام معاشرت دیا ہے جو اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ایک ساتھی کہہ رہے تھے کہ فلاں مغربی ملک میں ایک شخص دیوار میں میخ لگانا چاہتا تھا، ہر روز وہ پڑوسی کے پاس آتا تھا لیکن وہ اسے ملتا نہیں تھا آخر اس نے ایک خط چھوڑا کہ میں میخ ٹھونکنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے اجازت دیں۔تو دیکھیں کہ کتنے آداب ہیں وہاں! میں نے کہا کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو پڑوسی اسے دعویٰ کر کے گرفتار کروا سکتا تھا۔تو وہ یہ آداب اس لیے نہیں برت رہے ہوتے کہ یہ کسی کا انسانی حق ہے بلکہ دنیا کے مفاد کے لیے کر رہے ہوتے ہیں۔ان کی مارکیٹوں میں جو دیانت ہے تو اس کی وجہ بھی یہ ہے کہ اس کے بغیر مال بکتا نہیں ہے اگر وہ

File Adress:

اعلیٰ معیار باقی نہ رکھیں تو کاربار فیل ہوجاتا ہے، تو آسمانی ہدایت کے بغیر آدمی کے سارے کام محض مفاد کے لیے ہوتے ہیں چاہے بظاہر کتنے اچھے نظر آرہے ہوں۔

گھریلو زندگی میں آداب معاشرت کی اہمیت

گھریلو اور خاندانی زندگی میں آداب معاشرت کا خیال نہ رکھا جائے تو بڑی پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں، اسی طرح اگر گھریلو زندگی میں آپ کو اپنے حق سے زیادہ توجہ مل رہی ہے تو اسے احسان سمجھیں اور اگر اس میں کمی ہو تو اس پر ناک بھوں نہ چڑھائیں کیونکہ وہ تو آپ کو احسان اور تبرع کے طور پر مل رہا تھا۔ اس دن ایک برخوردار آیا اور کہنے لگا کہ والد صاحب سے جھگڑا ہوا ہے کہ پیسے نہیں دیتے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ بالغ ہوگئے ہیں اب ان کے ذمے آپ کو پیسے دینا نہیں رہا۔ اگر وہ کھانا پینا اور جیب خرچ آپ کو دے رہے ہیں تو یہ ان کا احسان ہے اور ان کو خیرات کا ثواب ہو رہا ہے۔ اگر آپ نے ان سے کچھ مانگنا ہے تو عاجزی سے اور خدمت کر کے مانگیں۔

اسی طرح حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ شوہر کے والدین کی خدمت کرنا بیوی کے ذمے نہیں ہے۔ نکاح اور مہر کے بدلے جو بیوی کے ذمے فرائض ہیں وہ شوہر کے ازدواجی حقوق اور بچوں کی پرورش ہیں۔ یہاں پر جو دیندار سے دیندار لوگ ہیں ان کو بھی اس معاشرت کا خیال نہیں آتا۔ عورت کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ ٹیڑھی پسلی ہے اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ یہاں شریعت نے عورتوں کی برائی بیان نہیں کی بلکہ ان کے لیے رعایت حاصل کی گئی ہے کہ ان کی ساری کوتاہیوں کے ہوتے ہوئے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اگر بیوی شوہر کے والدین کی خدمت کرتی ہے اور کھانا وغیرہ پکاتی ہے تو یہ اس کا احسان ہے اور اس کی قدر کرنا چاہیے۔ یہ نہیں ہے کہ تھوڑا سا کھانے میں نمک کم ہوا تو ناک منہ چڑھا لیا اور آدمی برتن توڑ

File Adress:

رہا ہے۔ بیوی کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کا مکان الگ ہو، اگر پورا مکان نہ ہو سکے تو کم از ایک کمرہ ہی الگ ہو جس کی چابی اس کے پاس ہو اور گھر میں اس کا چولہا الگ ہو جہاں وہ مکمل خودمختار ہو۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ گھروں میں آگ زیادہ تر اس چولہے سے ہی لگتی ہے۔

ہمارے ایک پروفیسر صاحب تھے ان کی شادی ہوئی۔ ان کے چار مکان کرائے پر تھے اور ایک مکان میں سب خاندان والے رہ رہے تھے۔ ان کے گھر میں کافی عورتیں تھیں بعد میں عورتوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ ایک دفعہ ہمارے ساتھ وہ اعتکاف میں بیٹھے تو ان پر اتنی توجہ ہوئی کہ خیال ہو رہا تھا کہ کچھ عرصہ بعد ان کی خلافت ہو جائے گی۔ ان سے میں نے کہا کہ اپنی بیوی کو الگ کر لیں۔ انھوں نے اس بات کو نہیں مانا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد جھگڑوں کی وجہ سے ان کی بہن اور بیوی دماغی مریض ہو گئے اور ساری استعداد ختم ہو گئی۔ شریعت کے محض ایک معاشرت کے رُخ کے حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے یہ ساری مصیبت آئی۔

ہمارے یہاں جو ہے وہ رواجی دینداری ہے شرعی دینداری نہیں ہے۔ ہمارے ایک ڈاکٹر صاحب کی شادی ہوئی، ان کے پاس یہاں ہاسٹل میں ایک کمرہ تھا اور ساتھ ایک چھوٹا سا برآمدہ۔ اس میں دو یہ اور ساتھ اس کے والدین اور والدین نے دوسرے بیٹے کو بیوی بچوں سمیت بلا لیا کہ ہماری خدمت اس کی بیوی نہیں کرتی وہ کرتے ہیں۔ اب وہاں پر خاوند نے بیوی کو ایک چارپائی دے دی کہ اس پر تیرا حق ہے۔ کچھ عرصہ ہنگامے اور جھگڑے ہوئے تو بیوی روٹھ کر چلی گئی۔ انہی دنوں میں نے اپنی کتاب ''اصلاح نفس'' تقسیم کی تھی جس میں یہ بھی لکھا ہوا تھا کہ نہ تو ماں باپ کی خاطر آدمی بیوی کے حقوق ضائع کرے اور نہ ہی بیوی کی خاطر ماں باپ کے۔ اچھا ان ہی دنوں سسر نے بہو کی پٹائی بھی کی

File Adress:

تھی، کیونکہ سسر یہ سمجھتا ہے کہ باقی حقوق کے ساتھ ساتھ ایک میرا حق بہو کی پٹائی کرنے کا بھی ہے۔حالانکہ پٹائی کا حق تو خاوند کو بھی نہیں ہے۔آدمی بیوی کو صرف نماز ترک کرنے پر مار سکتا ہے اور میلا کچیلا رہنے پر مار سکتا ہے کہ عورت جب باہر جارہی ہو تو خوب بن سنور کر جائے اور گھر میں میلی کچیلی رہے تو اس پر مار سکتا ہے۔کھانے کے نمک پر پٹائی نہیں کر سکتا اور پٹائی کا طریقہ بھی یہ ہے کہ پتلی شاخ سے پنڈلیوں اور رانوں پر اتنا مارے کہ نشان نہ پڑے اور ہڈی نہ ٹوٹے۔یہ پٹائی بھی جائز ہے بہتر نہیں ہے۔آدمی کی نااہلی کا ثبوت ہے کہ وہ بات پٹائی تک لے آئے۔تو آداب کی رعایت نہ رکھنے سے گھریلو زندگی عذاب بن جاتی ہے اور اس طرح کے ہنگامے اور پریشانیاں زندگی کا معمول بن جاتی ہیں۔

تصوف صرف ذکر اذکار اور گردن ہلانا نہیں ہے بلکہ دین کے پانچ شعبے ہیں، عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت۔ان سب شعبوں کو درست کرنا ہے اخلاق رذیلہ کبر، حسد، لالچ، ریا وغیرہ کو دور کرنا ہے اور اخلاق فاضلہ مثلاً اخلاص تواضع وغیرہ حاصل کرنے ہیں۔اور پھر معاشرت کو درست کرنا ہے کہ اٹھنا بیٹھنا، لین دین، چلنا پھرنا اور گھر کے حقوق وغیرہ۔حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آداب معاشرت پر ایک پوری کتاب لکھی ہے جو ساتھی زیادہ سیکھنا چاہیں وہ اس کا مطالعہ بھی کر لیں۔

File Adress:

تعمیر شخصیت اور رمضان المبارک

File Adress:

رمضان المبارک کے لمحات کو کیسے قیمتی
بنایا جائے؟ رمضان ہم سے کیا مطالبہ
کرتا ہے؟ روزہ کی حقیقت، قرآن
مجید اور روزہ کی مناسبت، روزہ کے
اعمال اور آداب، اور روزہ کے ذریعے
شخصیت کی تعمیر کا آسان، مؤثر اور مختصر
طریقہ کار پر مشتمل ایک اہم وعظ۔
جسے ماہ رمضان میں ارشاد دیئے گئے
خطبات جمعہ سے مرتب کیا گیا ہے۔

File Adress:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰت۔ (البقرۃ: ۱۸۳)

(۲) شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَان۔ (البقرۃ:۱۸۵)

(۳) وَلَا تُبَاشِرُوْھُنَّ وَاَنْتُمْ عٰکِفُوْنَ فِی الْمَسٰجِد۔ (البقرۃ:۱۸۷)

(۴) وَعَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ فِدْیَۃٌ طَعَامُ مِسْکِیْنٍ۔ (البقرۃ: ۱۸۴)

File Adress:

تعمیر شخصیت کے دو بنیادی اصول

ہر چیز جو بنتی ہے اس کے لئے دو باتیں ضروری ہوتی ہیں: ایک اس کی منصوبہ بندی (Planning) جو کہ الفاظ اور نقشوں کی شکل میں ذہن میں ہوتی ہے پھر کاغذ پر آتی ہے۔ دوسرا عملی نمونہ ہے۔ یعنی ہاتھ پیر کی جدوجہد اور عمل سے پھر چیز وجود میں آجاتی ہے۔ گویا ہر چیز کے لئے ایک منصوبہ بندی اور دوسرا جدوجہد یہ دو باتیں ضروری ہیں۔

انسان کے بننے کے لئے بھی ایک منصوبہ بندی ہے جو کہ تعلیمات ہیں، ان تعلیمات کی روشنی میں پھر جدوجہد ہے۔ تعلیمات اور جدوجہد درست ہوں تو اس سے انسان کی شخصیت کی تعمیر ہوجاتی ہے۔ پھر دنیا میں تبدیلی، جس کو سیاسی لوگ انقلاب انقلاب کہہ رہے ہوتے ہیں، معتدل قسم کے لوگ جسے تبدیلی کہتے ہیں اور فقراء لوگ جسے صلاح و فلاح کہتے ہیں، آتی ہے۔ اصلاح درست ہونا اور فلاح کامیابی۔ بنے ہوئے انسان کی

اصلاح سے فلاح آتی ہے۔اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے بننے کی منصوبہ بندی وحی کی شکل میں آسمان سے زمین کی طرف بھیجی ہے جس میں چار کتابوں کی نشاندہی کی اور''صحفِ ابراہیم وموسیٰ'' کے نام سے صحیفوں کا تذکرہ کر دیا گیا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءعلیہم السلام آئے ہیں۔ بڑی کتابیں تو چار ہی آئی ہیں اور پتہ نہیں کتنے صحیفے ان کے ساتھ آئے ہوں گے۔اس لئے کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے چار وید اور ان کی اپنشد، پرُان اور گیتا، یہ سات کتابیں ہیں، ان میں سے چار وید نوح علیہ السلام کے صحیفے ہیں۔ان صحیفوں میں اب تک توحید کی بات موجود ہے۔

ہر طبقے میں علماء کے درجے ہوتے ہیں جس طرح ہم کہتے ہیں مولوی، مولانا، عالمِ ربانی، امام، علامہ، علامۃ الدہر، یہ مختلف درجے ہیں۔اسی طرح ہندوؤں میں جو سب سے آخری درجہ ہے اسے مُڈھ پنڈت کہتے ہیں۔ایک مُڈھ پنڈت کا بیٹا سنجے اپنے باپ سے تربیت حاصل کر رہا تھا۔اس نے جب وید پڑھا تو اس میں ایک مضمون آرہا تھا جس کو اس کا باپ سرسری پڑھ کر گزر جاتا اور اس پر بحث نہیں کرتا تھا۔ وہ مضمون توحید کا تھا۔اس نے اپنے باپ کے ساتھ اس پر ٹاکرا کیا، بحث کی اور کہا کہ مجھے مطمئن کرو۔ باپ نے اس کی ڈانٹ ڈپٹ کی اور اس کی بات کو نظر انداز کر کے اس کو فارغ کر دیا۔ بیٹے کو اس بات پر پریشانی ہوئی اور اندازہ ہوا کہ یہ میرے سوال کا جواب نہیں دے سکا لہٰذا اس کے پاس حق نہیں ہے۔ وہ گھر سے نکل گیا۔ وید میں جو توحید کی بات تھی اس کو ڈھونڈنے کے لئے نکل گیا۔کہتا ہے کہ میں پھرتا رہا پھرتا رہا، بدھ مت والوں سے ملا، اس کے علاوہ مذاہب والوں سے بات کی لیکن دل کو تسلی نہ ہوئی۔ایک دفعہ ایک بس میں سفر کر رہا تھا، میرے ساتھ ایک مسلمان بیٹھا ہوا تھا۔اس نے مجھ سے دین کی بات کی۔اس کی بات میں توحید کی وہ بات تھی جو میں نے وید میں پڑھی تھی۔ مجھے بڑی دلچسپی ہوئی۔اس کی بات کو میں نے سنا اور سننے

File Adress:

کے بعد میں نے کہا کہ یہ بات مجھے بڑی پسند ہے، مجھے اس کی تفصیلات بتاؤ۔ اس نے کہا کہ میں تو اتنا پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں، آپ اگر رات کے لئے میرے پاس ٹھہر جائیں تو میں آپ کو اپنے امام صاحب کے پاس لے کر جاؤں گا۔ وہ آپ سے تفصیلی بات کریں گے۔ سنجے اس کے پاس ٹھہر گیا۔ امام صاحب نے جب اس سے بات کی تو اس کے دل کو تسلی ہوئی کہ جس بات کو میں وید میں پڑھنے کے بعد ڈھونڈ رہا تھا وہ تو اس کے پاس ہے۔ پھر اس پر میں نے اسلام قبول کیا۔ امام صاحب نے کہا کہ آپ کا نام بدلتے ہیں اور پوچھا: ہندی اور سنسکرت میں سنجے کا معنی کیا ہے؟ ہندی میں سنجے کا معنی ہے اللہ کے خاص تعلق والا بندہ یعنی ولی اللہ۔ انھوں نے کہا کہ آپ کا نام سنجے ہی ٹھیک ہے کیونکہ اس کا معنی ٹھیک ہے اور اس طرح سے آپ کو مشکلات بھی نہیں ہوں گی۔ یہ سنجے مکہ مکرمہ میں حاجی عبدالمنان صاحب سے ملا ہے شاید، مجھے انھوں نے ہی سنایا ہے۔ پھر اس نے کتابیں لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ سنجے کو پیغام بھیجو کہ پاکستان کا ایک دورہ کرے اور میرے پاس مہمان ہو اور اس کو میں ساری اہم جگہوں کا دورہ کراؤں گا اور اس کی کتابیں میں پاکستان سے شائع کروں گا۔

عرض میں یہ کر رہا تھا کہ پہلے انسان کے ساتھ وحی کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے بننے کی منصوبہ بندی کو بھی بھیجا اور وہ وحی کی شکل میں آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں آئی جس میں وہ مضامین، صفات اور خصوصیات بیان ہوئی ہیں جن کی جدوجہد کر کے آدمی نے اپنے اندر لانا ہوتا ہے۔

Peptic Ulcer کے کیس میں معدے کی Selective Vagotomy کرنا، ایسے طریقے سے Vagus Nerve کو کاٹنا کہ معدے کی سپلائی تو کٹ جائے تاکہ Hyperactive (زیادہ حساس) معدہ جگہ پر آجائے لیکن Pancrease (لبلبے) کی سپلائی، Gall Bladder (پتے) اور Duodenum (چھوٹی آنت) کی سپلائی متاثر نہ ہو۔ یہاں

File Adress:

جتنے سمجھدار ڈاکٹر بیٹھے ہوئے ہو کبھی سنا ہے کہ پشاور میں سیلیکٹو ویگاٹمی کا کیس ہوا ہو؟ یا پاکستان میں بھی کسی کی معلومات میں ہے کہ ہوا ہو؟ "For the treatment of this case selective vagotomy should be done" (ایسے کیس کے لئے سیلیکٹو ویگاٹمی کی جائے) ایک جملہ ہے جو کتاب میں موجود ہے لیکن اس کو حاصل کر کے اس کو عملی طور پر کرنا اتنا مشکل ہے کہ خیبر میڈیکل کالج کے بنے ہوئے ۱۹۵۴ء سے ابھی تک ساٹھ سال ہو گئے پر اب تک اس جملے کو عملی طور پر کوئی سرجن بھی کر کے نہیں دکھا سکا ہے۔ جب کہ منصوبہ بندی اور تعلیمات کی شکل میں تو وہ موجود ہے کتابوں میں لیکن کر کے دکھانے کے لئے وہ جدوجہد نہیں کی گئی کہ اس پائے کا سرجن پیدا ہوتا اور اس نے سیلیکٹو ویگاٹمی کر کے دکھائی ہوتی۔ یہ ہوتی ہے منصوبہ بندی اور جدوجہد اور پھر عملی طور پر اس کو وجود میں لا کر دکھانا۔

قرآن مجید کا اعجاز اور تاثیر

انسان کے بننے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے آخری پیغام، سب سے مکمل پیغام اور سب سے اعلیٰ پیغام قرآن پاک کی شکل میں بھیجا جس نے ۱۴۴۸ سال سے چیلنج دیا ہوا ہے کہ میرے جواب کے تین جملے بنا کر لاؤ اور ۱۴۴۸ سال گزر گئے اور سارا عالمِ انسانیت اس بات کا جواب نہیں دے سکا۔

رازی ہال میں میرا درسِ قرآن ہوتا تھا۔ وہاں ایک آیت میں نے پڑھی، اس میں فرمایا تھا کہ قرآن یہ کہہ رہا ہے لہٰذا اس کو مانو۔ اس وقت کے جو میرے طلباء تھے انھوں نے کہا کہ سر! اس کو ہم تو بالکل مانتے ہیں کیونکہ ہم مسلمان ہیں، جو قرآن کہہ رہا ہے اس کو مانتے ہیں اور اسی کو حق سمجھتے ہیں، ہمارا اس پر ایمان ویقین ہے لیکن اگر ایک کافر کہے کہ میں اس کو خواہ مخواہ مانوں تو کیوں مانوں؟ یہ کوئی منطقی، Logical، عقلی اور فلسفیانہ بات نہ ہوئی کہ ایک آدمی کہہ رہا ہے کہ میری بات مانو اور دوسرا آنکھیں بند کر کے کہہ دے کہ میں مانتا ہوں

File Adress:

جب کہ اس کے پیچھے کوئی دلیل ہی نہ ہو۔اس کا کیا جواب ہے؟

میں نے کہا: آپ کا سوال بڑا مشکل ہے۔ مجھے اس کا جواب سمجھ نہیں آ رہا۔ میں اہل علم سے پوچھوں گا اور پھر آپ کو بتاؤں گا۔ جب کوئی سوال انسان کے ذہن میں آ جائے تو انسان کے ذہن کا کمپیوٹر کام شروع کر دیتا ہے۔ یہ سو رہا ہو، جاگ رہا ہو، سوچتا ہو نہ سوچتا ہو، نماز پڑھ رہا ہو، کھانا کھا رہا ہو، کمپیوٹر اپنی فائلیں الٹ پلٹ رہا ہوتا ہے اور اپنا کام کر رہا ہوتا ہے۔ ایک دن تلاوت کرتے ہوئے میرے سامنے بات آئی تو میں نے سوچا کہ آج ان کو جواب دوں گا۔ اس دن جو میں درس کے لئے بیٹھا تو میں نے کہا کہ آج میں آپ کے سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔ آپ نے پوچھا تھا کہ قرآن مجید اس بات کو کہہ رہا ہے کہ مانو! تو کیوں مانیں، یہ تو کوئی عقل، دلیل کی بات نہ ہوئی تو اس کے جواب میں جو آیت آئی ہے وہ پہلے پارے میں ہے اور وہ ہے:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (البقرہ ۲۳)

اگر تم شک میں ہو اس چیز کے بارے میں جسے ہم نے اتارا اپنے بندے پر تو پھر اس کی طرح کی ایک سورت لاؤ اور سارے حمایتیوں کو لے کر آ جاؤ۔ یعنی انسان کے پاس جتنا علم، تجربہ، سائنس، ٹیکنالوجی، جتنے وسائل ہیں سارے لے کر آؤ اور ان سب کو لا کر قرآن مجید کے مقابلے کی چیز بنا لاؤ۔ اگر نہ لا سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن نے تمہیں لاجواب کر دیا۔ جس طرح آپ پشتو میں کہتے ہیں: چه پڑ مې كه مڑ مې كه (مجھے لا جواب کر دو، خیر ہے پھر قتل کر دو) یعنی جو آدمی لاجواب ہو گیا اور شکست کھا گیا، جس نے ہتھیار ڈال دیئے پس اس کے دلائل اور باتیں ختم ہو گئیں۔ اب جس نے لاجواب کیا ہے اور جس نے ''پڑ'' کیا ہے تو بات اس کی چلے گی۔ میں نے کہا: اب بتاؤ کہ مانو گے کہ نہیں مانو

File Adress:

گے؟ یا تو اس کا جواب لاؤ اور اگر نہیں لا سکتے تو اس کے آگے لا جواب ہو تم اور اس کو تمہیں ماننا پڑے گا۔

رمضان ان تعلیمات اور جدوجہد کی سالگرہ ہے۔ختم قرآن جو تراویح میں ہوتا ہے، یہ چودہ سو سال سے مسلسل ہو رہا ہے، یہ عبادت ہے۔ایک لفظ کے بدلے میں سو نیکی ملتی ہے اور انوارات کا نزول ہوتا ہے، اتنی برکات ہیں، اتنا اجر ہے، دعائیں قبول ہوتی ہیں، اتنی رحمتیں ہیں، وہ تو ساری ہیں ہی۔ یہ ایک Practical Proof (عملی ثبوت) ہے جو چودہ سو سال سے مسلسل چل رہا ہے کہ ہر سال یہ کتاب پڑھ کر سنائی جا رہی ہے۔انڈونیشیا، ملائیشیا سے شروع کرو اور ساری دنیا کا چکر لگا کر امریکہ، کینیڈا سے واپس ہو کر پھر اس جگہ پر آؤ تو ساری جگہوں پر یہ مسلسل تراویح میں پڑھا جا رہا ہے۔اس وقت ہم نے پڑھ کر ختم کیا، افغانستان ہم سے آدھا گھنٹہ بعد ہے، وہاں ابھی جاری ہے۔وہاں ختم ہوگا تو عراق اس سے آدھا گھنٹہ بعد میں ہے، وہاں جاری ہوگا، سعودی عرب اس سے آدھا گھنٹہ بعد میں ہے، یہاں تک کہ سارے Globe پر یہ مسلسل پڑھا جا رہا ہے۔سب کا Data اکٹھا کر کے تم اس کو Compare کرو اس کو Tele کرو تو پتہ چلے گا کہ کسی جگہ اس میں فرق نہیں آ رہا۔ This is the practical proof provided for the last fourteen hundred years continuously. (یہ وہ عملی ثبوت ہے جو گزشتہ چودہ سو سالوں سے مسلسل مہیا چلا آ رہا ہے) اس کو مسلسل کر کے بتایا گیا تا کہ یہ انسانوں کے سامنے ایک ثبوت کی شکل میں ہو۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کے ایک ایک لفظ میں اور زبر زیر میں فرق نہیں آیا ہوا۔ یہ ختم رحمت کے ساتھ ساتھ ایک عملی ثبوت ہے اس کی حقیقت ہونے کا۔

تعلیمات کے بارے میں کہا گیا کہ اس کو تراویح میں کھڑے ہو کر سنو۔اس وقت میں آپ میں سے کسی ایک کو بھی کھڑا کروں تو انگریزی میں تقریر کر سکتے ہو، کوئی تقریر اگر

File Adress:

میں کروں تو اس کو ترجمہ لوگوں کو سنا سکتے ہو، کوئی لکھی ہوئی تحریر ہو اس کو پڑھ سکتے ہو۔لیکن اگر میں دعائے قنوت کا معنی پوچھوں تو اس وقت اگر ۱۳۰ آدمی بیٹھے ہیں تو ان میں بہ مشکل پندرہ آدمی دعائے قنوت کا ترجمہ سنا سکیں گے باقی نہیں سنا سکتے۔ وجہ کیا ہے؟ نظامِ تعلیم۔ ایسا نظامِ تعلیم انگریز دے کر گیا ہے جس میں عربی سے، فارسی سے،قرآن سے، ہدایت سے دور کر کے اس کے قابل ہی نہ چھوڑا کہ اس کو سمجھ سکتے ہو۔ جو آدمی اس کو پڑھتا ہو اور اس کو ترجمہ جانتا ہو، اس کی باریکیاں جانتا ہو، اس میں جو عربی کمال ہے اس کو جانتا ہو، پھر اس میں جو دعوت ہے، اس میں جو زور ہے اس کو سمجھتا ہو، اس کو جب پڑھنے والا پڑھتا ہے اور سمجھنے والا سمجھتا ہے تو وہ تو دل چیر رہا ہوتا ہے اور جتنی اس میں حلاوت اور مٹھاس ہے وہ تو ایسی زبردست ہوتی ہے کہ ساری رگیں بجنا شروع ہو جاتی ہیں، اتنا لطف ہوتا ہے اس میں۔لیکن ہائے افسوس کہ تو الفاظ کو سمجھنے والا بھی نہ رہا۔

قرآن کی اثر آفرینی

ایک تفسیر ہے ’تفسیر ماجدی‘۔مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ اس آدمی کی لکھی ہوئی ہے جس کی فلسفے کی اتنی مہارت تھی کہ فلسفہ پر ان کی اپنی بی۔اے کے بعد لکھی ہوئی کتاب انگلینڈ سے چھپی تھی اور ان کی کتابیں داخل نصاب ہوا کرتی تھیں۔ کہتے ہیں کہ میں علمی اور دیندار خاندان کا آدمی تھا لیکن دہریہ ہو گیا، خدا کا منکر ہو گیا اور خدا کا منکر ہوتے ہوئے میں زندگی گزار رہا تھا اور تعلیم میں نے ایسی حاصل کی ہوئی تھی کہ فلسفہ کا ماہر، انگریزی کا ماہر، عربی کا ماہر۔ کہتے ہیں کہ اکبر الٰہ آبادی کے ہمارے خاندان کے ساتھ تعلقات تھے۔ اکبر الٰہ آبادی جج گزرا ہے، شاعر گزرا ہے اور بہت دین کی محبت والا آدمی گزرا ہے۔ان کی شاعری مشہور ہے۔

آپ لوگ تو فارغ ہو گئے کیونکہ نصابِ تعلیم سے مسلسل ورلڈ بینک نے مشروط

امداد دے دے کر ان ساری باتوں کو نکلوایا ہے جو کہ آپ کی اسلامی شخصیت کی تعمیر کر سکیں۔ اکبرالہٰ آبادی کی شاعری بھی آپ لوگوں کے سامنے ناپید ہے۔

کہتے ہیں کہ اکبر الہٰ آبادی ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ عبدالماجد! تو مانتے ہو کہ قرآن مجید ایک ادبی شاہکار ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں ادبی شاہکار تو ضرور ہے، عربی میں تو اس کا جواب نہیں۔ انھوں نے کہا کہ عربی ادب کی کتاب کے طور پر اس کو پڑھتے رہا کرو۔ کہتے ہیں کہ واقعی میں باقی عربی کتابوں کو بھی پڑھتا تھا کہ عربی ادب کے ساتھ میرا تعلق تھا اور یہ تو سارے مانتے ہیں اور ایک غیر مسلم ادیب کا قول ہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن کو آسمانی اور روحانی کتاب کہہ کر اس کے ادبی مقام کو گھٹایا گیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ آسمانی اور روحانی کتاب نہ ہوتب بھی یہ بہت لا جواب ہے اور شاہکار ہے۔

کہتے ہیں کہ میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا، اور پڑھنا جو شروع کیا تو پھر وہ تو کوئی ایسی چیز ہے نہیں کہ صرف الفاظ پڑھ کر آدمی گزر جائے۔ وہ تو انسان کی عقل کو مروڑ کے اور دل کو جھنجھوڑ کے اور بدن کو بھنبھوڑ کے اور ہدایت کی روشنی کو انسان کے اندر سمو کے چھوڑ تا ہے۔ آخر قرآن نے اپنا اثر دکھایا اور قرآن نے مجھے اپنے ایمان پر واپس لا کر چھوڑا۔

کہتے ہیں کہ پھر میرا خیال ہوا کہ اب بیعت ہو کر مکمل اصلاح کرنی چاہئے تو میں مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پاس گیا۔ ان سے بیعت ہوا۔ انھوں نے حضرت تھانوی صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت تھانوی صاحبؒ نے میرے خیالات سنے اور حالات دیکھے تو کہا کہ برخوردار! آپ ایک تفسیر لکھیں کیونکہ دہریت کے جتنے سوال ہیں ان کے جواب آپ دے سکتے ہیں۔ پھر انھوں نے تفسیرِ ماجدی لکھی ہے۔ تفسیر ماجدی میں تورات، انجیل، تالمود پر جتنی Comparative Study (تقابلی مطالعہ) ہے چودہ سو سال میں کسی تفسیر میں نہیں ہے، اتنا کام انھوں نے کیا ہے اور دہریوں کے جو جوابات انھوں نے دئے ہیں وہ باقی

File Adress:

تفسیروں میں نہیں ہیں۔ پھر انگریزی میں بھی ان سے تفسیر لکھوائی تو حضرت عبدالماجد دریا آبادیؒ نے انگریزی میں بھی تفسیر لکھی ہے۔ ان کی یہ دو تفسیریں ہمارے تفسیری سرمایہ میں بہت اہم ہیں اور کسی کا شوق ہو تو اردو والی تفسیرِ ماجدی لے کر پڑھے۔

قرآنی تعلیمات صرف نظری ابحاث نہیں

یہ تعلیمات ہیں اور یہ کوئی Theoretical Discussion (نظری بحث) نہیں تھی۔ افلاطون نے The Republic کتاب لکھی جس میں اس نے Welfare State (فلاحی ریاست) کا نقشہ پیش کیا کہ اگر ایسی ریاست وجود میں آجائے تو بہت زیادہ انسانوں کی فلاح اور خوشگوار زندگی کا ذریعہ ہوگی۔ لیکن وہ کتاب ہی رہی، اس طرح کی State یا ریاست کبھی وجود میں نہ آئی۔ کتاب تو تھی لیکن اس طرح کی Welfare State وجود میں نہیں آئی۔ جبکہ قرآن پاک نے جس بات کو کہا اس کو عملی طور پر مسلمانوں نے کر کے دکھایا اور اس کو نافذ کر کے ایک ہزار سال تک ساری زمین میں سپر پاور کے طور پر چلا کر دکھایا ہے۔ ہم ایک ہزار سال تک دینا میں سپر پاور رہے ہیں اور ہمارا World Order چلتا رہا ہے۔ لہٰذا وہ کوئی Theoretical Discussion نہیں تھی وہ Practical Proof کے طور پر اپنے سارے خواص، ساری صفات اور سارے اثرات کے ساتھ وجود میں آئی ہے اور وجود میں آکر ساری دنیا میں چھائی رہی ہے۔

رمضان ماہ تربیت

میں شروع میں جو آیت تلاوت کی اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: رمضان کے مہینے میں فرض کئے گئے تم پر روزے جیسے فرض کئے گئے تم سے پہلے لوگوں پر تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ رمضان ایک ایسا مہینہ دیا گیا کہ اس میں تم نے اپنے

File Adress:

آپ پرتوجہ کرنی ہے۔آپ کی گاڑی سارا مہینہ آپ کو دوڑاتی پھرتی ہے، کہاں کہاں لے جاتی ہے، لیکن وہ گاڑی کہتی ہے کہ مہینے میں ایک دو گھنٹے آپ مجھ پر بھی توجہ کریں گے۔اس کی سروس کراتے ہیں۔اب تو آٹومیٹک گاڑیاں ہیں، ہم پرانے زمانے کے لوگ سروس کے بعد ایک ایک پرزے میں گریس ڈالا کرتے تھے۔ایک لمبی گن ہوتی تھی اس سے ایک آدمی گریس ڈالتا تھا۔تو گاڑی بھی کہتی ہے کہ مہینے میں دو گھنٹے مجھے دیں گے اور جو جو پرزا میرا گڑبڑ کر رہا ہے اس پر توجہ دیں گے تو میں پھر ایک ماہ کے لئے دوڑنے کو تیار ہوں گی۔ لیکن اگر آپ نے یہ وقت مجھے نہ دیا تو پھر میں آپ کے کام کی نہیں رہوں گی۔

ماہ رمضان کے چار اعمال

اس طرح انسان نے عملی زندگی میں استعمال ہونا ہے، اس کو بھی بننے کے لئے وقت چاہئے لہٰذا رمضان کا مہینہ اس کو بننے کے لئے دیا گیا ہے۔ یہ اس ٹریننگ کا ایک شارٹ کورس ہے۔ ہر کورس میں Course Work ہوتا ہے۔اس کا کورس ورک چار اعمال ہیں:

پہلا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُم یعنی روزہ۔

دوسرا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰن یعنی قرآن میں مشغول ہونا۔

تیسرا وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِد یعنی اعتکاف کرنا۔

چوتھا فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْن یعنی صدقۂ فطر۔

ان چار اعمال کے ذریعے سے آپ نے اس شارٹ کورس کو کامیابی سے گزار کر تقویٰ کی تربیت حاصل کرنی ہے۔

۱......روزہ

روزہ نیکیوں کا موسم بہار ہے جس میں نوافل کا اجر فرائض کے برابر بڑھا دیا جاتا

File Adress:

ہے اور فرائض کا ستر گنا زیادہ ثواب ملتا ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ روزہ ان آداب کے ساتھ رکھا جائے جو بزرگوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں، کیونکہ روزے کا اثر ان آداب کو برتنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ حضرات مشائخ نے روزہ کے چھ آداب خصوصی طور پر بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ روزہ کی برکات اور انوارات سے فائدہ اٹھانے کے لیے ان پر عمل کرنا نہایت ضروری ہے۔

پہلا ادب یہ کہ نگاہ کی حفاظت کرے، نگاہ کسی حرام جگہ پر ڈالنا تو درکنار لکھا ہے کہ اپنی بیوی کو بھی شہوت کی نظر سے نہ دیکھے۔ اسی طرح ایسی چیز بھی نگاہ نہ ڈالے جو اس کی توجہ اور دھیان کو اپنی طرف کھینچے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے دھیان کو کاٹے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ زبان کی حفاظت کرے۔ جھوٹ، غیبت، چغل خوری، فحش گوئی، فضول باتیں اور گالی گلوچ سب سے پرہیز ضروری ہے۔ بعض علماء نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ان چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، ہمارے ہاں روزہ ہو تو جاتا ہے لیکن روزے کی برکات وانورات ضائع ہو جاتی ہیں۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ روزہ انسان کے لیے ڈھال ہے جب تک وہ جھوٹ اور غیبت سے اسے پھاڑ نہ دے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ کان کی بھی حفاظت کرے، جن باتوں کو زبان سے بولنا گناہ ہے ان کو کانوں سے سننا بھی گناہ ہے اور جیسی نحوست اور روحانی نقصان گناہ کے بول سے آتی ہے اور گناہ لکھا جاتا ہے، ویسا ہی حکم سننے کا بھی ہے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ تمام اعضا کو کسی گناہ میں ملوث ہونے سے بچائے، یعنی ہاتھ پاؤں کو حرام میں پڑنے سے روکے، پیٹ میں کوئی مشتبہ یا حرام چیز داخل نہ کرے۔ حرام مال سے افطار کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے مریض دوائی کھانے کے ساتھ زہر بھی چکھتا ہے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ حلال مال سے بھی اتنا پیٹ بھر کر کھانا نہ کھائے، کہ تراویح

File Adress:

پڑھنا مشکل ہوجائے۔ روزے کا مقصد تو قوت بہیمیہ اور حیوانیہ کو کمزور کر کے نورانی اور روحانی قوت کو ترقی دینا ہے اور یہ بات پیٹ بھر کر حاصل نہیں ہوسکتی، اس لیے اتنا کھائے، جس سے عبادات کے اندر تازگی اور نشاط باقی رہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ روزہ کے بعد اس بات سے ڈرتے رہنا چاہیے کہ نامعلوم یہ روزہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول ہوا بھی ہے کہ نہیں۔ایسا تو نہیں کہ کل قیامت کے دن یہ منہ پر مار کر رد کر دیا جائے گا۔

یہ چھ چیزیں تو عام روزہ داروں کے لیے ہیں اور خاص اللہ والوں کے لیے ایک ساتویں چیز بھی لکھی ہے کہ دل کو اللہ کے سوا کسی کی طرف متوجہ ہونے نہ دیں حتیٰ کہ اس بات کا انتظام اور فکر کہ افطار کے لیے کچھ ہے یا نہیں، یا اس کا ارادہ کرنا کہ کچھ افطار کے لیے مل جائے، یہ بھی خطا ہے۔بعض اللہ والوں کے بارے میں یہاں تک آتا ہے کہ افطار سے پہلے اگر کوئی چیز ان کے ہاں آجاتی تو اس کو صدقہ کر دیتے تاکہ دل کا میلان اس کی طرف نہ ہو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ نے فضائل اعمال میں لکھا ہے کہ روزہ صرف منہ بند کرنے کا نام نہیں، بلکہ مفسرین نے "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَام" کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ہر عضو پر روزہ فرض کیا ہے۔پس زبان کا روزہ جھوٹ وغیرہ سے بچنا، کان کا روزہ ناجائز چیزوں کے سننے سے احتراز، آنکھ کا روزہ لہولعب اور ناجائز چیزوں کو دیکھنے سے احتراز، نفس کا روزہ حرص اور شہوات سے بچنا، دل کا روزہ دنیا کی محبت سے خالی رکھنا، روح کا روزہ آخرت کی لذتوں سے بھی احتراز کرنا اور سر خاص کا روزہ غیر اللہ کے وجود سے بھی احتراز ہے۔

۲......قرآن مجید میں مشغولیت

دوسری چیز جو اس مختصر تربیتی دورانیہ کا حصہ ہے وہ قرآن مجید میں مشغول ہونا

File Adress:

ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانْ۔ (البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: رمضان کا مہینہ کہ جس میں اُترا قرآن جو سارے انسانوں کے لیے رہنمائی ہے ہدایت کے اصولوں کو کھول کر بیان کرتا ہے اور فرقان ہے۔

رمضان کے ناطے سے اللہ پاک دوسری چیز جو بندے کو دے رہا ہے وہ فرقانیت ہے یعنی جانچنے، پرکھنے کی استعداد اور قوت۔ حق کیا ہے؟ باطل کیا ہے؟ انصاف کیا ہے؟ ظلم کیا ہے؟ جوہری پرکھتا ہے کہ یہ لعل ہے، یاقوت ہے، پکھراج ہے، نیلم ہے، زَبَرجَد ہے۔ یہ لعل بدخشان کا ہے، یہ یمن کا ہے، بدخشان والے کی اتنی قیمت ہے، یمن والے کی اتنی قیمت ہے، اُس کی نگاہ میں پرکھ ہے۔ تو دوسری بات جو رمضان میں حاصل کرنے کی ہے، وہ ہے شخصیت میں پرکھ پیدا کرنا۔ اور وہ قرآن سے ہوتی ہے۔

یہ پرکھ دو طرح کی ہوتی ہے: ایک قرآن کے معنی اور مفہوم کو سمجھنا، اُس کو سیکھنا اور ایک کثرتِ تلاوت، کیونکہ اصلی پرکھ جو قرآن سے آتی ہے وہ اِن الفاظ کی نورانیت جب انسان کے باطن اور قلب سے ٹکراتی ہے اُس سے پیدا ہوتی ہے اور یہ معنی کی تاثیر کے علاوہ ایک جُدا تاثیر ہے اور وہ تراویح میں کھڑے ہونے سے پیدا ہوگی، اسلئے تراویح میں ایک قرآنِ پاک کا سننا سنتِ مؤکدہ ہے، دو بار سننا مستحب ہے اور تین بار سننا فعل اولیٰ ہے۔

جب آدمی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن سنتا ہے تو ہر لفظ کے بدلے سو نیکیاں ملتی ہیں بیٹھ کر سنتا ہے تو پچاس نیکیاں ملتی ہیں اور باوضو پڑھتا ہے تو پچیس نیکیاں اور بغیر وضو کے زبانی پڑھتا ہے تو دس نیکیاں ملتی ہیں کیونکہ قرآنِ پاک میں وہ دس والا اُصول نہیں جو عام اعمال کے بارے میں ہے۔

File Adress:

پھر اللہ تعالیٰ نے جن کو معنی ومفہوم سمجھنے کی استعداد دی ہے ان کے لیے تو اتنے لطف اور مزے کی چیز ہے کہ الفاظ اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ اچھا پڑھنے والا ہو اور دھیان سے پڑھے اور پیچھے معنی ومفہوم پر توجہ دے کر سننے والا ہو تو قرآن کے معجزانہ اور سحر انگیز مضامین پر تو چیخیں مار کر کلیجہ پھٹنے اور جان نکلنے کے حالات ہو جاتے ہیں۔ ہمارے حافظ صاحب سنا رہے تھے تو جہنم کے تذکرے پر ان کی آواز ایسی رندھ گئی گویا جان نکل رہی ہے۔ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمہ اللہ نے حضرت بنوری رحمہ اللہ کا حال سنایا کہ تلاوت کے دوران ایسے آواز رونے کی وجہ سے رندھ جاتی تھی اور ایسی بھاری ہو جاتی تھی جیسے کوئی بچھڑا آواز نکال رہا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت نماز کی روایات میں آئی ہے کہ آواز ایسی رندھ جاتی **"کازیز المرجل"** گویا ہنڈیا ابل رہی ہے۔ تو بھئی یہ مزے اس وقت ہیں جب قرآن مجید کو توجہ سے دھیان دے کر سنا جائے تو اس کے معنی کی تاثیر آتی ہے۔ صحابہ کرام تو اس لذت سے ایسے آشنا تھے کہ ان کا مشغلہ ہی طویل قیام اور اس میں تلاوت تھا۔

صحابہ کرام کے تذکروں میں آتا ہے کہ وہ ساری ساری رات قیام اللیل کرتے تھے۔ ہمارے ایک ساتھی تھے مولانا سمیع اللہ صاحب۔ مشکاۃ شریف کا درس دیتے تھے، ایک بار کہنے لگے: ڈاکٹر صاحب! یہ آپ نے اتنی لمبی تراویح کہاں سے نکال دی، کہ دس دس پارے پڑھتے ہو، اور ساری ساری رات کھڑا رکھتے ہو، صحابہ کرامؓ نے تو ایسا نہیں کیا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ کل مولانا سمیع اللہ صاحب مشکاۃ شریف کے باب قیام اللیل کا درس دیں گے۔ اگلے دن درس دیا جس میں وہ روایات بیان ہوئیں کہ صحابہ کرامؓ جب بڑھاپے کی وجہ سے میدان جہاد میں گھوڑے کی پشت پر بیٹھ کر لڑنے سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے تراویح میں کھڑے ہونے کا مجاہدہ کیا اور ساری ساری رات قیام کرتے، اگر کھڑا ہونا مشکل ہوتا تو لکڑی کے ڈنڈوں کا سہارا لیتے۔ جب مولانا صاحب نے ان روایات کا

File Adress:

درس دیا تو مجھ سے کہنے لگے: یارا ڈاکٹر صیبہ! داخو پکے شتہ دے۔ (ڈاکٹر صاحب! یہ لمبی تراویح تو موجود ہے!!!) میں نے کہا کہ ہاں ناں! موجود تو ہے، میں اپنی طرف سے تھوڑی بنا رہا ہوں۔

رمضان کے مہینے میں ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لاتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن مجید کا ختم کرتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے تھے۔ حضرت قتادہؓ پہلے دو عشروں میں تین تین پاروں کا ختم فرماتے اور آخری عشرہ میں ہر رات پورے قرآن کے ختم کا معمول تھا۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ رمضان کے ایام میں نہ دن کو سوتے اور نہ رات کو۔ امام ابوحنیفہؒ نے تو چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، گویا ساری رات قیام کا معمول تھا۔ امام شافعیؒ کے بارے میں آتا ہے کہ ماہ رمضان میں دن رات کی نمازوں میں ساٹھ قرآن مجید ختم کرنے کا معمول تھا۔ ہمارے بزرگوں میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا معمول تھا کہ عام لوگوں کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے بعد سحری تک نوافل میں مختلف حفاظ سے قرآن سنتے۔ ہمارے حضرت مولانا محمد اشرف صاحب رحمہ اللہ کو کئی بدنی تکالیف تھیں، دل کے مریض جوڑوں کے مریض، پٹھوں کے مریض، دونوں پاؤں سے معذور، کانوں کے شنوائی کی تکلیف......لیکن اس کے باوجود تراویح میں کئی کئی ختم سنتے، ایک رات میں پورا قرآن مجید سنا، اسی معذوری کی حالت میں پورا قرآن ایک رکعت میں بھی سنا، زندگی کے آخری سال بھی چار ختم سنے۔ الحمدللہ ہماری خانقاہ میں بھی چار ختموں کا سلسلہ جاری ہے۔ تو بھئی اس کی ہمت کرنی ہے اور قرآن مجید سے دل لگانا ہے۔

۳......اعتکاف

تیسری چیز پھر اعتکاف ہے۔ اسلام میں رہبانیت تو نہیں ہے، دنیا کو چھوڑ دینا تو

File Adress:

نہیں ہے لیکن اصلاح کے لئے کچھ وقت چھوڑنا ضروری ہے جیسا کہ رمضان میں دس دن کے اعتکاف کی شکل میں کہا گیا ہے۔ اگر اتنی سُستی ہوگئی کہ ایک مسجد میں ایک آدمی بھی نہ بیٹھا تو سارے لوگ گنہگار ہو گئے۔ اتنی اہم چیز تھی کہ اس کے بارے میں کہا گیا کہ سارے ہی مسجد میں آکر بیٹھ جاتے، اکثر ہی مسجد میں آکر بیٹھ جاتے، کوئی بھی نہیں آتا اور علامتی طور پر ایک آدمی بھی نہیں بیٹھا تو اس پر اللہ پاک اتنا ناراض ہوا کہ سب گنہگار ہوئے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سال اعتکاف فرمایا ہے۔ ایک سال جہاد کی وجہ سے رہ گیا تھا تو اس کا وفات کے سال کفارہ کرتے ہوئے بیس دن کا اعتکاف کیا ہے اور ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پورے مہینے کا اعتکاف کیا ہے۔ اعتکاف پر پورا باب حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے لکھا ہوا ہے۔ اس کو پڑھیں۔

۴......صدقۂ فطر

پھر صدقۂ فطر مال کی شکل میں تقسیم کریں تا کہ غرباء کے دل بھی آپ کی طرف سے صاف ہوں اور وہ بھی آپ کے ساتھ شامل ہو کر زندگی کی دوڑ میں اکٹھے ہوں تا کہ زندگی آپ کی خوشگوار ہو ورنہ آپ تو کھا پی رہے ہوں مزے کر رہے ہوں اور دوسرا گروہ محرومیوں کا شکار ہو تو آپ کی زندگی اکیلی خوشگوار نہیں ہو سکے گی۔ ہمارے ہاں ہر جگہ پر معاشی عمل کو لیا گیا ہے، غرباء، فقراء، مساکین کے بارے میں ہر جگہ رعایت کی گئی ہے۔ رمضان میں بھی اُن کی رعایت کی گئی ہے۔ جب تک آدمی صدقہ فطر ادا نہیں کرے گا اِس کے روزے آسمان زمین کے درمیان لٹکتے رہیں گے، معلق رہیں گے اور قبول نہیں ہوں گے کیونکہ روزہ اِس نے رکھ کر اپنے اوپر تو پابندی لگا دی لیکن مال کی قربانی کر کے اس نے اپنی وفا کا ثبوت نہیں دیا۔

لہٰذا یہ چار اعمال ہیں جس کے نتیجے میں یہ روزہ تربیت کرتا ہے اور شخصیت میں ایک بات پیدا کرتا ہے تقویٰ، ایک بات پیدا کرتا ہے فرقانیت اور ایک بات پیدا کرتا ہے

File Adress:

مساکین اور غرباء کے لئے رحم و کرم۔اسی طرح پوری شریعت ہے جو کہ پورے انسانوں کی دنیا اور آخرت کے پورے مسائل کا حل ہے۔

یہ شارٹ کورس تھا جس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کو اس طریقے سے گزارو تا کہ اس کے نتیجے میں تمہارے اندر تقویٰ کی صفت پیدا ہو جائے۔ہم تو بس منہ بند کر کے شروع کر دیتے ہیں۔فضائلِ رمضان کو تو ہر آدمی نے تعلیم میں سننے سنانے اور گھر پر تعلیم کرنے کے علاوہ علیحدہ بیٹھ کر اس کو پڑھ کر ایک ایک بات پر غور کر کے پھر اپنے آپ کو دعوت دے کہ آیا تو نے اس کو اپنے اندر پیدا کیا ہے یا نہیں۔اس کو خوب غور و فکر سے پڑھ کر اور اس کی معلومات اور تعلیمات اور اس کے تقاضے اور اس کی دعوت کا اپنے آپ سے مطالبہ کرے کہ آیا تو نے اپنے اندر پیدا کیا کہ نہیں۔اس کے مطابق رمضان گزاریں پھر دیکھیں کہ اس کا کیا نتیجہ ہے۔

اعتکاف کی برکات

روزہ اور اعتکاف کا جوڑ رہے اس کے متعلق آپ کو دلچسپی کی ایک بات سنا دوں۔ ڈاکٹر حماد ہمارا ایک برخوردار ہے۔اس نے کہا کہ سر! پارٹ ون کا امتحان تو میں نے دے دیا، اب میں پاس ہو جاؤں۔میں نے کہا پاس ہونے کا تو ہمارے پاس ایک نسخہ ہے، اس کو اگر استعمال کرتے ہو۔میں نے کہا کہ تین دن کا اعتکاف کرنا ہے اور تین دن اعتکاف میں نفل روزے رکھنے ہیں اور کھانا سوکھی روٹی ہوتی ہے وہ بھی بغیر نمک کے اور سادہ پانی۔بس سوکھی روٹی اور پانی۔اس نے تین دن اعتکاف کیا اور اللہ کی شان کہ تین دنوں میں کل ملا کر آدھی روٹی کھا سکا ہے۔اعتکاف کے بعد مجھے میسج آیا کہ سر میں امتحان میں پاس ہو گیا ہوں۔میں نے کہا کہ یہ تو نفل روزے اور اعتکاف کے ادنیٰ اثرات و فوائد ہیں کہ اتنی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

File Adress:

ایک دوسرا اعتکاف میں اغوا ہونے والے لوگوں کے لئے کرایا کرتا ہوں۔ اس میں سورۃ نور کی ایک آیت اور سورۃ لقمان کی ایک آیت کا ورد کراتے ہیں۔ جتنے لوگوں کو کرایا ہے اللہ کے فضل سے بغیر پیسے دیئے چھوٹ کر آئے ہیں۔ ایک آدمی نے غلطی سے ایک لاکھ دے دیا تھا باقی سارے بغیر پیسوں کے چھوٹ کر آئے ہیں۔ ہمارا ایک شاگرد تھا ڈاکٹر 'انشاءُاللہ'۔ وہ پشاور ایک ڈینٹل سرجن معین کے ہاں مہمان ہوا۔ کھانا وغیرہ کھایا اور کافی دیر سے اس نے کہا کہ میں ابھی واپس لکی مروت جا رہا ہوں۔ معین نے روکا کہ بڑی دیر ہو رہی ہے۔ لیکن وہ نہ مانا اور چلا گیا اور راستے میں بیٹے سمیت اغواء ہو گیا۔ اس کی بیوی نے ٹیلیفون پر اطلاع دی۔ میں نے کہا: آپ اس کے لئے تین دن کا اعتکاف کر لے اور سورۃ نور اور سورۃ لقمان کی ان ان آیتوں کا ورد کرتی رہیں، اللہ خیر کرے گا۔ عورتوں کے لئے گھر میں آسان ہوتا ہے۔ اس نے اعتکاف کیا اور مجھے اطلاع آئی کہ انشاءُاللہ آزاد ہو گیا۔ میں نے اسے ٹیلیفون کر کے کہا کہ میں کوئی روایتی پیر تو نہیں، میں شکرانے نہیں مانگتا لیکن کم از کم شکر تو کرتے، شکرانہ نہ سہی شکریہ تو ادا کرو نا! تم نے شکریہ بھی ادا نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ میں ایم فل کر رہا تھا، وہاں چلا گیا تھا، فارغ ہو کر حاضر ہوتا ہوں۔

میں نے کہا: ہمیں اپنی آزادی کی داستان تو سناؤ۔ اس نے کہا کہ میں گردوپیش کے حالات کا جائزہ لیتا رہا۔ ایک دن ہم نے منصوبہ بنایا، میں نے اور بیٹے نے کوشش کی اور روشندان پر چڑھے، سحری کا وقت تھا۔ جب ہم نے وہاں سے چھلانگ لگائی تو آدمی تو ان کے سوئے ہوئے تھے ہی، ان کے کتے بھی نہیں جاگے۔ حالانکہ کتا بہت بیدار چیز ہے اور حرکت سے فوراً بیدار ہو جاتا ہے۔ اسی کام کے لئے پالا جاتا ہے۔ بس ہم نکل کر بھاگے۔ آگے آئے تو اصلی طالبان مل گئے۔ انھوں نے کہا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ واپس جاتے ہیں تو ہم ان سب کو پکڑ کر گرفتار کرتے ہیں۔ ہمیں اطلاع بھی ملی ہے کہ پنجاب کے کچھ لوگ

File Adress:

آئے ہوئے ہیں اور یہاں جگہ لے کر انھوں نے اغواکاری کے مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ پنجابی کمائی میں ہم سے زیادہ ہوشیار ہیں اور یہ تو کمائی کا آسان طریقہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ مجھے خیال ہوا کہ اللہ نے ایک دفعہ چھڑایا ہے کہیں پھر نہ پھنس جائیں۔ اس لئے ہم ان سے اجازت لے کر آ گئے۔

ایک شاگرد ہمارا اغوا ہوا۔ ان لوگوں کو میں نے اعتکاف کا کہا۔ انھوں نے پولیس والوں کو بتایا۔ پولیس نے کہا کہ یہ آدمی بھی بیچ میں شامل ہے (یعنی میں)۔ کچھ دن وہ اس غم میں رہے۔ میں نے ان سے کہلوایا کہ بیوقوفو! یہ اعتکاف تو کر لو چاہے میں اس میں شامل ہوں یا نہیں، وہ الگ مسئلہ ہے۔ انھوں نے اعتکاف کیا۔ میرے کبیر میڈیکل کالج کے ایک شاگرد نے خواب دیکھا کہ ایک قاری صاحب اس میں شامل ہے۔ لڑکا اچھا اور نیک تھا۔ میں نے کہا کہ آپ یہ خواب کسی طرح پولیس تک پہنچا دیں۔ تاج آباد کے محلے کی مسجد کا امام صاحب گینگ کا ممبر تھا۔ اس محلے میں ایک مکان میں اس کو رکھا ہوا تھا۔ پولیس نے چھاپا مارا۔ کراس فائرنگ ہوئی، دو آدمی مارے گئے اور بغیر پیسے دیئے ہمارا شاگرد آزاد ہو کر آیا۔ یہ برکتیں تو دنیا کی ہیں، بہت معمولی، نفل روزے اور نفل اعتکاف کی، اس پر جو اخروی رحمتیں برکتیں اللہ پاک نصیب فرمائے گا وہ تو سوچ سے ہی باہر ہیں۔ اس لئے عمل تو ہر آدمی کرتا ہے لیکن قیمت اس عمل کی ہے جو یقین کے ساتھ ہو۔ عمل کی قوت اس کے اندر کا یقین ہے۔ اس لئے یقین کی یہ مثالیں میں نے اس لئے بیان کیں کہ ان اعمال کو یقین کے ساتھ لے کر آگے چلیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ ساری دنیا کو آپ کے پیچھے چلنے پر مجبور فرمائے گا۔ اس کے لئے عمل کی نیت کریں۔

خانقاہ کا تربیتی اعتکاف

ہمارا رمضان کے آخری عشرے میں تربیتی اعتکاف ہوتا ہے، اس میں آ کر شامل

File Adress:

ہوں۔ ایمان عقائد سے لے کر باطنی صفات اور دین کی ضروریات تک ساری باتوں پر دس دن میں مختصر بحثیں ہوکر ایک ایسا شارٹ کورس ہم کروا لیتے ہیں کہ آدمی کے لیے ضروری دین کے واسطے کافی ہو جاتا ہے۔

تعلیمات، منصوبہ بندی اور عمل، تین چیزیں ہیں: ایک عمل ہوتا ہے اور ایک عمل میں کوشش ہوتی ہے، ایک عمل میں رگڑا ہوتا ہے اور کمالات رگڑے سے ملتے ہیں۔ ٹاپ (Top) وہ کیا کرتا ہے جو ساری رات کرسی پر بیٹھ بیٹھ کر سکڑ جاتا ہے۔

کاکول میں ہمارا ایک برخوردار ٹریننگ کر رہا تھا۔ اس نے اپنے حالات سنائے کہ دسمبر میں انسٹرکٹر کا حکم آیا کہ رات بارہ بجے فال اِن ہو جائے یعنی حاضر ہو جائے، وہ بھی صرف ایک نکر پہنے ہوئے۔ کہتا ہے کہ وہ ہمیں لے کر گیا اور ٹھنڈے پانی کے تالاب میں غوطے لگوائے، سب نے پانی میں چھلانگیں لگائیں، پھر وہاں سے نکالا اور ورزش کروائی یہاں تک کہ بدن سے پسینہ نکال دیا۔ پھر کہا کہ جا کر سو جاؤ۔ رات ایک بجے سلایا اور صبح کی نماز میں ساڑھے چھے بجے پھر حاضر۔ اس کو کہتے ہیں رگڑا۔ اس کے بعد پھر افسر بنتا ہے۔

دوسرا برخوردار کاکول میں ٹریننگ کے لئے گیا تھا۔ وہ جب آیا تو میں نے پوچھا ٹریننگ کیسی ہے۔ کہنے لگا: کیا بتاؤں کیسی ہے، عشاء کے وقت مجھے انسٹرکٹر نے بلایا۔ میں اس کے گھر گیا جو کہ اوپر کی منزل پر ہے۔ میں نے دستک دی اور کہا کہ رفیق آیا ہے۔ ایک گھنٹہ اس نے باہر کھڑے رکھا۔ خود اندر ڈبے پر تماشے دیکھ رہا تھا۔ ڈبے کا نام بھی میں نہیں لیتا کہ گندی چیز کا نام میں زبان پر کیوں لاؤں۔ ایک گھنٹے بعد انسٹرکٹر نے نکل کر کہا کہ تم آئے ہوئے ہو۔ میں نے کہا: جی سر! کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ ان سیڑھیوں سے لڑھکو، اس لئے بلایا تھا تمہیں۔ کہتا ہے: میں سیڑھیوں سے لڑھکا اور نیچے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: جی سر۔ اس نے کہا: بس اب چلے جاؤ۔ میں نے سوچا: اچھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسم کو بھی

File Adress:

رگڑا دیتے ہیں اور نفس کو بھی رگڑا دیتے ہیں، انا کو بھی توڑتے ہیں، تب افسری دیتے ہیں۔

میں نے دو سال کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں بھی پڑھایا ہے۔ وہاں میرے دو مہمان آ گئے۔ میں نے کہا: کھانا میرے ساتھ کھا کر جائیں۔ وہ ایک آدمی لائے تھے کہ اسے گردے کی تکلیف ہے، اسے دم کر دیں۔ یہ کاکول میں سلیکٹ ہوا تھا اور وہاں جو رگڑا ملا ہے تو اس کا گردہ خراب ہو گیا، اب علاج اور دم کے لئے لائے ہیں۔ میں نے کہا: پہلے کھانا کھاؤ۔ کھانے پر جو بیٹھے اور میرے بیرے نے کھانا رکھا تو اس مریض نے اس کو بے عزت کر دیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ افسر ابھی بنا نہیں ہے اور افسری شان اس کی ابھی سے ہو گئی ہے۔ میں نے دل میں سوچا کہ ابھی تو اس کا مرض کم ہے، یہ تو اور بیمار ہونا چاہئے۔ افسر ابھی بنا نہیں اور پشتو میں جو لفظ کہتے ہیں چہ پلانے وازی ای شروع کڑے دہ۔ وہ لفظ میں مسجد میں نہیں بولتا۔ اس کا تو ابھی علاج نہیں بلکہ مزید بیماری کا رگڑا ملنا چاہئے۔ یہ سفارشی لگ رہا تھا۔ جو سفارش پر کاکول آیا ہوتا ہے اس کے گردے، جگر یا دل پر رگڑے کا اثر آتا ہے۔ اسے کاکول کی ٹریننگ کا رگڑا ٹھیک کرتا ہے۔

اعتکاف میں بھی ہم رگڑا دیتے ہیں۔ ایک ختم کراتے ہیں چھے دن کا اور ایک کراتے ہیں تین دن کا۔ جب آدمی کی کمر دکھتی ہے اور ہڈیاں درد کرتی ہیں اور پٹھے کھنچتے ہیں۔ پھر آدمی کی روح میں نورانیت اور روحانیت آتی ہے۔ خوشحالہ تہ دہ کپڑی دکاندار ای، نن سبا سہ حال دے ؟ (خوشحال! تم کپڑے کے تاجر ہو، آج کل کیا حال ہے؟) خوشحال نے جواب دیا: 'کمر دکھ رہی ہے، پٹھے درد کر رہے ہیں، اتنا زیادہ گاہکوں کا رش ہے)۔ تو پیسہ تب ملتا ہے جب کمر ٹوٹتی ہے، پٹھے دکھتے ہیں۔ یہ ان کا سیزن ہوتا ہے۔ اسی طرح نیکیوں اور روحانیت کا سیزن رمضان ہوتا ہے، اس میں اگر تو رگڑا کھالے تو اللہ پاک جسمانی رگڑوں سے تمہیں محفوظ کرے گا۔ دنیا کی جسمانی مشقتوں، ذلتوں

File Adress:

اور پریشانیوں سے اللہ خلاصی دے گا۔ تُو اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کی تکلیف برداشت کر اور اللہ کے دین کے لئے گھر بار چھوڑنے کی تکلیف برداشت کر اور اللہ کے دین کے لئے سختیوں اور مشکلوں سے گزر تو پھر دیکھ کہ اللہ کیسے تمہارے مسئلے حل فرماتا ہے۔

میرا ایک دوست ہے ڈاکٹر حدیدُ اللہ۔ اس نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب سخت سردی میں افغانستان میں ہماری تشکیل تھی جن دنوں روس کے ساتھ جنگ ہو رہی تھی۔ ایک دن ہمارا پڑاؤ جہاں ہوا وہاں مجاہدین تھے۔ انھوں نے ہمیں ایک شامیانہ دے دیا۔ سخت سردی اور برف باری کے دن اور ٹھٹھر ٹھٹھر کر ہمارا برا حال ہو رہا تھا۔ ایک ساتھی نے کہا کہ کیا کریں اور رات کیسے گزاریں۔ دوسرے ساتھی نے کہا کہ مسئلہ یہ ہے کہ تم نے آتے ہی اپنی ضرورت کی فکر کی، اس لئے صرف سر چھپانے کی جگہ ہوگئی۔ اگر تم نے آتے ہی اللہ کے دین کی فکر کی ہوتی اور اپنی ضرورت کی فکر نہ کی ہوتی تو ہوسکتا ہے اس کی برکت سے اللہ ہماری ضرورت کو پورا کرتا۔ انھوں نے پوچھا اب کیا کریں۔ کہا کہ ہمیں سب سے پہلے ان کو دعوت دینی چاہئے۔ تشکیل ہوئی اور دو آدمی گئے۔ ان کے پاس بیٹھے اور تفصیلی دعوت ان کو دی۔ انھوں نے بات سنی پھر کہا: یا ہلکه! ده ملمانوں سه بندوبست کڑے دے تاسو؟ (بھائی تم نے مہمانوں کا کیا بندوبست کیا ہے؟) جواب ملا: دی الته سپر لاندے دی۔ (یہ وہاں چھپر کے نیچے ہیں) اس نے کہا کہ ان کو اندر لاؤ کمرے میں اور آگ جلاؤ۔ سب چیزوں کا بندوبست ہوگیا۔ ہم نے کہا: ان تنصر اللّٰہ ینصر کم تم مدد کروگے اللہ کی اللہ مدد کرے گا تمہاری۔ اللہ کو کھانے پینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ کی مدد اللہ کے دین کی مدد ہے۔ جب تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔

یہ واقعہ بھی آپ کو سنا دوں کیونکہ جن لوگوں کے ساتھ ہم بیٹھے وہ وفات پاگئے اور ان کے ساتھ یہ باتیں بھی دفن ہوگئیں۔ ۱۹۵۳ء میں لاہور میں مارشل لاء لگا، اتنا سخت کہ

File Adress:

اس میں کئی ہزار علماء وطلباء ختمِ نبوت کی تحریک میں شہید ہوئے ہیں اور غلام محمد جو اس وقت گورنر جنرل تھا، یہ سب اس کے حکم سے ہوا ہے۔ بعد میں جب اس کی قبر کھولی گئی تو اس میں سانپ نکلا ہے اور وہ ایسا پھنکارتا تھا کہ اس کو کوئی مار نہیں سکتا تھا۔ قبر پھر بند کر دی گئی۔ اس سخت ماشل لاء میں بلال پارک میں تبلیغی اجتماع تھا۔ اجتماع کا مشورہ جب بیٹھا تو ایک صاحب نے کہا کہ یہاں تو مارشل لاء ہے، اجتماع کیسے ہوگا۔ جب کہ چار آدمی اکٹھے کھڑے نہیں ہو سکتے، اب کیا کریں گے، ایک آدمی نے کہا کہ مارشل لاء والوں سے اجتماع کی اجازت لے لو۔ دوسرے آدمی نے کہا کہ ان سے اجازت نہ لو بلکہ جا کر ماشل لاء والوں کو اجتماع کی دعوت دو۔ جب اجتماع میں آ گئے تو اجازت بھی ہوگئی اور آدمی بھی آ گئے۔ اگر نہ آئے اور ہم اجتماع تو کریں گے اور انھوں نے پوچھا: کیوں کیا تو ہم کہیں گے کہ ہم تو آپ سے بات کرنے آئے تھے، آپ نے تو ہمیں نہیں روکا تھا کہ اجتماع نہ کرو۔ اگر انھوں نے دعوت کے جواب میں کہا کہ اجتماع نہ کرو پھر دیکھی جائے گی۔

مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو جا کر دعوت دی تو اُس کا اِس بات کی طرف خیال ہی نہیں ہوا۔ اس نے کہا کہ جی میں اجتماع میں آؤں گا۔ یہ میجر جنرل حق نواز تھا جو اس وقت غالباً بریگیڈیئر تھا۔ اس کے پھر چار مہینے لگے ہیں۔ اس نے پھر خود بعد میں ہمیں یہ بات سنائی کہ جب میں بیان میں بیٹھ گیا تو دیکھا کہ ایک درمیانے قد کا آدمی ہے، بھاری بدن ہے، میلے سے کپڑے ہیں اور بیان کر رہا ہے۔ میں نے سوچا مولوی صاحب ہے، کچھ لگا ہوا ہوگا، میں ادھر اُدھر دیکھ رہا ہوں اور اس کی بات کی طرف میری کوئی توجہ نہیں تھی۔ یہاں تک کہ اس نے گرج کر کہا کہ اگر تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذاتِ ذوالجلال کا یقین پیدا ہو جائے تو دُشمن کے ٹینک تمہیں پھدکتے ہوئے مینڈک نظر آئیں۔ میں فوجی آدمی تھا۔ جب ٹینک اور دُشمن اور پھدکتے مینڈک میں نے سنا تو میرا دل لگ گیا اور میرا چہرہ اس کی طرف پھر گیا۔

File Adress:

کہتے ہیں کہ بس پھر جو بیان سنا تو زندگی ہی بدل گئی۔ پھر ایوب خان کے زمانے میں PADC کے چیئرمین رہے ہیں۔ یہ ایگریکلچر ڈیویلپمنٹ کارپوریشن کوئی ہوتی تھی۔ پہلی جماعت جس نے یورپ کا پیدل سفر کیا ہے اس کے امیر یہ تھے۔ بیٹے کو انھوں نے عالم بنایا۔ ظہور نام تھا، ہمارا ہم عمر تھا۔ بعد میں حادثے میں شہید ہو گیا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے تجھے دین کی وہ دولت نصیب فرمائی ہے کہ اگر تو دنیا کے پاس اس کی دعوت لے کر جائے تو وہ ان کو ہلا کر رکھ دے گی۔ اور جہنم کی ہولناکیاں ان کے سامنے آئیں تو سارے فسق و فجور اور گناہوں کے نقشے ٹوٹ جائیں گے اور اللہ پاک ان کو اسلام کی دولت نصیب فرمائے گا اور عمل کی توفیق نصیب فرمائے گا۔ اور اس کا سارے کا سارا اجر و ثواب تیری جھولی میں ہوگا۔ اس کے لئے ہمت کریں۔

ہمارے پاس اعتکاف کے لئے جو ساتھی آنے والے ہوں وہ بھی ہمت کریں۔ دس دن ہمارے ساتھ گزاریں۔ زندگی بار بار آنے والی نہیں ہے۔ حاجی عجب گل کرک کے ہمارے ایک دوست تھے، ان پڑھ آدمی تھے، وہ بیان کرتے تھے کہ 'بچیہ درب واخہ نہ ای چہ بیا بیا بہ ذرغون شی دنیا تہ فقط یو زل راتلل دی' بیٹا درب گھاس نہیں ہو کہ ہر سال پیدا ہوتے رہو گے، دنیا میں تو فقط ایک دفعہ ہی آنا ہے۔ بس پھر چلے جانا ہے۔ جو کچھ کیا ہو اس کو ساتھ لے کر جانا ہے۔ اس کے لئے فکر کریں۔ اللہ پاک آپ کے ختم اور کوششوں کو قبول فرمائے۔ تقویٰ کی زندگی کی نیت کریں اور اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

File Adress:

انوارِ ربانی اور ان کے محل

File Adress:

کعبۃ اللہ پر ہر وقت مسلسل تجلیات وانوارات کی بارش جاری رہتی ہے۔ انسان ظاہر پرست ہے۔ اسی وجہ سے اللہ پاک نے اس کو صورتِ کعبہ عطا فرمائی۔ اور حقیقتِ کعبہ تو ذاتِ ذوالجلال کی وہ تجلیات ہیں جو اس جگہ آتی ہیں اور انسان کے باطن کا ذاتِ ذوالجلال کی ان تجلیات کے ساتھ جو تعلق ہے وہ حقیقتِ کعبہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور دیکھا کہ ایک عورت بدحال، مجذوبیت کی حالت میں، برے حال میں ہے، وہ بھی طواف کر رہی تھی۔ ان بزرگ کو حیرت ہوئی کہ یہ کون ہے؟ تو وہ عورت بہت زیادہ معرفت والی تھی، اُس نے کہا کہ تُو اللہ کا طواف کرتا ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ وہ بولی کہ یہ کیا طواف ہوا! یہ تو محض ظاہری صورت ہے، طواف تو ذاتِ ذوالجلال کا ہے! اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جس نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اس نے گویا اللہ پاک کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا ہے۔

سنگِ سیاہِ در جو تھا، دستِ مصافحہ بنا
جھانک رہی ہیں حقیقتیں پردۂ مجاز میں

خطبۂ ماثورہ، امابعد!

دینی مراکز: نزول رحمت کے مقامات

محترم ومکرم حضرات سامعین! جہاں دین کا کام ہوا ہوتا ہے، قال اللہ وقال الرسول اور اللہ کا ذکر ہوتا ہے، لوگ اخلاص سے جمع ہوئے ہوتے ہیں، توبہ تائب ہوئے ہوتے ہیں، ایسے مقامات رحمت کے مراکز ہوتے ہیں۔ رحمت کے ان مراکز میں جو بھی قدم رکھے گا، اسے وہاں کی انوار وبرکات سے ضرور کچھ نا کچھ حصہ اپنے ظرف اور استعداد کے مطابق ملتا رہے گا۔

روضہ مبارک: انوار الٰہی کا منبع

بعض مقامات تو ایسے ہیں، جن کو اللہ کی نشانیاں کہا گیا ہے، ان پر تو ہمہ وقت انوارات الٰہیہ کی بارش جاری رہتی ہے۔ ان مقامات کا سردار روضہ مبارک ہے، جہاں نازل ہونے والے انوارات کا زور اور قوت سب سے زیادہ ہے۔ ہمارے اکابر نے اس عقیدے کو صراحت سے بیان کیا ہے، کہ روضہ طیبہ کی وہ مٹی جس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک لگا ہوا ہے وہ عرش وکرسی اور بیت اللہ سے افضل ہے۔ بیت اللہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت یعنی اللہ کا گھر ہونا نسبت تشریفی ہے یعنی اس کی عظمت اور شرافت کے اظہار کے لیے ہے یہ نسبت حقیقی نہیں کہ نعوذ باللہ یہ کوئی اللہ تعالی کا مکان ہے اور وہ اس میں رہتے ہوں، جب کہ روضہ طیبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی نسبت حاصل

File Adress:

ہے۔

حقیقت کعبہ: انوارات وتجلیات

انوارات وبرکات کے نزول کا دوسرا بڑا مرکز بیت اللہ شریف ہے۔ کعبۃ اللہ پر ہر وقت مسلسل تجلیات وانوارات کی بارش جاری رہتی ہے۔ انسان ظاہر پرست ہے۔ اسی وجہ سے اللہ پاک نے اس کو صورتِ کعبہ عطا فرمائی۔ اور حقیقتِ کعبہ تو ذاتِ ذوالجلال کی وہ تجلیات ہیں جو اس جگہ آتی ہیں اور انسان کے باطن کا ذاتِ ذوالجلال کی ان تجلیات کے ساتھ جو تعلق ہے وہ حقیقتِ کعبہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ طواف کر رہے تھے اور دیکھا کہ ایک عورت بدحال، مجذوبیت کی حالت میں، برے حال میں ہے، وہ بھی طواف کر رہی تھی۔ ان بزرگ کو حیرت ہوئی کہ یہ کون ہے؟ تو وہ عورت بہت زیادہ معرفت والی تھی، اُس نے کہا کہ تُو اللہ کا طواف کرتا ہے کہ بیت اللہ کا طواف کرتا ہے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم تو بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں۔ وہ بولی کہ یہ کیا طواف ہوا! یہ تو محض ظاہری صورت ہے، طواف تو ذاتِ ذوالجلال کا ہے! اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جس نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا اس نے گویا اللہ پاک کے داہنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے فرمایا ہے۔

سنگِ سیاہِ در جو تھا، دستِ مصافحہ بنا
جھانک رہی ہیں حقیقتیں پردۂ مجاز میں

یعنی مجاز کے پردے میں اس کی حقیقت جھانک رہی ہے۔ دروازے کا سیاہ پتھر جو تھا، حجرِ اسود، وہ ہاتھ بنا جس سے ہاتھ ملایا جاتا ہے۔

تو کیا تجھے کبھی محسوس ہوا کہ اب میرا مصافحہ ہوا اور میں نے ذاتِ ذوالجال کے داہنے ہاتھ کو چوما! سبحان اللہ! یہ کیفیت اگر تجھے نصیب ہو جائے تو وہاں پر تیری جان نکل جائے! دنیا کے مُردار محبوب، جن کو اگر مرنے کے بعد تین دن گزر جائیں تو اتنی بدبو اور تعفن

File Adress:

ہو کہ دیکھنے کے قابل ہی نہ رہیں اور وہاں پر کھڑا ہونے کی گنجائش نہ رہے، کو چومنے میں تجھے اتنا لطف آتا ہے کہ تو اس کے لئے جان دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ تو اس سارے حسن و جمال کو جس ذاتِ ذوالجلال نے پیدا فرمایا ہے اس کے دائیں ہاتھ کے چومنے کی کیفیت! سبحان اللہ! تو یہ حقیقتِ کعبہ ہے۔

فرمایا کہ حطیم، حجرِ اسود اور بیت اللہ شریف کے دروازے کے درمیان جو جگہ ہے، یہ چمٹنے کی جگہ ہے، اس پر چمٹ کر دعا مانگتے ہیں۔ سارے بزرگوں نے لکھا ہے کہ حطیم پر ہم نے جو دعا مانگی قبول ہوئی کیونکہ وہ قبولیتِ دعا کی خاص جگہ ہے۔ اور غلافِ کعبہ کو پکڑنا ایسا ہی ہے گویا اُس خاص ہستی جس سے بہت زیادہ فوائد مفادات ملنے کی اُمید ہو اُس کا دامن ہاتھ میں آ گیا ہے اور اُسے پکڑ لیا ہے۔ اگر تجھے یہ بات نصیب ہو جائے تو تیری تو جان نکل جائے!

دل کو تھاما اُن کا دامن تھام کے
ہاتھ نکلے دونوں اپنے کام کے

کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک بزرگ گئے تو اُنھوں نے بیت اللہ شریف کو وہاں پر نہ پایا۔ اُنھوں نے سوال کیا کہ میں بیت اللہ شریف کو یہاں پر نہیں پا رہا ہوں۔ جواب ملا کہ ایک بوڑھی عورت آ رہی ہے اور بیت اللہ اُس کے استقبال کو گیا ہوا ہے۔ ان کو بڑی حیرت ہوئی۔ پھر پتہ چلا کہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا تشریف لا رہی ہیں۔ اب ظاہر بین کہتے ہیں کہ جب عقل ماری جاتی ہے اور فہم ختم ہو جاتا ہے تو پھر آدمی ایسی اول فول باتیں کرتا ہے کیونکہ کعبہ تو وہاں پر موجود تھا، سب لوگ دیکھ رہے تھے اور نعوذ باللہ یہ ایسی بات کہتے ہیں کہ کعبہ وہاں نہیں تھا! ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ صورتِ کعبہ تو وہیں پر تھی، یہ تذکرہ حقیقتِ کعبہ کا ہے۔ حقیقتِ

File Adress:

کعبہ تو وہ انوارات اور تجلیات ہیں جن کا اس مقام پر نزول ہوتا ہے اور حقیقتِ کعبہ تو قلب کا وہ تعلق ہے جو ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ ہے، جس کے لیے یہ محل یہ جگہ بنا دی گئی ہے کہ رُخ یہ ہے، جگہ یہ ہے، بس اس کی جانب رخ کرنا ہے۔ یعنی حقیقتِ کعبہ ذاتِ ذوالجلال کے ساتھ جڑ جانا ہے کہ دل سے ساری مخلوق کا رعب نکل گیا، ساری مخلوق کا خوف نکل گیا، ساری مخلوق کی محبت نکلی ہوئی اور بس فقط اللہ پاک کی محبت، اللہ پاک کے رعب، اللہ پاک کے خوف میں آیا ہوا، اللہ پاک کی محبت چھائی ہوئی اور سمائی ہوئی، یہ حقائق ہیں۔ یہ حقیقتِ کعبہ ہے جو قلب میں داخل ہوتی ہے اور اس بات کے لیے اجتماع کی جگہ، جمع ہونے کی جگہ اور ایک رُخ متعین ہو گیا۔ اس لیے قربِ قیامت میں حقیقتِ کعبہ پہلے اُٹھ جائے گی پھر عمارت کعبہ کو اُٹھا دیا جائے گا، کہ لوگوں کا اللہ کی ذات کے ساتھ جو تعلق تھا اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

رائیونڈ مرکز کی جگہ پر شاہ دولہؒ کا مشاہدۂ انوارات

ایک دفعہ میں رائیونڈ میں حضرت مولانا ظاہر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ اس وقت رائیونڈ کے امیر تھے۔ بھائی عبدالوہاب اور بھائی مشتاق صاحب وغیرہ کو بزرگوں نے ان کی ماتحتی میں کام کرنے کے لئے بٹھایا ہوا تھا۔ ظاہر شاہ صاحبؒ بہت بزرگ شخصیت تھے۔ آپ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلیفہ تھے اور ہمارے حضرت شاہ عبدالعزیز دعاجو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بھی خلیفہ تھے۔ سادات خاندان سے بھی تھے، گہرے علم وتقویٰ والے اور زبردست فہم وفراست والی شخصیت تھے۔ ہم ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک طرف سے ڈھول کے بجنے کی آواز آنے لگی۔ انھوں نے پوچھا کہ آپ کو آواز آئی؟ ہم نے کہا جی۔ کہا کہ جانتے ہو یہ کیا آواز ہے؟ پھر فرمایا کہ یہ شاہ ابوالمعالی صاحبؒ کا عرس ہے۔

File Adress:

شاہ ابوالمعالی صاحبؒ لاہور میں دفن ہیں اور بہت اونچے درجات والے بزرگ ہیں۔آپ ایک دفعہ شاہ دولہؒ سے ملاقات کے لئے گجرات تشریف لے گئے۔شاہ دولہؒ گجرات کے ایک بازار میں شیشوں والا چوک میں دفن ہیں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے براہِ راست خلیفہ ہیں۔آپ ہندوستان میں قادریہ سلسلہ کے پہلے آدمی ہیں اور یہاں قادریہ سلسلہ آپ کے ذریعے سے پھیلا ہے۔جب شاہ ابوالمعالیؒ وہاں پہنچے ان سے ملاقات کے لئے تو شاہ دولہؒ وہاں موجود نہیں تھے۔پتا چلا کہ وہ رائے پنڈ گئے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کی ایک قوم راجپوت ہے۔ان کو رائے بھی کہتے ہیں۔راجپوتوں میں ہندو بھی ہیں، مسلمان بھی ہیں اور سکھ بھی۔تو رائے پنڈ کا مطلب راجپوتوں کا قصبہ ہوا۔حضرت شاہ دولہؒ رائے پنڈ گئے ہوئے تھے۔حضرت شاہ ابوالمعالیؒ بھی ان سے ملاقات کے لئے گجرات سے رائے پنڈ روانہ ہوگئے۔پہنچے تو دیکھا کہ اک خالی بیابان علاقہ ہے اور یہ بزرگ وہاں بیٹھے مراقب ہیں، ان سے ملاقات ہوئی۔پوچھا کہ آپ یہاں کس لئے تشریف لائے ہیں۔شاہ دولہؒ نے فرمایا کہ یہاں تو بے انتہا انوارات کا نزول ہو رہا ہے اور میں ان انوارات سے استفادہ کے لئے یہاں مراقب ہونے آیا ہوں۔مولانا ظاہر شاہ صاحبؒ نے بتایا کہ وہ یہی جگہ ہے جہاں ہمارا رائیونڈ مرکز بنا ہوا ہے۔زمانہ گزرنے کے ساتھ رائے پنڈ بدل کر راوئیونڈ ہوگیا۔تو اتنا عرصہ پہلے سے یہاں انوارات کا نزول شروع ہوگیا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی جگہ سید احمد شہیدؒ کا مشاہدۂ انوارِ حدیث

سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ ایک بار دیوبند کے قصبے پر گزر رہے تھے۔اس کا پرانا نام دیوی بانا ہے جو کہ ہندوؤں کی کسی دیوی سے منسوب ہے۔اس وقت دیوی بانا کوڑا کرکٹ کا ایک ڈھیر تھا۔سید صاحب جب یہاں سے گزرے تو فرمایا کہ یہاں سے علم کی خوشبو آرہی

File Adress:

ہے۔ اس جگہ پر دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ۱۸۶۶ء میں ہوئی ہے جب کہ ان کا گزر وہاں سے غالباً کہیں ۱۸۲۴ء میں ہوا ہے۔ تو اتنا عرصہ پہلے فرمایا کہ اس ڈھیر سے علم کی خوشبو آ رہی ہے۔

بزرگوں کے مدفن پر نزول انوار کا مشاہدہ

میں عرض کر رہا تھا کہ جہاں دین کا کام ہو رہا ہو یا مستقبل میں ہونا ہو وہاں رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ہمارے حضرت مولانا فقیر محمد صاحبؒ حضرت تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔ پشاور کے مضافات میں ان کا گاؤں ہے لنڈی ارباب۔ ان کی وفات ہوئی تو مشورہ ہوا کہ تدفین کہاں ہو۔ ایک قبرستان گھر کے سامنے تھا اور ایک ان کی اپنی ہی جگہ تھی جس کے ساتھ ملحقہ مسجد بھی تھی۔ حاجی ایوب پشاور کے ایک عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ بزرگوں کے ساتھ ان کا بہت وقت گزرا تھا، ان کی بہت خدمتیں کیں، انھوں نے تبلیغی جماعت میں بہت کام کیا ہوا تھا۔ وہ آئے تو انھوں نے مسجد کے عقب میں ایک جگہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ حضرت صاحب اس جگہ دفن ہوں گے۔ کسی نے پوچھا کہ کیوں؟ تو کہا کہ میں نے بڑے عرصے تک ایک مجذوب کو دیکھا ہے کہ آ کر یہاں مراقب ہوتا تھا کہ اس جگہ انوارات کا نزول ہوتا ہے لہٰذا حضرت صاحب یہاں دفن ہوں گے۔

پشاور یونیورسٹی میں بھی ایک قبرستان ہے۔ وہاں ایک پیر تھا جو نماز پڑھتا نہ روزہ رکھتا، قوالی کرواتا تھا، لوگ آتے اور رونا دھونا کرتے اور چھلانگیں لگاتے اور پھر اس کے قدموں میں سر رکھا ہوا ہوتا۔ یہ اس کا سلسلہ تھا اور بہت بڑی گمراہی پھیلا رہا تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے قبرستان میں ایک جگہ کی نشاندہی کر دی کہ یہاں پر میرا مزار بنایا جائے۔ سرکاری زمین پر اپنے لئے مرنے سے پہلے ہی مزار بنوالیا۔ ایک قبر کی جگہ اگر مانگتا اور وہ دے دیتے تو چلو ٹھیک، اس نے تو پورا مزار بنالیا اور اتنی بڑی جگہ گھیر لی۔ یونیورسٹی میں کچھ

File Adress:

لوگ تھے، انھوں نے کہا کہ یہ تو پہلے ہی اتنی بدعات اور گمراہی پھیلا رہا ہے، اب مزار بھی بن گیا، کل کو یہاں پر ڈھول باجے بھی شروع ہو گئے تو پھر کیا کریں گے؟ بس چند آدمی گئے اور تعمیر گرا دی۔ بعد میں اسی جگہ حضرت مولانا صاحب دفن ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیر کو کشف ہوتا تھا۔ کشف کوئی بزرگی کی علامت تو ہے نہیں، اہل باطل کو بھی ہوتا ہے، کفار کو بھی ہوتا ہے۔ اس نے کشفاً یہ انوارات والی جگہ معلوم کر لی تھی لیکن خود چونکہ اہلِ باطل میں سے تھا اس لئے اس کی جگہ یہاں نہیں تھی۔ وہ تو جس نے وہاں آنا تھا اس کے انوارات نظر آ رہے تھے۔ تو جن جگہوں پر دین کا کام ہوا ہو یا ہو رہا ہو یا ہونے والا ہو، یا وہاں اللہ والوں کے اجساد دفن ہوں تو وہاں انوارات کا نزول پہلے سے شروع ہو جاتا ہے۔ جن لوگوں کا قلب روشن ہو اور صاحب ادراک ہوں تو وہ ان انوارات کو محسوس کر لیتے ہیں۔

ہمارا ۱۹۸۰ء میں ایک سفر ہندوستان کا اپنے شیخ حضرت مولانا محمد اشرف صاحبؒ کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں ہوا تھا۔ اس سفر میں ہم سلیم چشتیؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے۔ حضرت سلیم چشتیؒ عہد اکبری کے ان اولیاء میں سے تھے جنہوں نے اپنے خاص مرید ملا دو پیازہؒ کو اکبر کے دربار میں مقرر کیا ہوا تھا کہ اپنی ظرافت سے اکبر کو قابو کیے رکھیں تا کہ یہ اپنے منہ سے ہندو ہونے کا اقرار نہ کر لیں۔ کیونکہ ہندو اس بات کی پوری کوشش میں تھے اور بیربل جیسے شاطر وزیر کو دربار میں بٹھایا ہوا تھا کہ اکبر کو ہندو بنا لیں۔

ایک بار ایک ہندو جوگی اکبر کے دربار میں کرتب دکھانے آیا، وہ زمین میں دھنس کر غائب ہو جاتا اور دوسری جگہ نکل آتا، ملا دو پیازہؒ نے یہ دیکھا تو حضرت سلیم چشتیؒ کو پیغام بھیجا کہ آپ بذات خود تشریف لے آئیں ورنہ اس جوگی نے تو ایسا کھیل شروع کر رکھا ہے کہ اکبر اسے متاثر ہو رہا ہے اور خطرہ ہے کہ اکبر اس کے حق ہونے کا اعلان نہ کر دے۔

File Adress:

حضرت سلیم چشتیؒ کا اکبر بھی قدردان تھا، جب وہ دربار میں تشریف لائے، تو اکبر نے کھڑے ہو کر استقبال کیا، اور کہا کہ حضرت! آیئے آیئے، تشریف رکھیے۔ دیکھیں! یہ جوگی کیسے عمدہ کرتب دکھا رہا ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ کیا کرتب ہے؟ اکبر نے کہا کہ عجیب بات ہے زمین میں غائب ہوتا ہے اور دوسری جگہ نکل آتا ہے۔ فرمایا: ان سے کہہ دیں کہ ابھی دکھائیں۔ اکبر نے جوگی سے کہا تو حسب معمول زمین میں دھنس کر غائب ہو گیا، حضرت سلیم چشتیؒ اپنی جگہ سے اٹھے اور جا کر اس جگہ پر قدم رکھ دیا اور فرمایا کہ ابھی ان سے کہہ دیں کہ نکل آئیں۔ بڑی آوازیں دی گئیں لیکن جوگی پھر نہ نکل سکا اور ہمیشہ کے دھنس کر رہ گیا۔ تو اس پایہ کے بزرگ تھے۔ ان کے مزار پر بڑی بڑی دو دیگیں بنی ہوئی ہیں، جن میں کئی سو من چاول پکا کرتے تھے۔

تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ جب ہم ان کے مزار پر حاضر ہوئے، تو وہاں بدعت پرستوں نے اپنا تماشا کیا ہوا تھا۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو تھوڑی دور حضرت مولانا اشرف صاحبؒ نے فرمایا کہ ان کی قبر پر نازل ہونے والے انوارات یہاں سے محسوس ہو رہے ہیں۔ قبر کے قریب شاید اس لیے محسوس نہیں ہوئے کہ وہاں بدعات کی ظلمات تھیں۔

پشاور سے چند میل باہر چغر مٹی کے علاقہ میں حضرت سنان بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، یہ صحابیؓ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہاں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ ہمارے حضرت مولانا اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کی قبر پر نازل ہونے والے انوار، انوارِ ولایت سے اونچے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدفون صحابی ہی ہو سکتے ہیں۔

کلام الٰہی اور احادیث مبارکہ کے انوارات

دینی مقامات پر انوار کے نزول کی وجہ وہاں کے اعمال اور اللہ والوں کا وجود ہوتا

File Adress:

ہے۔ جہاں قرآن مجید پڑھا جاتا ہو، وہاں بھی انوارات کا مسلسل نزول رہتا ہے۔ وحی الٰہی کے انوارات بہت ہی قوی ہوتے ہیں۔ نزول وحی کے بوجھ اور ثقل کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہوا ہے کہ آپ جس اونٹنی پر سوار ہوتے وحی اترتے وقت وہ اس بوجھ سے جھکنے لگتی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ران مبارک پر سر ہوتا تو نزول وحی کے وقت ران ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی۔

آج بھی جب حفاظ کرام تراویح میں پڑھتے ہیں اور کوئی معنی کو سمجھ رہا ہو تو ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ چیخ مار کے ابھی دل پھٹ جائے، ہمارے بزرگوں میں مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی تھے، سلسلہ نقشبندیہ کے کامل شیخ تھے اور دیوبند کے پہلے مہتمم مولانا رفیع الدین صاحب کے خلیفہ تھے۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے لکھا ہے کہ ایک بار مفتی صاحبؒ نماز پڑھا رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے کہ "وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْن" تو ایسا حال طاری ہوا کہ بار بار اسی آیت کو دہراتے رہے، پیچھے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دیگر اکابر کھڑے تھے، سب پر اس آیت سے ایسا گریہ طاری ہوا کہ چیخ و پکار شروع ہوگئی، بعض تو بے حال ہو کر گر گئے، نماز ٹوٹ گئی اور ایسے لوگوں نے دوبارہ وضو کر کے شرکت کی۔ تو یہ انوارات کا زور ہوتا ہے جو کہ کبھی اس شدت سے آتے ہیں کہ ان کی برداشت نہیں ہوتی۔

حدیث کے انوارات کا بھی اپنا رنگ ہے۔ ایک بار ایک عالم دین عبداللہ سماسیؒ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، حضرت عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ بھی سن رہے تھے، انہوں نے احادیث بیان کیں۔ بعد میں حضرت دباغؒ نے ان سے کہا کہ برخوردار! آپ نے جو فلاں عبارت کو حدیث کہا وہ حدیث نہیں، آپ جا کر تحقیق کر لیں۔ چونکہ وہ اہل حق تھے اس لیے جا کر تحقیق کی، یہ نہیں کہا کہ عام ان پڑھ آدمی ہے، اس کے کہنے کا کیا اعتبار ہے۔ تحقیق

File Adress:

پر معلوم ہوا کہ وہ تو واقعتاً حدیث نہیں ہے۔ وہ حضرت دباغؒ کے پاس حاضر ہوئے اور ان سے پوچھا کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ یہ حدیث نہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ جب خطبہ میں کوئی آیت پڑھتے تو اس کے اپنے انوارات ہوتے، جب کوئی حدیث بیان کرتے تو اس میں جدا انوارات ہوتے، اس عبارت میں حدیث کے وہ انوار نظر نہیں آئے، اس لیے میں نے آپ سے کہا کہ یہ حدیث نہیں۔ تو ایسے اللہ والے ہوتے ہیں جنہیں قرآن و حدیث کے انوار محسوس ہوتے ہیں گو کہ ان کے پاس قرآن وحدیث کا ظاہری علم نہ ہو۔ اس پر حضرت عبداللہ سماسیؒ ان سے بیعت ہوئے اور اللہ کے تعلق کے راز ان سے سیکھے۔

ایک بار ہمارے قاضی فضل واحد صاحب نے واقعہ سنایا کہ حضرت قیسؓ جب افغانستان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سے معجزۃً ایک جملہ پشتو میں فرمایا: قیسہ دا غشے واخلہ او لیندہ کے کیگدہ۔ قیس! یہ تیر لے کر کمان میں رکھ لو۔ یہ جملہ سنتے ہی فقرا میں سے ایک شخص نے چیخ ماری۔ پوچھا گیا کہ یہ کیوں؟ تو کہا کہ اس جملے سے تو حدیث کے انوار ظاہر ہو رہے تھے، اس وجہ سے یہ کیفیت طاری ہوئی۔

حصول انوار کا ذریعہ: اصلاح کامل

جس طرح ان چیزوں پر انوارات کا نزول ہوتا ہے یاد رکھیں کہ نسان کا باطن بھی ان انوارات ربانیہ کا محل اور مقام بن سکتا ہے۔ اس کے اندر یہ انوارات ذخیرہ ہو سکتے ہیں، اس کا دل، اس کی روح، اس کا بول ان انورات کا منبع بن سکتے ہیں۔ لیکن اس کے لیے اصلاح کامل کی محنت کرنی ہوتی ہے۔ انسان جب ایمان اور عمل کی کامل دولت پاتا ہے اور بزرگوں کی صحبت اور تربیت میں اس کی رگڑا رگڑی ہوتی ہے تو وہ اپنے اندر ایک قسم کا نور محسوس کرتا ہے۔ یہی نور اعمال خیر پر محرک بنتا ہے اور انسان کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ ہر لمحہ اللہ

File Adress:

کے دھیان میں مگن رہے وہ جس کام میں لگا ہو ہاتھ کام میں ہوتا ہے اور دل کی توجہ ذات ذوالجلال کی طرف ہوتی ہے، توجہ کا مطلب یہ ہے کہ اس کام میں اس کو اتنا استحضار اللہ تعالیٰ کا حاصل ہوجاتا ہے کہ خلاف شریعت کوئی چیز اس سے سرزد نہیں ہوتی۔ جہاں نفس وشیطان وار کرنا چاہیں اس کا باطن فوراً بیدار چوکیدار کی طرح انہیں قابو کر لیتا ہے، یہ قوت اور استعداد کامل اصلاح کے بعد ملتی ہے، جب انسان کا باطن بنتا ہے، اس کے دل میں یہ انوارات آتے ہیں تو وہ قرآن کے، حدیث کے، روضہ پاک کے، بیت اللہ کے، مقامات مقدسہ کے، بزرگوں کی مجالس کے، علوم دینیہ کے اور دینی مراکز کے انوارات قبول کرنے کا اہل ہوجاتا ہے ورنہ برکت کے لیے تو بڑے لوگ آتے جاتے ہیں کچھ فائدہ تو عارضی اور وقتی طور پر ہوجاتا ہے لیکن ان انوارات سے کامل استفادہ اسی وقت ممکن ہے جب خود کو ان سے فائدہ اٹھانے کا اہل بنایا جائے اور وہ اسی وقت ہوگا، جب اصلاح نفس کے لیے تو خود کو آمادہ کرے اور تربیت سے گزرنے پر اپنے آپ کو تیار کرے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ یہ نور عطا کرے گا۔ یہ نور ایک 'قوت فرقان' ہے، یعنی انسان کو اللہ تعالیٰ پرکھ کی ایسی قوت عطا فرماتے ہیں کہ وہ حق اور باطل میں امتیاز کر لیتا ہے کہ یہ حق ہے اور یہ باطل۔ یہ بھلائی ہے اور یہ برائی۔ اس میں اللہ تعالی کی منشاء شامل ہے اور یہ اللہ تعالی کی منشاء کے خلاف ہے۔ بخاری اور مسلم شریف میں ایک دعا آئی ہے جو مناجات مقبول میں حضرت تھانویؒ نے لکھی ہے، جس میں اللہ تعالیٰ سے اسی نور کا سوال ہے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْراً وَفِیْ بَصَرِیْ نُوْراً وَفِیْ سَمْعِیْ نُوْراً وَعَنْ یَمِیْنِیْ نُوْراً وَعَنْ شِمَالِیْ نُوْراً وَخَلْفِیْ نُوْراً وَمِنْ اَمَامِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ لِیْ نُوْراً وَفِیْ عَصَبِیْ نُوْراً وَفِیْ لَحْمِیْ نُوْراً وَفِیْ دَمِیْ نُوْراً وَفِیْ شَعْرِیْ نُوْراً وَفِیْ بَشَرِیْ نُوْراً وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ فِیْ نَفْسِیْ نُوْراً وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْراً وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْراً وَمِنْ تَحْتِیْ نُوْراً اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ نُوْراً۔

File Adress:

یا اللہ! کردے میرے دل میں نور، اور نور کردے میری بینائی میں، اور نور کردے میری شنوائی میں، اور نور کردے میری دائیں جانب، اور نور کردے میری بائیں جانب، اور نور کردے میرے پیچھے، اور نور کردے میرے سامنے، اور میرے لیے ایک خاص نور کردے، اور نور کردے میرے پٹھوں میں اور نور کردے میرے گوشت میں، اور نور کردے میرے خون میں، اور نور کردے میرے بالوں میں، اور نور کردے میری جلد میں، اور نور کردے میری زبان میں، اور نور کردے میری جان میں، اور مجھے نور عظیم دے اور میرے اوپر نور کردے اور میرے نیچے نور کردے۔ یا اللہ! مجھے نور عطا فرما۔

یہ وہ نور ہے کہ بدن کی رگ رگ میں اترتا ہے، اور ایسا روحانی سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسری طاقت کا خوف، ڈر، بھروسہ، عظمت دل میں ذرہ بھر باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ ایسی فہم وفراست نصیب فرماتے ہیں کہ ہر قول، فعل اور عمل سے خیر کے چشمے جاری ہوتے ہیں، خود بھی دنیا وآخرت کے مزے لوٹتا ہے اور دوسروں کے لیے بھی دنیوی واخروی کامیابی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔

File Adress:

معصیت کی ظلمات

ان انورات کے لیے عموماً گناہ کا ماحول آڑ بن جاتا ہے اور معصیت کی ظلمت اور تاریکی ایسی ہے کہ یہ اس نور کو ختم کر دیتی ہے۔ اس لیے اس کے حاصل ہونے کے بعد اسے سنبھالنا ہوتا ہے۔ تاکہ گناہ کے اثرات سے یہ زائل نہ ہو۔ ہر گناہ کے اندر ایک باطنی تعفن اور بدبو ہے اور اس کا ایک خاص اثر باطن پر آنے کے ساتھ ساتھ ظاہر بدن پر آتا ہے، جس طرح نیکی کا نور ہے اسی طرح گناہ کی سیاہی اور تاریکی بھی آتی ہے۔ اللہ والوں کو یہ تاریکی محسوس ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس ظلمت کا مشاہدہ فرما لیتے تھے، جیسا کہ روایات میں کئی واقعات ہیں۔ ایک بار دو خواتین کو لایا گیا کہ پیاس کی شدت کے باعث روزہ میں

مری جارہی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر غیبت کی ظلمت مشاہدہ کی اور پیالہ منگوا کر قے کروائی اور محسوس و مشاہد دکھا دیا کہ ان کی قے میں انسانی گوشت کے ذرات تھے۔ احادیث میں آیا ہوا ہے کہ جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کی ایسی بدبو پھیلتی ہے اور ایسا تعفن اٹھتا ہے کہ رحمت کے فرشتے اٹھ جاتے ہیں اور یہ بدبو فضا کو گھیر لیتی ہے۔روایات میں آتا ہے کہ جب انسان زنا کا ارتکاب کررہا ہوتو نور ایمان اس میں قرار نہیں پاتا وہ نکل کر اس کے سر پر معلق ہوجاتا ہے، اور انسان جب تک اس حرام کام میں ہوتا ہے یہ نور ایمان اس کے قلب سے باہر ہوتا ہے۔تو یہ گناہ کی سخت ترین ظلمت اور تاریکی ہے جس کے مقابلے میں ایمان کا نور بھی وقتی طور پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے، جو سب انوار میں طاقتور نور ہے اور صرف کفر سے دائمی طور پر زائل ہوتا ہے، گناہ سے ہمیشہ کے لیے زائل نہیں ہوتا۔ ہاں اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ اس کا کامل فائدہ نہیں ملتا۔امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں آتا ہے کہ انہیں زنا وغیرہ گناہوں کا اثر اور ظلمت کرنے والے کے چہرے پر محسوس ہوجاتی تھی اور بدنظری وغیرہ گناہوں کی ظلمت کو وضو کے پانی میں دھلتا ہوا محسوس فرمالیتے تھے۔ ایک بار حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ نے مرکز میں داخل ہوتے ہوئے فرمایا: ارے بھائی! غیبت کی ظلمت محسوس ہورہی ہے۔تو گناہ کے یہ اثرات ہوتے ہیں جو انوارات کو ختم کردیتے ہیں۔

ایک بار ہم ختم قرآن میں شریک تھے، بعض فقرا نے کہا کہ بڑے ہی انوارات ہیں۔ایک نوعمر قاری صاحب جو خوش شکل بھی تھے، آگے ہوئے، جن کا لباس بھی چست تھا تو فقرا میں سے ایک کو محسوس ہوا کہ ان انوارات میں کمی آگئی ہے۔میرے پاس ایک لمبا چغہ تھا، سلام پھرتے ہی میں نے قاری صاحبؒ کی طرف بڑھا دیا اور انہوں نے اپنے اوپر ڈال لیا، جس سے ان کا پورا بدن چھپ گیا۔کچھ دیر بعد محسوس ہوا کہ تلاوت کے انوارات دوبارہ بحال ہوگئے ہیں۔

File Adress:

تو میرے بھائی! یہ دین کے مراکز، یہ خانقاہیں، یہ مساجد و مدارس خیر کے وہ نورانی چشمے ہوتے ہیں جہاں ہمہ وقت اللہ تعالیٰ اپنے خاص انوارات برساتے رہتے ہیں۔ یہاں آنے والا کچھ بھی نہ سیکھے تو کم از کم ان انوارات سے تو ضرور مستفید ہوگا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ بزرگوں کے در پر حاضر ہونے والا کبھی محروم نہیں لوٹتا، کچھ نہ کچھ لے کر ہی جاتا ہے۔ اخروی نیت نہ تھی تو جو دنیا کی نیت لے کر آتا ہے اسے دنیا ہی مل جاتی ہے۔ تو تُو یہاں آ کر بیٹھ، ان میں شامل ہو، ان شاء اللہ رفتہ رفتہ اصلاح کی توفیق ہوگئی، اللہ پاک اپنا تعلق نصیب فرمائے اور یہ ساری باتیں تب ہوں گی جب میں اور آپ اس کو حاصل کرنے کے لیے کمر باندھ لیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ و اٰخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

File Adress:

ضمیمہ

تعمیر شخصیت

بیعت دراصل ایک ادارے میں داخلہ ہوتا ہے پھر ہر ادارے کا ایک نصاب (course work) ہوتا ہے اس میں تقریر، تحریر، عملی تربیت، امتحانات سب چیزیں شامل ہوتی ہیں۔ ایسے ہی صوفیاء کے ہاں اصلاحِ نفس کے لئے مجاہدات اور ذکراذکار کے تربیتی نظام سے گزرنا ہوتا ہے۔ جب آدمی اس نظام میں شامل ہوتا ہے، اسکو سیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس بات کا اندازہ ہونے لگتا ہے کہ میری شخصیت میں کیا کیا کمی ہے چنانچہ وہ ان کمیوں کو دور کرتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ مثبت چیزوں میں لگتا ہے۔ آدمی نظام کے ساتھ وابستہ ہو جائے تو آہستہ آہستہ اسکی شخصیت کے منفی پہلو دب کر مثبت پہلو اُجاگر ہو جاتے ہیں اور آدمی کامل شخصیت بن جاتا ہے۔ یہ کامل شخصیت اگر خاوند ہے تو بیوی کیلئے رحمت، بیوی ہو تو خاوند کیلئے رحمت، شاگرد ہے تو استاد کیلئے رحمت، اُستاد ہے تو شاگرد کیلئے رحمت، حاکم ہے تو محکوم کیلئے رحمت، محکوم ہے تو حاکم کیلئے رحمت، غرض یہ کہ دنیاوی زندگی جنت بن جاتی ہے۔ اب بتائیے اس چیز کو کیوں نہ حاصل کیا جائے۔ اسی بات کو ادارۂ اشرفیہ عزیزیہ روشناس کرا رہا ہے اور ادارہ کے زیرنگرانی ایک پورا تربیتی نظام چل رہا ہے۔ اصلاحی سلسلہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے

درجۂ اوّل

سلسلہ میں داخل ہونے والے احباب کو مندرجہ ذیل معمولات کا پابند کیا جاتا ہے۔

File Adress:

(الف)مطالعہ کتب:

☆اصلاح نفس ☆حیات درویش

☆تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا چار پانچ مرتبہ مطالعہ تاکہ مسائل ذہن نشین ہو جائیں۔ جہاں سمجھ نہ آئے خود فیصلہ کرنے کے بجائے علماء سے پوچھنا، استعداد اچھی ہوتو اپنے گھر یا مسجد میں چند ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس کو سبقاً سبقاً پڑھنا۔

☆ اُم الامراض، ☆اکابر کا سلوک واحسان ☆فیضِ شیخ از حضرت مولانا زکریا صاحبؒ

☆ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ بنام تسہیل المواعظ

☆اصلاحی نصاب (جو دس رسالوں کا مجموعہ ہے) از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

(ب)حقوق العباد وصفائی معاملات:

* کسی کا مال، زمین یا کوئی اور حق دبایا ہو، فوراً ادا کرنا۔

*بجلی کا میٹر بند ہوتو اس کو کھولنا اور پچھلا حساب کتاب کر کے پیسے ادا کرنا۔

* حکومت کے ٹیکس جو جائز ہوں اور حکومت کے ایسے اِدارے جن پر حکومت کا خرچ ہے ان سے فائدہ حاصل کرنے کی صورت میں ان کا معاوضہ ادا کرنا۔

*میراث وغیرہ کی فوری تقسیم کر کے ہر کسی کو اس کا حصہ ادا کرنا۔

*مشترکہ خاندان میں رہائش کی شکل میں اپنا اور اپنی بیوی بچوں کا پورا خرچ ادا کرنا نیز پردے کے احکام کی پابندی کرنا۔

*جس شعبہ میں ملازمت کر رہا ہو اس کی ڈیوٹی پوری کوشش سے ادا کرنا۔

*بیوی اور خاندان کے درمیان حقوق کی ادائیگی میں توازن رکھنا، نہ بیوی کیلئے ماں باپ کے حقوق ضائع کرے اور نہ ماں باپ اور خاندان کی باتوں میں آ کر بیوی پر ظلم کرے۔

*اپنے محرم رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کی خیر خبر رکھنا اور ان سے پہلو تہی نہ کرنا۔

File Adress:

ج) حقوق اللّٰہ:

*نماز، روزہ وغیرہ جو پہلے قضا ہو چکے ہیں، ان کی ادائیگی فوراً شروع کرنا۔

*زکوٰۃ کا حساب کرکے ادا کرنا۔ عشر وغیرہ کی اسی طرح ادائیگی کرنا۔

*حج فرض ہے اور ابھی تک نہیں کیا تو فوراً اس کا بندوبست کرنا۔

*نماز باجماعت تکبیر اولیٰ کے ساتھ پڑھنا۔ اسکے ساتھ تین تسبیحات استغفار، درُود شریف، تیسرا کلمہ سو سو بار صبح اور شام پڑھنا۔ تلاوتِ کلامِ پاک آدھا پارہ یا اس سے جتنی زیادہ ہو سکے۔ مختصر ضربوں والا ذِکرِ جہری یعنی سو بار **لا الٰہ الا اللّٰہ**، سو بار **الا اللّٰہ** اور سو بار **اللّٰہ**، اس معمول کی چھ مہینے کم از کم پابندی کرکے اگلے درجے کے بارے میں معلومات کی جا سکتی ہیں۔

جن حضرات کے ذمے قضا نمازیں نہیں ہیں وہ اشراق، چاشت، اوابین، تہجد، تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضو کی پابندی کی کوشش کریں۔ تہجد کے لئے آخرِ شب کو نہ اُٹھ سکیں تو سونے سے پہلے ہی آٹھ رکعت یا کم از کم چار رکعت پڑھ لیا کریں۔

درجۂ دوئم

(الف) مطالعۂ کتب:

☆سخنِ درویش ☆اسلامی تصوف، میڈیکل سائنس اور نفسیات ☆بہشتی زیور، ☆اسوۂ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ڈاکٹر عبدالحئی صاحبؒ)۔ ☆سلوکِ سلیمانی (حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحبؒ)، ☆آپ بیتی (حضرت مولانا زکریا صاحبؒ)، ☆ تذکرۃ الاولیاء (شیخ فرید الدین عطارؒ)، ☆کیمیائے سعادت (حضرت امام غزالیؒ) ☆مواعظ اور ملفوظاتِ حکیم الامت (حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)۔

(ب) بارہ تسبیحات:

File Adress:

صبح کی نماز سے پہلے یا بعد یا کسی ایسے وقت میں جب کھانا کھانے کے ڈھائی گھنٹے گزر چکے ہوں اور پانی پینے پر آدھا گھنٹہ گزر چکا ہو، کمر بالکل سیدھی کر کے دو سو بار **لا اِلٰہ الا اللّٰہ** ذرا جھٹکے اور ضرب کے ساتھ جس سے بدن کو تھوڑی سی حرکت ہو جائے۔ چار سو بار **اِلا االلّٰہ** مندرجہ بالا طریقے سے، چھ سو بار **اللّٰہُ اللّٰہ** کہ پہلے اللہ پر پیش مجہول اور دوسرے پر وقف، سو بار صرف **اللّٰہ** وقف کے ساتھ۔

جو لوگ دل کی بیماریوں کیلئے یا دماغی امراض (Psychaitric Diseases) کیلئے علاج لے رہے ہوں ان کو بارہ تسبیحات کی اجازت نہیں دی جاتی۔ اسی طرح جو افراد معدے کے زخم (Peptic-Ulcer) کے مریض ہوں ان کو بھی بارہ تسبیحات کی اجازت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جسمانی تکلیف زیادہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ بارہ تسبیحات والوں کے لئے اپنے بدلتے ہوئے حالات کی اطلاع اور پیش آمدہ حالات کے بارے میں بار بار مشورہ ضروری ہوتا ہے۔

☆ مناجاتِ مقبول ایک منزل روزانہ

اس ترتیب پر چلنے کے بعد سالک میں ایک فہم پیدا ہوتا ہے اور اپنے باطنی عیوب نظر آنے لگتے ہیں۔ ایسا ہو جائے تو اپنے روزمرہ کے خیالات، احساسات، نیت اور اعمال کے دوران جو جو عیب نظر آنے لگیں، ان کے بارے میں اطلاع دے کر ان کی اصلاح کی ترتیب پوچھنی ہوتی ہے۔ ایک وقت میں ایک عیب و رذیلہ ہی لکھنا ہوتا ہے اور اس کی اصلاح کی مشق شروع کرنی ہوتی ہے۔ اِشراق، چاشت، اوّابین، تہجد، تحیۃ المسجد اور تحیۃ الوضوء کی پابندی کرنا۔ جنازوں میں شمولیت، مریض کی عیادت وغیرہ کا خیال رکھنا۔ خدمتِ خلق کے مواقع کو ہاتھ سے جانے نہ دینا۔ اپنی ڈیوٹی اور فرائضِ منصبی کو اللہ تعالیٰ کے دھیان کے ساتھ عبادت اور خدمت کی نیت سے ادا کرنا اور اس پر ثواب کی امید رکھنا۔

File Adress:

File Adress:

File Adress:

File Adress:

File Adress: